شگوفۂ نو

خلیل احمد نینی تال والا

شگوفۂ نو

خلیل احمد نینی تال والا

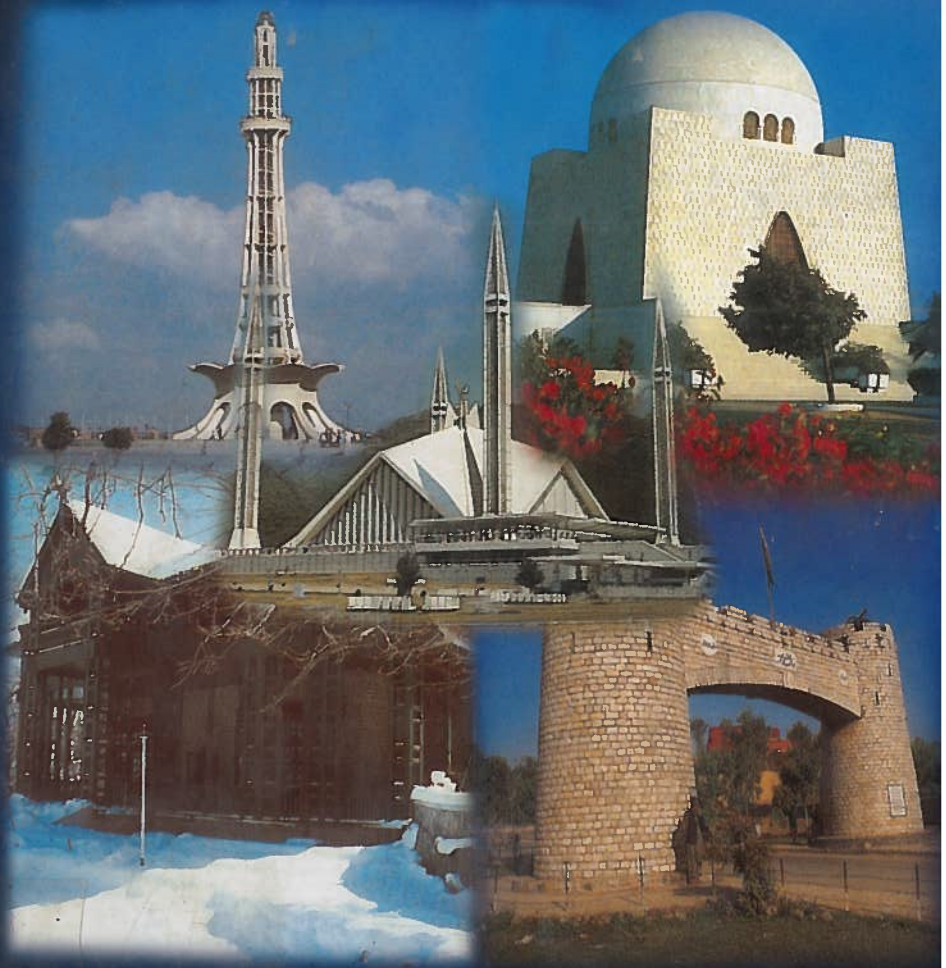

KN ACADEMY LIBRARY

شگوفۂ نو

خلیل احمد نینی تال والا

ACCESSION No. 978
CALL No. 0614/KHA
DATE OF ACC. 25/8 2000

پبلشر : ہمدرد پریس پرائیویٹ لمیٹڈ
قیمت : =/250روپے

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر
1	مینڈیٹ کے 14 مہینے	5 - 8
2	خدمت کمیٹیاں بلدیاتی انتخابات پر اثرانداز ہوں گی	9 - 11
3	ایک تیر دو شکار	12 - 14
4	1965ء کی طرح متحد اور تیار	15 - 16
5	نشان حیدر	17 - 18
6	پاکستان کے ایٹمی دھماکے اور اس کے اثرات	19 - 23
7	وزیراعظم کی تقریر پر ردعمل	24 - 25
8	قرضوں کی وصولی اور احتساب کون کرے گا	26 - 28
9	کالا باغ ڈیم یا پنڈورا بکس	29 - 31
10	ایک ملک دو نظام	32 - 35
11	محرومی کے مزید بیس سال	36 - 38
12	اسلام، ٹیکس اور مغربی جی ایس ٹی	39 - 41
13	غلطیوں کے سر تاج	42 - 46
14	اثر عوام پر نہیں تو کیا فرشتوں پر پڑے گا	47 - 49
15	ایک خواب جو بکھرنے کو ہے	50 - 52
16	تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو	53 - 55
17	قرض اتارو اور خود انحصاری مہم کیوں ناکام ہوئیں؟	56 - 59
18	امریکن سنڈیاں	60 - 62
19	آخری مشورہ پانچو ڈالر پلیز	63 - 65
20	جانوروں کی انسانوں سے فریاد	66 - 69
21	جناب صدر ایک نظر ادھر بھی	70 - 73

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر
22	ڈالر اور کرکٹ کی سٹہ بازی	74 - 77
23	مسٹر ہینڈسم	78 - 81
24	ارباب اقتدار کیلئے لمحہ فکریہ	82 - 84
25	سو پیاز یا سو جوتے	85 - 88
26	خون سعید رائیگاں نہیں جائے گا	89 - 92
27	پاکستان موٹروے خوبصورت منصوبہ مگر ناکام کیوں ہے؟	93 - 96
28	قرضے لینے کی کہانی	97 - 99
29	پاکستانی معیشت کے 30 سال	100 - 103
30	امریکی مفادات کی کہانی	104 - 106
31	الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے	107 - 109
32	جنرل راج سے جنرل سیلز ٹیکس تک	110 - 113
33	حضور گئے کیوں تھے؟	114 - 117
34	بدحواس لوگ غیر یقینی پرواز	118 - 122
35	کاش ایسا ہو جائے	123 - 125
36	ہمارا پاکستان کب بنے گا؟	126 - 129
37	تین عورتیں چار کہانیاں	130 - 132
38	عمرہ کی تکالیف و تجاویز	133 - 137
39	حج کے مقدس کام میں بھی کمیشن	138 - 142
40	سیاسی میدان	143 - 145
41	اردن کا مستقبل	146 - 149
42	کشمیر کا غیر جذباتی حل	150 - 153

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر
43	کلکتہ میچ اور نورا کرکٹ اب ناقابل برداشت ہیں	154 - 157
44	بسنت یا پتنگ بہار فیسٹول	158 - 161
45	قومی مفادات: حزب اقتدار اور حزب اختلاف کا کردار	162 - 164
46	پاکستانی حجاج کی تکالیف کون دور کرے گا؟	165 - 168
47	حج کی تکالیف اور ان کا حل	169 - 172
48	ایک محمد بن قاسم کا انتظار ہے	173 - 177
49	ایٹمی دھماکہ سے شاہین تک کا سفر	178 - 181
50	ایک جنگ اور سہی	182 - 184
51	میانداد کے حاسد پھر سرگرم	185 - 188
52	الوداع بیسویں صدی الوداع	189 - 191

شگوفہ نو کیوں لکھی

مجھے شروع ہی سے سیاست کا شوق تھا مگر کاروبار کی مصروفیات آڑے آتی تھیں۔ ۱۹۷۶ء میں جب میں نیشنل فارماسیوٹیکل مینوفیکچررز ایسوسی ایشن کا جنرل سیکریٹری تھا تو وزارتِ صحت نے راتوں رات جینرک ایکٹ ۱۹۷۳ء کو معطل کر کے ڈرگ ایکٹ ۱۹۷۶ء نافذ کر دیا جس کی وجہ سے تقریباً ۲۰۰ ادویات بنانے والے ادارے بند کر دیے گئے اس کے خلاف آواز بلند کرنے پر مجھے ۳ دسمبر ۱۹۷۶ء کو مشہورِ زمانہ ڈی۔پی۔آر ایکٹ کے تحت گرفتار کر کے اسی دن جیل بھیج دیا گیا جہاں میری ملاقات مولانا صلاح الدین صاحب (مرحوم) جو اس زمانے میں جسارت کے ایڈیٹر تھے دیگر جماعتِ اسلامی کے عہدیداران کے ساتھ پابندِ سلاسل تھے ملاقات ہوئی۔ ان ہی دنوں چوہدری ظہور الٰہی صاحب بھی کراچی جیل میں تھے اس وجہ سے روزانہ بعد نمازِ عصر ایک نشست ہوتی تھی جو عشاء کی نماز تک جاری رہتی تھی کیونکہ عشاء کی نماز کے بعد تمام جیلوں کے وارڈ بند کر دیئے جاتے تھے ان دنوں پی۔این۔اے نئی نئی وجود میں آئی تھی اور وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کے خلاف اپوزیشن متحد ہو کر ایجی

ٹیشن شروع کر چکی تھی مگر ابھی تک اس کو کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی تھی بھٹو صاحب اس کو بڑا آسان مرحلہ سمجھ کر نظر انداز کر رہے تھے تین ماہ میں جیل میں رہا اور ان سیاست دانوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع محض ایک حادثہ تھا اسی دوران اپوزیشن تحریک نظام مصطفٰی زور پکڑتی گئی اور پی پی پی کی حکومت کمزور پڑ گئی جس دن میں رہا ہوا اتفاقاً اس دن کراچی کی تاریخ کا سب سے بڑا جلوس اصغر خان صاحب کی قیادت میں اپوزیشن نے نکالا تھا اور اسی جلوس میں راشہ راشہ اصغر راشہ کا نعرہ بھی وجود میں آیا رات میں نے اصغر خان کی تقریر جو برنس روڈ پر ہوئی تھی وہ سنی اور تحریک استقلال میں شمولیت کی پکی نیت کر لی جب حالات بدلے بھٹو صاحب کی حکومت کا تختہ الٹا اور صدر ضیاء الحق نے اقتدار سنبھالا تو میں نے تحریک استقلال میں باضابطہ شمولیت اختیار کی چند ماہ بعد تحریک استقلال میں پارٹی الیکشن ہوئے ایڈمرل مظفر حسین کراچی کے صدر منتخب ہوئے اور مجھے کراچی کا سینئر نائب صدر چنا گیا اس وقت کراچی کے تمام عہدیداروں میں میری عمر سب سے کم تھی اور سیاست میں آئے ہوئے صرف چند ماہ ہوئے تھے ۱۹۹۷ء تک یعنی بیس سال تک بھرپور سیاست کی۔ پھر خاموشی اختیار کر لی کیونکہ اب سیاست کا معیار صرف اور صرف پیسہ کمانا رہ گیا تھا جبکہ میں تمام زندگی اس سے الگ رہا اور قوم و ملک کی خدمت کو ہی سیاست سمجھتا رہا۔ مگر سیاستدانوں اور حکومت کا اس بازار میں عوام کے ساتھ زیادتی برداشت نہ کر سکا۔ اس لئے سوچا کم از کم اخبارات کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار کر کے عوام کی ترجمانی کروں میں نے حکومت اور اپوزیشن دونوں کے خلاف سچائی لکھی جو میں نے دیکھا وہ لکھ دیا میں جنگ اخبار کا مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے اپنے اخبارات میں جگہ دی خاص طور پر میر شکیل الرحمٰن (ایڈیٹر جنگ کراچی) محمود شام صاحب (ایڈیٹر لندن) ظہور نیازی (ایڈیٹر جنگ راولپنڈی) جن کی بدولت میرے کالم مسلسل چھپ رہے ہیں۔ میں پی پی آئی کے چیف ایڈیٹر فاروق معین صاحب کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے میری شروع شروع میں کالم لکھنے میں کافی مدد کی جس سے میرے لکھنے میں نکھار آتا گیا مگر کبھی کبھی اخبار جنگ اپنے سینسر اور حکومتی دباؤ کی وجہ سے میرے کچھ کالم تو بالکل نہیں چھاپ سکا اور اکثر کچھ جگہ کی تنگی اور کچھ مجبوریوں کی وجہ سے بڑے بڑے پوسٹ مارٹم کی نذر ہو گئے اس لئے میں نے سوچا کہ اپنے قارئین کو اصلی کالموں سے آگاہ کروں جو تشنگی رہ گئی تھی انشاءاللہ وہ اس کتاب شگوفہ نو سے پوری ہو جائے گی۔

بخدا میں نے یہ تمام کالم اپنے ضمیر کی آواز پر عوام کی ترجمانی کرتے ہوئے نہ صرف غلطیوں کی نشاندہی کی بلکہ جہاں جہاں میں نے خامی دیکھی اپنی دیانتدارانہ رائے بھی دی میں نے تنقید برائے تنقید پر عمل نہیں کیا بلکہ تنقید برائے تعمیر کی پالیسی اپنائی مگر اس میں کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو میں اس سے معذرت خواہ ہوں۔ میرا مقصد صرف اور صرف اصلاح کرنا تھا۔ امید ہے کہ قارئین اس سے مستفیض ہوں گے کیونکہ یہ کتاب میرے کالموں کا بغیر سینسر مجموعہ ہے جو میں آئندہ بھی انشاءاللہ پیش کرتا رہوں گا۔

آپ کا خادم

خلیل احمد نینی تال والا

مینڈیٹ کے 14 مہینے

ملک کی مجموعی سیاسی اور معاشی صورت حال غیر یقینی ہے نواز شریف حکومت' جو گزشتہ سال فروری میں بھاری اکثریت سے وجود میں آئی ملکی حالات کو مستحکم بنانے میں ناکام رہی ہے۔ ۱۴ ماہ کے عرصہ اقتدار میں کوئی خاطر خواہ نتیجہ بر آمد نہیں ہوا۔

احتسابی مہم سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کے خلاف چلائی گئی تھی وہ بھی کار آمد نہیں ہوئی۔ اس کے باوجود حکومت یہ دعویٰ کرتی رہی ہے کہ اس کے پاس سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو اور اس کے شوہر آصف علی زرداری کے خلاف واضح ثبوت موجود ہے۔

ملکی معیشت شدید بحران سے دوچار ہے۔ بر آمدی ہدف پورا نہیں ہو سکا۔ تجارتی خسارے میں بھی اپنے خاطر خواہ کمی نہیں کی جا سکی قومی آمدنی کی وصولی بھی اطمینان بخش رجحانات عیاں نہیں کرتی۔ جبکہ ملکی کرنسی مسلسل زوال پذیر ہے اور غیر ملکی زر مبادلہ میں اتار چڑھاؤ جاری ہے۔ بینک کے قرضوں کی وصولی انتہائی مایوس کن ہے ۔اسی دوران نجکاری کا نظام بھی اچھے نتائج فراہم نہیں کر سکا۔ کیونکہ پہلے ہی ملک کی معاشی صورتحال خستہ ہے۔ دس ماہ گزرنے کے بعد موجودہ مالی سال بجلی کے نرخوں میں اضافہ عوام کے مسائل میں اضافہ کرنے کے مترادف تھا۔ اس پس منظر میں صرف ایک ہی بات جو حکومت کے حق میں تھی' وہ آئی ایم ایف کا فیصلہ تھا جس کے تحت ۲۰۰ ملین ڈالر گزشتہ ماہ

پاکستان کو ملے۔ جبکہ گزشتہ سال اکتوبر میں اتنی ہی رقم پاکستان کو ادا کی گئی۔ حکومت نے جولائی ۹۷ء میں ۶ء۱ بلین ڈالر کے حصول کے لیے آئی ایم ایف سے جو مذاکرات کیے تاکہ مالی بحران پر قابو پایا جاسکے اور معاشی میدان میں بھی اسے کچھ تقویت ملے۔ اسے بنیادی رقم میں اضافے کی بھی امید تھی۔

حکومت کی جانب سے حکومت کے زیر انتظام اداروں کو نجی شعبے میں دینے کی کوشش بھی بے سود ثابت ہوئی اور ان اداروں کو نجی شعبوں میں دیا جائے جو حکومت کے زیر انتظام تھے۔ گزشتہ ۱۴ ماہ کے دوران یہ غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی کے سلسلے میں بڑے پیمانے پر جو اشتہاری مہم چلائی گئی تھی وہ بھی اندرون و بیرون ملک بے اثر ثابت ہوئی۔

وزیر اعظم نواز شریف بے نظیر بھٹو کو تواتر کے ساتھ ایسے اقدامات کا ذمہ دار ٹھہراتے رہے جو ان کے خیال میں تمام تر خامیوں کی بنیاد ہیں، مگر خود ان سے یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ پاکستان مسلم لیگ کے منشور میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ پورے ملک میں ترقی اور خوشحالی لائیں گے جبکہ یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ اپنے وعدے پر پورا نہیں اتر سکے۔ اس سال فروری میں حکومت کی پہلی سالگرہ کے موقع پر لوگوں نے حکومت کی ایک سالہ کارکردگی پر کچھ اطمینان کا اظہار نہیں کیا اور اسی دوران حکومت کی جانب سے سیاسی انتقام کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ جس کی شکایت عام طور پر ہو رہی ہے۔ باوجود اس کے کہ حکومت میں آنے کے فوراً بعد نواز شریف نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے آٹھویں ترمیم کی جس کی رو سے صدر کو اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے سے باز رکھا گیا ہے جو کہ قومی اسمبلی کی تحلیل کی صورت میں ہونا تھا پھر بھی حالات جوں کے توں رہے۔

تجزیہ نگار سوال کرتے ہیں کہ سابق صدر فاروق احمد خان لغاری کے استعفے کے بعد بھی، جو انہوں نے دسمبر ۱۹۹۷ء کو دیا صورتحال میں کوئی تبدیلی کیوں نہیں آئی؟

علاوہ ازیں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لوگوں کی طرف سے بجا طور پر شکایات آرہی ہیں کہ چھوٹے چھوٹے گروپوں میں لوگ اختیارات کا بیجا استعمال کر رہے ہیں جو زیادہ تر نواز گروپ اور اس کی فیملی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ صورتحال لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات اور غیر یقینی پیدا کر رہی ہے یہی کیفیت زیادہ تر چھوٹے صوبوں میں اور بڑی حد تک پنجاب کے علاقوں میں بھی لوگوں کے درمیان نمایاں

ہے جبکہ حکومت اسے نظر انداز کر رہی ہے۔ غیر اطمینان بخش معاشی حالت بڑھتی ہوئی بیروزگاری، قیمتوں میں اضافہ، امن و امان کی خراب صورتحال، نسلی فساد اور ملک کے کئی حصوں میں قتل و غارتگری یہ ظاہر کرتی ہے کہ مستقبل کچھ اچھا نہیں ہے۔ اسی طرح یہ دعویٰ بھی کہ کافی تعداد میں غیر ملکی سرمایہ دار ملک میں سرمایہ کاری کے لئے آرہے ہیں، یہ غلط ثابت ہوا ہے۔ یہ دعویٰ بھی بڑے شد و مد سے کیا گیا ہے کہ غریبوں کے فوائد کے لئے خطیر رقم رکھی گئی ہیں۔ غریبوں کو ان رقوم سے کوئی فائدہ حاصل ہوگا۔ مستقبل قریب میں اس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ ایک نہایت اہم حل طلب مسئلہ صوبوں کے درمیان ادائیگی کا ہے جو کہ این ایف سی کے مطابق حل ہونا چاہئے۔

سندھ اور بلوچستان، کی حکومتیں اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے اوور ڈرافٹ کے ذریعے اپنی مالی ضروریات پوری کر رہی ہیں اور صوبوں کو ان کی گیس، تیل اور توانائی کی Royalties کی ادائیگی نہیں کی گئی ہے۔ وفاقی حکومت نے وفاقی یونٹس کی تسلی اور اطمینان کے مطابق اس ضمن میں تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ آئندہ بجٹ کے لئے یہ بہت اہم ہے۔ بین الاقوامی سطح پر تیل کی قیمتوں میں کمی کرانے کی بڑی کوشش کی جارہی ہے تاکہ آمدنی کے حصول میں اضافہ کیا جائے اور یہ خلا پورا کیا جائے۔

برآمدات میں اضافہ کے لئے ایک مربوط مہم چلائی گئی ہے تاکہ مطلوبہ ہدف حاصل ہو سکے جو کہ موجودہ مالی سال سے پہلے ناممکن نظر آتا ہے۔ حکومت نے قلیل مدت کے لئے قرض کی وصولی بینک سے شروع کر دی ہے تاکہ مالی مشکلات پر قابو پایا جاسکے لیکن ان کی شرح سود زیادہ ہے۔ اچھی خبر یہ ہے کہ اس سال گنے کی پیداوار امید افزا ہے اور گنے اور اس سے تیار شدہ اشیاء کی برآمد سے کافی زرمبادلہ حاصل ہوگا لیکن دوسری طرف حکومت گندم درآمد کرے گی تاکہ وہ اپنے ذخائر میں استحکام پیدا کر سکے۔ اس پس منظر میں قومی بجٹ کا اعلان جون میں ہوگا جو عوام کو مزید قربانیوں پر مجبور کرے گا۔ موجودہ صورتحال ایسے ہی خدشات کی طرف اشارے کر رہی ہے۔ اس قسم کی قربانیوں کی اپیل عوام کو کڑی آزمائش میں ڈال دے گی اور اس کا ردعمل حکومت پر عوام کے عدم اعتماد کی صورت میں بھی ظاہر ہو سکتا ہے۔ حکمرانوں کا کہنا ہے کہ ان کے پاس جادو کا چراغ نہیں ہے کہ وہ اس بحران سے نمٹ سکیں یہ سب کچھ انہیں سابقہ حکومت سے ورثے میں ملا ہے لیکن رائے دہندگان یہ سوچتے ہیں کہ ان کو اس

بھاری مینڈیٹ سے کیا حاصل ہوا جو انہوں نے نواز شریف کو دیا ہے۔ حکومت قومی معیشت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ انکم ٹیکس کی ادائیگی کے گوشواروں میں ٹیکس ادا کرنے والوں کی تعداد کم ہے کیونکہ ٹیکس کی چوری عام ہے۔ یہاں ٹیکس کی ادائیگی کا کوئی طریقہ نہیں جس کے نتیجے میں ٹیکس کی آمدنی بہت کم ہے۔ معیشت کے استحکام کے لئے کافی وقت درکار ہو گا اور یہ ہدف انقلابی طریقے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے کیا ایسی کوئی امید ہے جس سے بہتری ہو سکے۔

معاشی حالات میں بہتری کے لئے وہاں سیاسی وعدوں کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ زرعی پیداوار میں اضافہ بنیادی طور پر کرنا ہو گا۔ جو ہمارے ملک کو خود کفیل کر سکتا ہے اور برآمدات کے متعلق بھی سوچنا ہو گا اور زرعی پیداوار کی برآمد میں بھی اضافہ کرنا ہو گا۔ یہ حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کو یہ کر کے دکھائیں اور سیاسی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنی مخلصانہ کوششوں کے ذریعے مجموعی ترقی کو ملک کا مقدر بنائیں۔

صبر و استقلال اور سیاسی انتقام سے بالاتر ہو کر کام کریں اور دوسری جانب حزب اختلاف کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ملک اور قوم کے لئے قومی سطح پر سوچے اور اپنی ذمہ داری پوری کرے۔ یہ بڑا مشکل کام ہے جو قربانی چاہتا ہے مگر کسی سیاستدان یا کسی اور کے لیے یہ کام کوئی مشکل نہیں' بشرطیکہ وہ اپنی انا اور اپنے ذاتی مفاد کو بالائے طاق رکھ دیں۔ صورت حال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ لوگ سیاسی لیڈروں سے تنگ آچکے ہیں اور انہیں تمام خامیوں کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ اب سیاستدانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کا اعتماد بحال کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ اور عوامی اعتماد پر پورا اترنے کی کوشش کریں' ایسا نہ ہو کہ بہت دیر ہو جائے عوام اور دوسروں سے امداد کی اپیل کریں۔

یہ ہم سب کے لئے ایک سبق ہے اور ہم سب کو جوش اور جذبے سے ملک کی ترقی کے لئے کام کرنا ہے جو کہ بظاہر ناممکن نظر آتا ہے۔

خدمت کمیٹیاں بلدیاتی انتخابات پر اثر انداز ہو نگی

عوام کے ذہنوں میں یہ احساس اب شدت کے ساتھ جڑ پکڑ رہا ہے کہ حکومت ان کے مسائل کے حل پر توجہ نہیں دے رہی۔ فروری ۹۷ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو عوام نے دل کھول کر ووٹ ڈالے مگر گزشتہ ۱۴ ماہ کا عرصہ اقتدار گواہ ہے کہ اس دوران حکمرانوں نے عوام کی قربانیوں کا صلہ صرف اور صرف ان کے مسائل میں اضافے کی صورت میں دیا ہے اور اس میں کسی علاقے کی کوئی تخصیص نہیں' مسائل و مشکلات کی چکی میں چاروں صوبوں کے عوام یکساں طور پر پس رہے ہیں ادھر ایک افسوسناک واقعہ ہوا کہ مسلم لیگ اور عوامی نیشنل پارٹی کا معاہدہ فروری کے آخر میں ٹوٹ گیا وجہ یہ تھی کہ موجودہ حکومت صوبہ بلوچستان میں تبدیلی لا کر اختر مینگل کو بلوچستان کا وزیر اعلیٰ بنانا چاہتی تھی۔ صوبہ سندھ میں بھی مخلوط حکومت عدم استحکام کا شکار رہی کیونکہ متحدہ قومی موومنٹ اور مسلم لیگ کے نظریات میں اختلاف تھا۔ متحدہ قومی موومنٹ نے حکومت کو دھمکی دی تھی کہ اگر ان کے مسائل حل نہ کئے گئے اور بالخصوص نوگو ایریاز کا خاتمہ نہ ہوا تو وہ حکومت سے علیحدگی اختیار کر لیں گے۔ وزیر اعظم صاحب ہر مرتبہ کی طرح اس بار بھی اس معاملے میں مداخلت کرتے ہوئے مسئلے کو سلجھانے کی کوشش کرتے رہے۔ اس صورت حال میں عوام کے خدشات اور وسوسے بڑھ گئے کیونکہ کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے اور قومی آمدنی کی فراہمی کا سب سے بڑا ذریعہ بھی ہے۔

ان امور پر فوراً توجہ دی جانی چاہئے کیونکہ کراچی ملک کے لئے ۶۵ فیصد ریونیو فراہم کرتا ہے۔ پورے ملک کی نوے فیصد درآمدی و برآمدی تجارت آبی ذرائع سے ہوتی ہے اور آبی تجارت کا واحد ذریعہ کراچی ہی ہے۔ اس لئے فوری ضرورت اس بات کی ہے کہ کراچی میں ہر لحاظ سے امن قائم کیا جائے اور ترجیحی بنیادوں پر عوام کی مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ سب سے پہلا کام تو یہ کیا جائے کہ کراچی تا حیدر آباد موٹروے کا کام فوراً شروع کر دیا جائے اور ساتھ ہی لاہور تا حیدر آباد ایک بڑی شاہراہ بنا دی جائے لیکن سب سے اہم چیز یہ ہے کہ ان دو منصوبوں کو شروع کرنے کے لئے فنڈز کا قیام فوراً ہی عمل میں لایا جائے تاکہ دونوں منصوبے وقت مقررہ پر مکمل ہو جائیں۔ پھر اسی طرح کراچی سے اورماڑہ جو کہ بلوچستان کا ساحلی علاقہ ہے' شاہراہ بھی بنائی جائے تاکہ صوبہ سندھ سے بلوچستان کے ساحلی علاقے تک نئی تجارتی راہ کھل جانے کا موثر ذریعہ بن سکے۔ ملک بھر میں خدمت کمیٹیوں کا قیام عمل میں آیا ہے ان کمیٹیوں میں زیادہ تر حکمران مسلم لیگ کے لوگ ہی سربراہ اور ارکان بنے ہیں جو عوام کے لئے باعث حیرت ہے' کیونکہ عوام کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ آخر ان کمیٹیوں کو بنانے کا جواز کیا ہے۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ بلدیاتی انتخابات کے عنقریب انعقاد کی باتیں بھی ہو رہی ہیں جس کے ذریعے مقامی مسائل حل ہو جائیں گے' پھر ان خدمت کمیٹیوں کا قیام سمجھ سے بالاتر ہے۔ انتہائی بدقسمتی کی بات ہے کہ اس حقیقت کے باوجود کہ قومی اسمبلی اور پنجاب اسمبلی میں مسلم لیگ کی اکثریت ہے جبکہ معقول حد تک سرحد اور سینیٹ میں ان کے لوگ ہیں اور بلوچستان میں بھی ان کی نمائندگی ہے۔ صوبہ سندھ میں بھی ان کے اتحادی دوست ہیں ان کے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے نمائندے ہیں مگر عوام کے مسائل میں کمی کے بجائے بے پناہ اضافہ ہوا ہے' یعنی گزشتہ ۱۴ ماہ کے دوران موجودہ حکومت کے منتخب نمائندوں نے مکمل طور پر ہر لحاظ سے اپنے آپ کو نااہل ثابت کیا ہے جس کی وجہ سے مجبور ہو کر خدمت کمیٹیوں کا قیام عمل میں لایا گیا جن کو خصوصی اختیارات دیئے گئے ہیں تاکہ عوام کے مسائل حل کر سکیں۔ خدمت کمیٹی میں حکومت کے ہی نامزد اور وفادار لوگ ہیں جو حکومت کی منشا کے مطابق کام کریں گے۔ لہٰذا یہاں شکوک و شبہات جنم لے رہے ہیں کہ جب موجودہ حکومت ہی کے لوگ اس کام کو کریں گے تو ان خدمت کمیٹیوں کا قیام کس کو بے وقوف بنانے کے لیے عمل میں لایا گیا؟

لہٰذا ان کمیٹیوں کے اغراض و مقاصد کمیٹی کے بارے میں عوام کے شکوک و شبہات بے معنی نہیں ہیں۔ یہ ایک ترکیب ہے جس کے ذریعہ کمیٹی کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے جائیں اور بلدیاتی اداروں کے منتخب نمائندوں کو ان کے مقابلے میں کم اختیارات دیئے جائیں گے۔ اس طرح عوام کے مسائل خدمت کمیٹیوں کے ذریعے ہی حل ہو سکیں گے اور اس کا سیاسی فائدہ مسلم لیگ کو ہوگا۔ اور یہ بات بھی اپنی جگہ ہے کہ خدمت کمیٹیوں کے ارکان بلدیاتی انتخابات کے نتائج پر پوری طرح اثر انداز ہونے کی کوشش کریں گے اور انتخاب والے دن دھونس' دھاندلی اور اختیارات کا ناجائز استعمال کر کے جیتنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ یہ بات از خود عیاں ہو جاتی ہے کہ اس طرح سے صاف و شفاف انتخابات کا انعقاد ممکن نہیں ہوگا۔

گزشتہ حکومت کی دس سالہ کارکردگی سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے ملک میں جمہوریت کس طرح چلتی ہے۔ چنانچہ موجودہ حکومت کے طور طریقے بھی کم و بیش وہی ہیں اور اس طرح ماضی کی طرح عوام کے مسائل کے حل کی اب بھی کوئی امید نہیں رکھی جانی چاہئے۔ امید ہے کہ جناب محمد نواز شریف کی حکومت نوشتہ دیوار پڑھے گی اور عوام الناس کی بھلائی و بہتری کی طرف فوری اور صحیح توجہ دے گی۔ ساتھ ہی مرکز اور صوبوں میں رابطہ کر کے جس طرح سے بھی اور جہاں سے بھی ممکن ہوگا تمام معاملات کو صحیح سمت پر لا کر حل کرنے کی کوشش کرے گی۔ تاکہ عوام کا اعتماد بحال ہو' اور ملک اقتصادی ترقی کرے۔ ان تمام معاملات کو حل کرنے کے لئے معاملہ فہمی' دلجمعی اور خلوص دل سے سب کو ساتھ لے کر چلنا ہوگا۔ اس وقت ملکی صورتحال بہت ہی مخدوش ہے۔ غیر ملکی قرضے بہت زیادہ ہیں ان کی ادائیگیاں بھی نامکمل ہیں۔

جناب نواز شریف نے فروری ۹۷ء کے انتخابات میں عوام سے جو وعدہ کئے تھے' انہیں پورا کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں تاکہ لوگ انہیں یاد رکھیں۔ بصورت دیگر تاریخ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔

ایک تیر دو شکار

اس ہفتہ بھارت نے دو ایٹمی دھماکے کئے جن سے دنیا بھر میں افراتفری مچ گئی۔ کچھ نے اقتصادی پابندیاں لگانے کی دھمکی دی، کسی نے اپنے اپنے سفیر واپس بلا لئے۔ امریکہ نے بھارت کو دھمکی دینے کے ساتھ ساتھ پاکستان کو مشورہ دیا کہ پاکستان ایٹمی دھماکہ کرنے کے بجائے خاموشی اختیار کرے۔ امریکی سی آئی اے کو تو بھارتی ایٹمی دھماکوں کا علم ہی اس وقت ہوا جب بھارت نے آخری دو دھماکے کئے۔ بھارت میں جس وقت دھماکے ہوئے اس وقت بھارت میں دن اور امریکہ میں رات تھی اور غالباً سب سو چکے تھے۔ لہٰذا امریکی صدر کو صبح ناشتہ کی ٹیبل پر بتایا گیا ہوگا کہ جناب صدر ایشیاء میں ایک اور ایٹمی ملک کا اضافہ ہو گیا۔

آج موجودہ دور میں کوئی بھی یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوگا کہ بھارت اتنا بڑا عمل بغیر امریکی رضامندی کے یا اس کے علم میں لائے بغیر کر سکتا ہے، اور پھر نہ صرف دھماکے کرنا بلکہ اس پر فخر کر کے بھارتی عوام سے سڑکوں پر ڈھول بجوا کر اس بات کا اعلان کرے کہ بھارت بھی ایٹمی طاقت بن چکا ہے یہ بالکل اسی طرح ہے جب عراق کے حملے سے ایک دن پہلے تک کویت کو باور کرا دیا گیا تھا کہ عراق حملے کا سوچ بھی نہیں سکتا اور درپردہ عراق کو حملے کا گرین سگنل دے دیا گیا جس سے امریکہ اور اس کے حواریوں کو زبردست معاشی اور سیاسی فائدے پہنچے۔ امریکہ کو خاص طور پر خلیج میں اترنے اور رہنے

کی جگہ کے ساتھ ساتھ اپنے پرانے اور بیکار اسلحے کو استعمال کرنے کا موقع ملا کویت، سعودی عرب اور دیگر ملکوں سے بھاری بھاری رقوم "جنگی اخراجات" کے نام پر سمیٹی گئیں اور جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے نہایت اہم اور حساس علاقے میں "پولیس چوکی" کے قیام کا موقع ہاتھ لگا۔ علاوہ ازیں امریکن فوج جو بیکار بیٹھی تنخواہ کھا رہی تھی اس کو کھپانے کا موقع ملا۔

بھارت سے ایٹمی دھماکے کرانے کا مقصد ایک تیر سے دو شکار کرنا تھا۔ ایک طرف چین کو یہ باور کرانا تھا کہ اب ایشیا میں صرف چین ہی ایٹمی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ اس کا پڑوسی بھارت بھی ایٹمی طاقت بن چکا ہے تو دوسری طرف پاکستان کو بھارت کی طاقت سے مرعوب کرنا تھا کیونکہ پاکستان عالم اسلام میں سب سے زیادہ مقبول اور اسلام کا قلعہ تصور کیا جاتا ہے۔ اگر پاکستان نے جلد بازی میں کوئی فیصلہ کیا تو اس کے خلاف عراق اور لیبیا کی طرح کی اقتصادی پابندی لگانے کا جواز پیدا ہوگا اور دیگر اسلامی ممالک بھی ڈرے اور سہمے رہیں گے۔ بھارت پر جو پابندیاں لگانے کا اعلان ہوا ہے وہ محض دکھاوا ثابت ہوگا۔ پاکستانی حکمرانوں کو چاہئے کہ ایٹمی توانائی حاصل کرنے پر اپنی پوری توجہ رکھیں اور جس طرح خلیج کی جنگ میں چین نے ویٹو نہ کرنے پر اور ترکی نے امریکا کا ساتھ دینے پر اپنے قرضے معاف کروائے تھے اسی طرح کے قرضے معاف کروائیں تاکہ پاکستان کی معیشت پر خوشگوار اثر پڑے۔ اگر یہ وقت گنوا دیا تو پھر ایسا موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہاں مجھے ایک لطیفہ یاد آرہا ہے۔ وہ یہ کہ ایک ہوائی جہاز میں ایک سردار جی اپنے طوطے کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ سردار جی نے دیکھا ایک ایئر ہوسٹس جب طوطے کے پاس سے گزری تو طوطے نے گردن نکال کر ایئر ہوسٹس کے چٹکی بھر لی۔ ایئر ہوسٹس نے طوطے کی طرف دیکھا اور مسکرا کر آگے بڑھ گئی۔ دوسری دفعہ بھی جب ایئر ہوسٹس وہاں سے گزری تو طوطے نے پھر چٹکی بھر لی۔ ایئر ہوسٹس پھر مسکرا کر آگے بڑھ گئی۔ سردار جی سے نہیں رہا گیا اب کی بار جب ایئر ہوسٹس سردار جی کے پاس سے گزری تو سردار جی نے بھی ایئر ہوسٹس کے چٹکی بھر لی۔ ایئر ہوسٹس بھنا اٹھی۔ وہ سیدھی کپتان کے پاس گئی اور سردار جی کی شکایت کر دی۔ کپتان کے جواب طلب کرنے پر سردار جی نے کہا کہ "دو مرتبہ پہلے میرے طوطے نے چٹکی بھری تو اس نے کچھ نہ کہا بلکہ مسکرا کر آگے بڑھ گئی۔ میرے چٹکی بھرنے پر یہ خفا ہو کر آپ کے پاس آگئی ہے"۔ کپتان نے طوطے کو منگوایا اور طوطے اور

سردار جی' دونوں کو کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ سردار جی باہر ہوا میں نیچے کی طرف جانے لگے تو طوطا سردار جی کے پاس آیا اور پوچھا: سردار جی' آپ کو اڑنا آتا ہے؟ سردار جی نے کہا "نہیں"۔ طوطے نے جواب دیا کہ جب اڑنا نہیں آتا تھا تو چٹکی کیوں بھری؟ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ پاکستان کو کسی حالت میں اپنے دفاع سے غافل نہیں رہنا چاہئے اور ساتھ ہی اپنے دشمنوں پر پوری نگاہ رکھنی چاہئے۔ صرف جوابی ایٹمی دھماکہ کرنا ہی ایٹمی طاقت ہونے کی نشانی نہیں ہے بلکہ بھارت کے کئے گئے ایٹمی دھماکے سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔

1965ء کی طرح متحد اور تیار

صرف ایک ہفتے کے اندر ہندوستان کی فوجوں نے لائن آف کنٹرول پر آکر پاکستانی فوج پر نہ صرف فائرنگ کی بلکہ تمام سرحدوں پر اپنی فوجیں پہنچا کر ایک خطرناک صورتحال پیدا کر دی ہے اور دونوں ملکوں کے درمیان جنگ چھڑنے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ یاد رہے کہ جب بھارتیہ جنتا پارٹی نے اپنی انتخابی مہم چلائی تھی تو اس میں اور وعدوں کے علاوہ عوام سے یہ بھی عہد کیا تھا کہ وہ برسر اقتدار آکر کشمیر کا وہ حصہ جو پاکستان کے پاس ہے' اسے بھی بھارت میں شامل کرے گی۔ اس صورتحال کو مد نظر رکھتے ہوئے پاکستان کو چاہئے کہ کشمیر کی سرحد پر کڑی نگاہ رکھے اور چونکہ جنگ کی سی صورتحال پیدا ہو چکی ہے لہٰذا افواج پاکستان کو فوری طور پر سرحدوں پر پہنچایا جائے۔ فائرنگ روزانہ کا معمول بنتی جا رہی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی حکومت ایٹمی دھماکہ کرنے کے بعد کھلم کھلا جنگ پر آمادہ ہے۔ ایٹمی دھماکہ چین کے لئے بھی ایک قسم کی خطرے کی گھنٹی ہے۔ بھارت دراصل یہ چاہتا ہے کہ جنوبی ایشیا اور بحر ہند پر اس کی بالادستی ہر صورت میں برقرار رہے گی۔ اس ہنگامی صورتحال کے پیش نظر وزیراعظم نواز شریف کو چاہئے کہ پوری قوم کو اعتماد میں لیں اور مجموعی طور پر حزب اختلاف کے تمام قائدین کو بات چیت کی دعوت دیں اور اصل صورتحال سے آگاہ کریں۔ وقت آگیا ہے کہ اپنے تمام ذاتی اختلافات بالائے طاق رکھ کر متحد ہو کر پاکستان کی سلامتی و بقا کی خاطر ایٹمی دھماکہ کر دیں تاکہ بھارتی حکمراں ایٹمی

قوت کے نشے میں جامے سے باہر نہ ہو سکیں۔اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے پڑوسی ملکوں چین' افغانستان اور جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک سے فوری رابطہ کر کے پاکستان کی سلامتی کے تحفظ کے لئے ان سے بھی تعاون حاصل کیا جائے۔ میں اس موقع پر حزب اختلاف کے تمام رہنماؤں سے اپیل کرتا ہوں کہ ملک و قوم کی سلامتی کے لئے اس نازک موقع پر اپنے الگ الگ مقاصد کے بجائے صرف اور صرف پاکستان کے تحفظ کے لئے یک جان ہو کر عوامی مظاہرہ کر کے پوری دنیا پر یہ ثابت کر دیں کہ پاکستانی عوام اپنی بقا کی خاطر ۱۹۶۵ء کی طرح متحد' مستعد اور تیار ہیں۔اگر ہم اپنی بقاو تحفظ کے لیے ایٹمی دھماکہ کرتے ہیں تو حکومت کو چاہئے کہ پہلے عالمی رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے کے لئے ضروری اقدامات کرے۔دنیا بھر میں موجود پاکستان کے سفیروں کو خصوصی ہدایات دی جائیں کہ وہ اپنے اپنے متعلقہ ملک کے سربراہ سے ملاقات کر کے' انہیں حقیقی صورت حال سے آگاہ کریں' اور جوابی ایٹمی دھماکہ نہ کرنے کی صورت میں موجود مضمرات سے آگاہ اور قائل کریں۔

اگر بین الاقوامی رائے عامہ کو ہموار نہیں کیا گیا تو بھارت اپنے مکروہ عزائم اور غلط پروپیگنڈہ سے پاکستان کی اقتصادی اور سفارتی ساکھ کو مجروح کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

حکومت پاکستان کو چاہئے کہ مزید وقت ضائع کئے بغیر پوری دنیا پر اپنے ایٹمی دھماکے سے واضح کر دے کہ علاقے میں قوت کا توازن اسی طرح برقرار رکھا جا سکتا ہے۔

نشان حیدر

آج کل کراچی کے عوام بہت بڑے عذاب سے گزر رہے ہیں۔ایک طرف گرمی اپنے شباب پر ہے دوسری جانب بجلی کی بغیر اعلان لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے کراچی کے باشندے بارش کے بجائے پسینوں میں نہا رہے ہیں حالانکہ وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں کہا ہے کہ ہمارے پاس بجلی بہت زیادہ ہے اور ہم فاضل بجلی بھارت کو فروخت کریں گے۔پانی صرف ٹینکر مافیا کے پاس ہے جو واٹر بورڈ کے اہلکاروں کی ملی بھگت سے تین تا ۵۰۰ روپے فی ٹینکر فروخت کیا جا رہا ہے۔اور جب تک عوام پانی خریدتے رہیں گے پانی کی سپلائی کم اور ٹینکر بڑھتے رہیں گے۔ایک زمانہ تھا جب کراچی کی سڑکیں روز دھلتی تھیں اور کراچی کے باشندے دن میں دو مرتبہ نہاتے تھے' اب تو اگر جمعہ کے جمعہ بھی نہالیں تو غنیمت ہے۔

کراچی کا تیسرا بڑا مسئلہ سیوریج کا تباہ حال نظام ہے' یہ نظام اس حد تک خراب ہو چکا ہے کہ بعض علاقوں میں تو مہینوں گندا پانی بہتا رہتا ہے اور واٹر و بورڈ والے شکایت تک سننا گوارہ نہیں کرتے البتہ اس محکمہ کے وزیر کے گھر پانی کے ٹینکر اور صفائی کا عملہ ضرور پہنچ جاتے ہیں۔

اگر کراچی کی کوئی گلی یا سڑک صحیح سالم ہو تو آپ سمجھ لیں کہ اس محلّہ میں کوئی وزیر یا اس کا رشتہ دار رہتا ہے۔اس محلے میں پانی بھی نہ صرف وافر مقدار میں آ رہا ہوتا ہے بلکہ اکثر اوقات سڑکوں پر بہہ رہا ہوتا ہے۔

میں نے صرف ایک ہفتے کے اخبارات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ کراچی میں اس ہفتہ ۱۱۰ گاڑیاں اور ۸۳ موٹر سائیکلیں چھینی گئیں جن میں صرف ۱۵ چوری ہوئیں۔ ۹۳ ڈکیتیاں ہوئیں اور ۱۳۵ افراد دہشت گردوں نے مار دیئے جس کے جواب میں صرف پانچ دہشت گرد مارے گئے جن پولیس والوں نے پانچ دہشت گردوں کو مارا وہ تمام کے تمام ترقی اور نقد انعام سے نوازے گئے جبکہ جن کے ہاں ڈکیتیاں ہوئیں' گاڑیاں چھینیں 'لوگ قتل ہوئے ان کے لئے حکومت وقت کے پاس ہمدردی کے دو بول بھی نہیں۔

شادی شدہ جوڑوں نے ساحل سمندر پر جانا چھوڑ دیا کیونکہ ہر وقت تو نکاح نامہ ساتھ نہیں رکھ سکتے۔ شریف اور پڑھے لکھے لڑکوں نے اسکوٹر چلانا کم کر دیا کیونکہ ہر سگنل پر کاغذات کی چیکنگ اور جیب تلاشی پولیس کا اولین فرض بن چکا ہے' اگر ایک کاغذ بھی کم ہو تو تھانے چلنے کی دھمکی دے کر ان سے جیب میں موجود رقم ہتھیالی جاتی ہے۔ صرف ٹرک' ویگن اور بسوں والے خوش قسمت ہیں کہ ان سے کچھ نہیں پوچھا جاتا اور پوچھا بھی کیوں جائے کہ یہ گاڑیاں نوے فیصد پولیس افسران کی ملکیت ہوتی ہیں یا پھر سرکاری ملکیت ہوتی ہیں۔

جب سے کراچی میں فلائی اوور برج بنے ہیں ڈرگ مافیا کو ایک نئی منڈی ہاتھ آگئی اب ہر قسم کی منشیات ان فلائی اوورز کے نیچے قانون کے رکھوالوں کی موجودگی میں با آسانی دستیاب ہیں اور ساتھ ساتھ نشہ کرنے کے بعد ان پلوں کے نیچے بڑے مزے کی نیند بھی آجاتی ہے اور صبح ہوتے ہی یہ کاروبار پھر شروع ہو جاتا ہے اس سے پہلے یہ کاروبار سرکاری پارکوں میں ہوتا تھا۔

حکومت نے خدمت کمیٹیاں ہر محلے میں بنادی ہیں اور وہ صرف پاکستان مسلم لیگ والوں پر مشتمل ہیں کیونکہ مسلم لیگ نے ہی پاکستان بنایا تھا۔ ظاہر ہے اب پاکستان کی خدمت بھی انہی کا فرض بنتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی خدمت کون کرے گا؟

یہ بات تمام لوگ جانتے ہیں کہ کراچی پاکستان کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور سب سے زیادہ ٹیکس ادا کرتا ہے۔ اتنا ٹیکس ادا کرنے کے باوجود اتنی بڑی مصیبتیں جھیلنے پر کراچی کے عوام کو جرات و بہادری کا سب سے بڑا اعزاز نشان حیدر ملنا چاہئے مگر ٹھہریئے نشان حیدر تو مرنے کے بعد ہی مل سکتا ہے مگر کراچی کے عوام تو ابھی زندہ ہیں۔ گو دم لبوں پر ہے مگر روح کا رشتہ بدن سے قائم ہے۔ بغیر بجلی اور پانی کے تو نشان حیدر بھی انہیں نہیں مل سکتا۔

پاکستان کے ایٹمی دھماکے اور اس کے اثرات

مورخہ ۲۸ مئی اور ۳۰ مئی ۱۹۹۸ء کو کامیاب ایٹمی دھماکے کرنے کے بعد پاکستان ایٹمی کلب کا رکن بن گیا اور ایٹمی قوت کا حامل پہلے اسلامی ملک کا فخر بھی اسے حاصل ہو گیا۔ یہ بات نہ صرف پورے ملک کے لئے باعث عزم افتخار ہے بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے بھی باعث فخر ہے۔ یہ پاکستان کی علاقائی سالمیت اور ہندوستان کے ناپاک عزائم کے خلاف ایک تحفظ ہے۔ اب پاکستان نے عزت سے جینے کی راہ ڈھونڈلی ہے۔ بہر حال خوشحالی کی راہ اپنانے کے لئے جو ایٹمی دھماکے ہوئے ہیں وہ خود انحصاری کی جانب ایک اہم قدم ہے۔ اب ضروری ہو گیا ہے کہ ہر سطح پر کفایت شعاری اختیار کی جائے اور غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کی عادت ڈالی جائے تاکہ بین الاقوامی امداد پر انحصار ختم کیا جاسکے جو کہ ایٹمی دھماکوں کے بعد متوقع ہے۔ بد قسمتی کی بات یہ ہے کہ پاکستان کو ملنے والے قرضے و امداد زیادہ تر غیر ترقیاتی کاموں پر خرچ ہوتے ہیں۔ اس سے ملک ترقی کے بجائے انحطاط کی طرف چلا جاتا ہے۔ اب چونکہ بیرونی امداد بند ہونے کا خطرہ ہے چنانچہ ہمیں غیر ضروری اخراجات کو ترک کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔

پاکستان کے عوام یوں بھی ہر موقع پر قربانی دیتے چلے آرہے ہیں اور مزید قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ کسان مزید محنت کر کے زرعی پیداوار بڑھائیں گے۔ صنعتکار' صنعتی میدان میں اپنا اہم کردار ادا

کریں گے۔ تاجر حضرات پوری قومی ذمہ داری کے ساتھ ٹیکس کی ادائیگی کریں گے۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ سخت سے سخت محنت کر کے ملک کو خود انحصاری کی جانب لے جائے گا۔ اس قسم کے اقدامات ملک کی خود انحصاری کے لئے انتہائی اہم ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ملک کا معاشی استحکام ضروری ہے کیونکہ یہ ملک کا تیسرا ستون ہے اس کے لئے فوری طور پر اسمگلنگ پر قابو پایا جائے' پاکستانی مصنوعات خریدی جائیں اور کفایت شعاری کی راہ اپنائی جائے۔

حکومت کو چاہئے کہ وہ تمام باڑہ مارکیٹیں فوری ختم کرائے۔ اسمگل شدہ اشیا کو ضبط کرے تاکہ غیر ملکی چیزوں کے استعمال کی لعنت فوری ختم ہو۔ اسمگلنگ کی وجہ سے غیر ضروری چیزوں کا استعمال ہے لہٰذا سامان تعیّشات کی درآمد پر مکمل پابندی لگائی جائے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ نہ صرف اسمگلنگ کے سدباب کے لئے سخت ترین اقدامات کرے بلکہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے سرکاری سطح پر قوم سے اپیل کی جائے کہ وہ اسمگل شدہ سامان ہرگز نہ خریدیں۔ سادہ طرز زندگی اختیار کیا جائے اور کفایت شعاری اپنائی جائے۔ علاوہ ازیں اسمگلروں کو سخت ترین سزائیں دی جائیں۔ اس کا آغاز اگر انتہائی اونچے درجے کی سطح سے ہو تو زیادہ موثر ہوگا۔

وزیراعظم جناب محمد نواز شریف صاحب نے سادگی کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے پرائم منسٹر سیکریٹریٹ کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور چھوٹی گاڑی کا استعمال شروع کر دیا۔ انہوں نے تمام غیر ضروری اخراجات کو پچاس فیصد تک کم کرنے کا حکم دیا۔ سرکاری اخراجات سے ظہرانہ وعصرانہ کو ختم کر دیا۔

قومی ایجنڈے کے ایک حصے پر عمل کرنے کی خاطر برآمدات کے فروغ میں اضافے کی مہم جلد چلائی جائے تاکہ زرعی پیداوار بھی زیادہ سے زیادہ حاصل ہو اور اس طرح ملک کی آمدنی میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جائے اور اس طرح یہ ایک ذیلی مہم ملک کے معاشی استحکام اور خود انحصاری کی جانب ایک اچھا قدم ثابت ہوگی۔

کفایت شعاری کی ایک مثال قائم کرتے ہوئے صدر' گورنر صاحبان اور چیف منسٹر صاحبان' کمشنر' ڈپٹی کمشنر' آئی جی اور ڈی آئی جی پولیس' رینجرز کے اعلیٰ افسران کو چاہئے کہ وہ فوری طور پر حکومت کی فراہم کردہ رہائش گاہیں خالی کر دیں اور چھوٹی رہائش گاہ کا استعمال کریں۔ اور مسلح افواج کے سربراہان

بھی ایسی ہی مثالیں قائم کریں۔ ان تمام بڑی بڑی عمارتوں کو خالی کرا کر نیلام کر دیا جائے۔ خاص طور پر سیکریٹریٹ غیر ملکی کرنسی میں نیلام کریں اور ان کا پیسہ قومی خزانہ میں جمع کرائیں تاکہ معیشت کے گرتے ہوئے ڈھانچے کو سنبھالا دیا جاسکے۔

چونکہ ملک کے چھوٹے طبقے کے لوگ پہلے ہی تمام آسائشوں سے محروم ہیں۔ لہٰذا ان سے مزید کسی قربانی کے لئے نہ کہا جائے۔ سب سے ضروری یہ ہے کہ امیر طبقے کے لوگ رضاکارانہ طور پر اپنے غیر ضروری اخراجات میں کمی کریں۔

ایک اہم کام یہ بھی ہے کہ درآمدات کم سے کم کریں اور برآمدات کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی کوشش کی جائے۔ تمام پر تعیش گاڑیوں وغیرہ کی درآمد پر مکمل پابندی لگنی چاہئے۔ ماسوائے خام مال' مینوفیکچرنگ پلانٹ' ضروری مشینری' ٹریکٹرز' تیل وغیرہ کے کسی چیز کی بھی امپورٹ کی اجازت نہ ہو۔ مستقبل میں بھی اس طرح کی چیزوں پر مکمل پابندی ہونی چاہئے۔

تجارت کو فروغ دینے کے لئے ملک میں اور بیرون ملک تجارتی نمائشوں کا انعقاد ہو' جس میں پاکستانی مصنوعات کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کی جائے اور ریسرچ لیبارٹری کے ذریعہ نئی نئی اشیا کو متعارف کرا کے اس کی برآمدات کے لئے بھی کوششیں جاری رکھی جائیں پاکستان ٹریڈ کمیشن' ایکسپورٹ پروموشن بیورو کے تعاون سے پاکستانی سفارت خانوں میں پاکستانی مصنوعات کی نمائشوں کا اہتمام کرے اور ٹریڈ کمشنروں کو برآمدات کا ہدف دیا جائے اور جو ٹریڈ کمشنر اس ہدف کو پورا نہ کرے اس کو واپس بلا لیا جائے۔ تمام وفاقی وزراء کو بیرون ملک جہاں جہاں پاکستانی رہتے ہیں بھیجا جائے اور ان سے غیر ملکی کرنسیوں میں قومی اقتصادی بحران سے نمٹنے کے لیے چندہ اکٹھا کیا جائے۔ ہمارے پاکستانی بھائی اس سلسلے میں کسی بخل سے کام نہیں لیں گے بشرطیکہ ان کا چندہ صرف اور صرف پاکستان کے کام آئے۔ سرکاری اور نیم سرکاری' نجی اور تفریحی دوروں پر پابندی عائد کی جائے۔ صرف تجارتی مقصد کے لئے جانے والوں کو زرمبادلہ دیا جائے۔

ملک میں ۲۸ مئی سے جن ہنگامی حالات کا اعلان کیا گیا ہے' اس سے عوام میں بے چینی بڑھ رہی ہے کہ آخر اس کا جواز کیا ہے جبکہ ایک کامیاب ایٹمی دھماکہ کیا گیا ہے۔ دستور میں درج شدہ شق نمبر

۲۳۲ کے تحت ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان اس وقت کیا جاتا ہے جب جنگ کا خطرہ ہو' بیرونی جارحیت کا امکان ہو' اندرونی خلفشار ہو جو صوبائی حکومت کے قابو سے باہر ہو لیکن اس وقت مذکورہ تینوں اسباب میں سے کسی کا بھی خطرہ نہیں۔ نہ ہی ہندوستان نے کھلی جارحیت کا ارتکاب کیا ہے۔ (سرحدی علاقوں میں فائرنگ کے واقعات تو ہوتے ہی رہتے ہیں) نہ ہی ملک میں داخلی خلفشار ہے وزیراعظم صاحب خود اعلان فرما چکے ہیں کہ ایٹمی دھماکے سے پوری قوم خوش ہے لیکن حکومت خود ہی مشکلات میں گھر چکی ہے اور قوم کو اعتماد میں لینے کی اہل نہیں ہے۔ اگر حکومت مخلص ہوتی تو قرضوں کی وصولی اور ٹیکس کی چوری کے لئے مناسب اور فوری قانونی اقدام اٹھاتی لیکن اس کے برعکس حکومت نے ہنگامی حالت کا اعلان کر کے عدلیہ کے اختیارات بھی چھین لئے اور اس طرح حکومت نے پریس کی آزادی کو سلب کر کے مخالفین کو ہراساں کرنے کا اقدام کیا ہے چنانچہ حکومت کو چاہئے کہ وہ قومی مفاد کے پیش نظر ہنگامی حالت کے خاتمے کا فوری اعلان کرے۔ حکومت نے تاجر برادری کو بھی اعتماد میں نہیں لیا اور غیر ملکی کرنسی اکاؤنٹ منجمد کر کے تاجروں کو غیر سمجھا گیا حالانکہ تاجر حضرات اور تاجر تنظیمیں بار بار اعلان کرتی رہی ہیں کہ پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے لئے تاجر حکومت کا ساتھ دیں گے۔ اس عمل سے ایک طرف اسٹاک ایکسچینج میں غیر یقینی صورت حال پیدا ہو گئی ہے تو دوسری طرف ڈالر ۵۰ روپے تک پہنچ چکا ہے حالانکہ بھارت نے ایٹمی دھماکوں کے بعد نہ تو کوئی اکاؤنٹ منجمد کیا اور نہ ہی تاجروں پر عدم اعتماد کا اظہار کیا۔ اس کی وجہ سے بھارت میں ڈالر ۴۱ روپے تک ہی رہا۔ لہٰذا وزیراعظم کو چاہئے کہ پاکستان کی تمام فیڈریشنوں اور اسٹاک ایکسچینجوں کا دورہ کریں۔ ان کو اعتماد میں لیں اور ڈالر اکاؤنٹس فوری طور پر واپس کر دیں۔ اس سے نہ صرف حکومت پر اعتماد بحال ہو گا بلکہ ڈالر بھی نیچے آ جائے گا۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ڈالر کا ریٹ اور بڑھے گا جس سے ہماری معیشت پر کاری ضرب لگے گی اور اوپر بیان کی گئی قربانیاں بھی زائل ہو جائیں گی۔

آخر میں اخبارات میں ایٹمی دھماکے کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالقدیر خان پر تنقید کر کے سارے کا سارا کریڈٹ ڈاکٹر ثمر کی جھولی میں ڈال دینا واقعی افسوسناک ہے ظاہر ہے کہ اتنا بڑا دھماکہ کسی فرد واحد کی وجہ سے نہیں ہو سکتا بلکہ یہ ایک ٹیم ورک کا نتیجہ ہے البتہ کریڈٹ اس کو جاتا ہے جس کا دماغ اور تجربہ

شامل ہو' عبدالقدیر خان کو ہم جتنا بھی خراج تحسین پیش کریں وہ کم ہے کجا ہم ان پر تنقید کریں البتہ ڈاکٹر ثمر اور ان کے ساتھی بھی قابل ستائش ہیں اور یہ بالکل اس طرح ہے کہ چاند' سورج اور ستاروں میں اگر ہم مقابلہ کرنے بیٹھ جائیں تو پھر ایک کی منفرد افادیت ہے جس طرح چاند اور ستارے رات کے لئے اور سورج دن کے لئے ضروری ہیں اسی طرح ہمارے تمام سائنسدان چاند ستارے اور سورج ہیں اور جب تک یہ جگمگاتے رہیں گے ہندوستان کو پاکستان کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات نہیں ہو گی۔ انشاءاللہ

وزیراعظم کی تقریر پر ردعمل

کالا باغ ڈیم بنانے سے چھوٹے صوبوں میں بے چینی پھیلے گی۔ جنرل سیلز ٹیکس نافذ کرنے سے پورے ملک کے تاجر اپنے شدید ردعمل کا اظہار کریں گے جس کی وجہ سے معیشت پر برا اثر پڑے گا۔

کالا باغ ڈیم بنانے سے پہلے قوم کو بتانا چاہئے تھا کہ اس کے بنانے کے کیا فوائد ہیں اور نہ بنانے سے کیا نقصانات؟ اور یہ کہ اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود کالا باغ ڈیم کیوں نہ بن سکا اور اب اس ڈیم کی تعمیر ملک و قوم کے لیے کیوں ناگزیر ہو گئی ہے۔ ہنگامی حالات کا نفاذ عدلیہ اور عوام کے بنیادی حقوق سلب کرنے کے مترادف ہے۔ چنانچہ یہ حکم فوری طور پر واپس لیا جانا چاہئے۔ جب تک فارن کرنسی اکاؤنٹ واپس نہیں کئے جائیں گے تب تک پاکستانی کرنسی غیر مستحکم رہے گی اور زرمبادلہ بھیجنے والوں کو نقصان ہو گا کیونکہ جو لوگ بیرون ملک رہتے ہیں وہ اس دعوت اور ٹیکسوں سے استفادہ نہیں کر سکیں گے اور ایک مرتبہ پھر غیر قانونی ہنڈیوں کا کاروبار شروع ہو جائے گا جس سے درمیان کے لوگ فائدہ اٹھائیں گے اور حکومت پر اعتماد بھی بحال نہیں ہو گا۔ پچاس سال کے بعد جاگیریں ضبط کرنا مخصوص لوگوں کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔ قرض نادہندگان اگر بینک کی رقوم واپس کرنے کے لئے تیار ہوں تو ان کی واجب الادا رقم کم سے کم تین ماہانہ قسطوں میں تقسیم کر دی جائے تاکہ وہ آسانی سے قرضے اتار سکیں۔ گورنر ہاؤسز اور بڑی بڑی سرکاری عمارتیں فوراً فروخت کر دی جائیں۔ اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس بنانے

سے قوم و ملک کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا' یورپین ممالک کی طرح غیر ملک سے آنے والے سربراہان مملکت کو فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرایا جائے اس سے خرچہ کم ہو گا۔ دوسری طرف اربوں روپے کی زمین جو بیکار پڑی ہے جس میں کمشنر' ڈپٹی کمشنر ہاؤس' فوج کے سربراہوں کے بڑے بڑے محلات' آئی جی' ڈی آئی جی اور بڑے بڑے ریسٹ ہاؤسز بلا تاخیر خالی کرا کے نیلام کر دیئے جائیں اور اس رقم کو خود انحصاری اسکیم میں لگایا جائے۔

خام مال' مشینیں' ٹریکٹر اور اس کے آلات' تیل اور جان بچانے والی ایسی ادویات جو ملک میں نہیں بنتیں' اس کے علاوہ تمام درآمدات پر پابندی لگا دی جائے۔ ایکسپورٹ پر خصوصی توجہ دی جائے۔ فیڈریشن اور چاروں صوبوں کے چیمبرز کے عہدیداران سے ایکسپورٹ میں اضافے کے لیے کی تجاویز طلب کی جائیں۔ اور ان پر عمل کیا جائے۔ وزیراعظم نے کہا تھا کہ چھٹیاں کم کی جائیں گی' کوئی خاص چھٹیاں کم نہیں کی گئیں اوقات کار کو بڑھایا جائے۔

سوئٹزرلینڈ اور سنگاپور کی طرح ہڑتالوں اور یونین ازم پر پانچ سال کے لئے مکمل پابندی لگا دی جائے۔ صنعت کاروں کو کام نہ کرنے والے ملازمین کی چھانٹی کی اجازت دی جائے اور ان کی جگہ نئے محنتی مزدوروں کو بھرتی کیا جائے۔ نئی صنعتیں لگانے پر پانچ سال کے لئے انکم ٹیکس و دیگر غیر ضروری ٹیکسوں پر چھوٹ دی جائے باڑہ مارکیٹوں کو فوراً ختم کیا جائے اور اس کا سامان ضبط کر کے دوبارہ برآمد کر دیا جائے اور اسمگلنگ میں ملوث کسی بھی شخص کو نہ چھوڑا جائے بلکہ عبرتناک سزائیں دی جائیں اگر ایسا نہ کیا گیا تو ساری اصلاحات بے معنی ہو کر رہ جائیں گی اور کفایت شعاری کی مہم بھی ناکام ہو جائے گی۔

قرضوں کی وصولی اور احتساب کون کرے گا

وزیراعظم نواز شریف نے پندرہ ماہ قبل جب حکومت سنبھالی تو اعلان کیا تھا کہ ہم قومی بینکوں سے قرضے معاف کرانے اور ہڑپ کرنے والوں سے ایک ایک پائی وصول کریں گے اور کرپٹ سیاستدانوں و بیوروکریٹس کا احتساب کریں گے۔

آج پندرہ ماہ گزر چکے ہیں' نادہندگان اور قرضے معاف کرانے والوں سے اربوں روپے وصول کرنا تو ایک طرف ان کی لسٹ تک شائع نہیں ہو سکی ہے۔

اب جبکہ پاکستان نے ایٹمی دھماکے کر لئے ہیں اور وزیراعظم نے سادگی اپنانے اور قرضوں کی وصولی کا اعلان کیا ہے تو عوام کے ذہنوں میں بجا طور پر کچھ سوال ابھرتے ہیں اور انہیں ان سوالوں کے جواب جاننے کا پورا پورا حق ہے۔ یعنی یہ کہ وزیراعظم نواز شریف قوم کو بتائیں کہ ان کے خاندان کی ملکیت اتفاق فاؤنڈیشن نے بینکوں سے کتنا قرضہ لیا ہے اور اس میں سے کتنا واپس کیا جا چکا ہے اور کتنا معاف کروایا ہے اور اسی طرح ان کے کابینہ کے تمام وزرا اور مشیر صاحبان نے اب تک کتنا قرضہ لیا اور کتنا ماضی میں معاف کروایا کیونکہ اخبارات کی اطلاعات کے علاوہ حزب اختلاف اور بینک کے افسروں کے بیانات کے مطابق موجودہ حکومت میں شامل بڑے بڑے وزرا کے نام نادہندگان میں شامل ہیں اور اسی وجہ سے موجودہ حکومت نادہندگان کے خلاف کارروائی تو کجا ان کی لسٹ بھی شائع نہیں کر سکی ہے

کیونکہ اگر ایسا کیا گیا تو مسلم لیگ میں ایک مرتبہ پھر پھوٹ پڑ جائے گی' وہ دو بڑے دھڑوں میں بٹ جائے گی اور وزیراعظم نواز شریف کا اقتدار ایک مرتبہ پھر خطرے میں پڑ جائے گا۔ وصولیابی کا نعرہ صرف ٹی وی اور جلسوں تک ہی محدود ہے۔

نادہندگان سے قرضوں کی وصولی میں ناکامی کی طرح احتساب بھی پندرہ ماہ میں صرف عدالتوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اول تو احتساب یکطرفہ ہے اور احتساب کرنے والا بھی غیر جانبدار نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے احتساب کا پورا عمل بھی مشکوک ہو چکا ہے اور اس سے ملک کی بدنامی ہے۔ قوم جاننا چاہتی ہے کہ آیا نواز شریف صاحب کی پچھلی حکومت میں کوئی بھی کرپٹ نہیں تھا ظاہر ہے کہ ایسا ممکن نہیں' تو کچھ لوگ بدعنوان اور کرپٹ تھے اور یقیناً تھے تو احتساب کی زد سے وہ کیوں محفوظ ہیں؟ کیا مسلم لیگ اور حکومت کے حامی کا کردار اب قانون سے بالاتر ہوتا ہے؟ اگر احتساب اور قرضوں کی وصولی کو کامیاب کرنا ہے تو اس کے لئے غیر جانبدار ریٹائرڈ ججوں اور نیک نام پروفیشنل بینکروں پر مشتمل ایک مختصر کمیٹی بنائی جائے جو سب سے پہلے نادہندگان کی لسٹ جاری کرے اور نادہندگان کو ایک موقع دے کہ وہ قرضے واپس نہ کرنے کی وجہ بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ اس میں قرضے کی رقم کتنی ہے اور سود کی رقم کتنی ہے اور جو بھی نادہندہ اصل رقم فوری طور پر واپس کر دے اس کو سود معاف کر دیا جائے اور اگر وہ رقم واپس نہیں کرتا تو اس کی جائیدادوں کو نیلام کر کے رقم اور سود دونوں وصول کئے جائیں اور اگر قرضے غیر قانونی طور پر دیئے گئے ہوں تو متعلقہ بینکاروں کی بھی گرفت کی جائے۔ اسی طرح احتساب کے عمل کو بھی اس کمیٹی کے سپرد کیا جائے تاکہ احتساب کا عمل بھی شکوک و شبہات سے پاک ہو۔ ہر شخص کو احتساب کرتے وقت مکمل تحفظ اور صفائی کا موقع ملنا چاہئے اگر ایسا نہیں کیا گیا تو قوم جو مہنگائی اور کرپشن کے ہاتھوں پہلے ہی سخت پریشانی میں مبتلا ہے اس سے مزید کسی قربانی کی توقع کرنا حماقت ہی ہو گی۔ ادھر چند دنوں میں بجٹ بھی آنے والا ہے اور اگر بجٹ میں غیر ضروری اخراجات ختم نہیں کئے گئے اور غیر ضروری ٹیکسوں کو کم نہیں کیا گیا تو عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا جو نواز شریف حکومت کو ہلا کر رکھ دے گا۔

آخر میں عوام یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ ہندوستان نے پانچ دھماکے کئے اور ہم سے پہلے کئے تو نہ

وہاں غیر ملکی کرنسی اکاؤنٹس منجمد ہوئے اور نہ ہی ایمرجنسی لگائی گئی۔ باوجود اس کے کہ واجپائی حکومت مختلف جماعتوں کی بیساکھیوں پر چل رہی ہے اور کسی وقت بھی کوئی پارٹی الگ ہو جائے تو یہ حکومت ختم ہو سکتی ہے جبکہ نواز شریف حکومت کی مرکز میں دو تہائی اکثریت ہے اور ملک میں بھی کسی قسم کا بحران نہیں ہے۔

قوم نے ایٹمی دھماکوں پر زبردست خوشیاں منائی ہیں ایمرجنسی کا نفاذ قوم کی ان خوشیوں پر پانی پھیر دینے کے مترادف ہے۔ ٹی وی پر بڑے بڑے نام نہاد دانشوروں' صحافیوں اور حکومت کے کاسہ بردار بیوروکریٹس سے روزانہ مذاکرے کرا کے یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ ایمرجنسی کا نفاذ پاکستان کے حق میں ہے جبکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ لہٰذا فوری طور پر ایمرجنسی ختم کی جائے' عدلیہ کے حقوق بحال کئے جائیں اور ہندوستان سے سرحدوں کے ذریعے بڑے پیمانے پر ہونے والی اسمگلنگ کو ختم کرایا جائے علاوہ ازیں اسمگلنگ کے سامان کی فروخت پر مکمل پابندی لگائی جائے اور جو دکاندار ہندوستانی مصنوعات اور فلمیں بیچتا ہوا پایا جائے تو اس کا سامان ضبط کر کے عبرتناک سزائیں دی جائیں کیونکہ ہندوستان نے ایک طرف اسمگلنگ کے ذریعہ ہماری معیشت پر ضرب لگائی ہے تو دوسری طرف ڈشوں اور ویڈیو فلموں کے ذریعے ہماری ثقافت اور زبان کو بگاڑنے کا گھناؤنا کردار ادا کیا ہے یہ ناسور ہمارے نوجوانوں میں پھیلتا جا رہا ہے۔

کالا باغ ڈیم یا پنڈورا بکس

وزیر اعظم نواز شریف نے حالیہ تقریر میں کالا باغ ڈیم بنانے کا اچانک اعلان کر کے سندھ اور سرحد کے سیاستدانوں کے لئے ایک نیا محاذ کھول دیا ہے' اس کے حتمی نتائج کیا ہوں گے' اس پر تبصرہ کرنا قبل از وقت ہے کیونکہ پنجاب کے سیاستدانوں کے نزدیک اس ڈیم کی تعمیر صوبہ کے لئے زندگی کا درجہ رکھتی ہے جبکہ سندھ اور سرحد کے سیاستدان اس کو اپنے اپنے صوبے کے لئے زرعی موت قرار دیتے ہیں گویا اس گڑے مردے کو اکھاڑنا ایک پنڈورا بکس کھول دینے کے مترادف ہے۔ جن کی حقیقت کسی کو بھی معلوم نہیں مگر بیان بازی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگے ہیں۔ میرے خیال میں تینوں صوبوں کے عوام کو نہ تو یہ معلوم ہے کہ اس ڈیم کے بنانے کے کیا کیا فوائد ہیں اور نہ یہ کہ اس کے کیا کیا نقصانات ہو سکتے ہیں کیونکہ نہ تو عوام اتنے باشعور ہیں اور نہ ہمارے تمام سیاست دان ٹیکنوکریٹس ہیں البتہ جو سیاسی دکان جس قدر چمکائے گا عوام اس کے پیچھے نعرے بازی' ہلہ گلہ کریں گے اور بعد میں ہو سکتا ہے یہ معاملہ تحریک کی صورت بھی اختیار کر لے کیونکہ صورتحال کچھ اس طرح ہو گی کہ ایک صوبہ میں منصوبے کی مخالفت میں جلوس نکل رہے ہوں گے اور اس کے خلاف نعرے لگ رہے ہوں گے تو دوسرے صوبے میں ڈیم بنانے کے حق میں نعرے لگ رہے ہوں گے۔ اور دونوں طرف عوام کو یہ تک معلوم نہ ہو گا کہ وہ حمایت یا مخالفت کیوں کر رہے ہیں بالکل اسی طرح جیسے ایک

مرتبہ کراچی میں حکومت کے خلاف ایک بہت بڑا جلوس گزر رہا تھا اور شرکاء اپنے مطالبات کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔ کسی بزرگ نے جلوس میں شریک ایک بچے سے پوچھا کہ بیٹا تمہارے کیا مطالبات ہیں اور جلوس کیوں نکال رہے ہو تو اس بچے نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ یہ جلوس کیوں نکل رہا ہے اور ہمارے کیا مطالبات ہیں۔ یہ مطالبات تو کالج کے لڑکوں کو معلوم ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ ڈیم بننا چاہئے یا نہیں ہم کو سب سے پہلے اس بات پر نگاہ رکھنی چاہئے کہ اس کی آڑ میں ہماری قومی یکجہتی کو نقصان نہ پہنچے۔ اور چھوٹے صوبوں کے عوام پاکستان کے سب سے بڑے صوبہ کے خلاف کوئی مشترکہ لائحہ عمل اختیار نہ کرلیں کیونکہ مخالف صوبوں کے سیاستدانوں کے تیور یہی بتا رہے ہیں لہٰذا حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ڈیم بنانے کا ارادہ فوری طور پر ترک کر کے سب سے پہلے اس ڈیم کے بنانے اور نہ بنانے سے ہونے والے فوائد و نقصانات کے بارے میں عوام کو آگاہ کیا جائے۔ چاروں صوبوں کے ماہرین کے علاوہ غیر جانبدار غیر ملکی ماہرین ڈیم کی تعمیر کے تمام فنی پہلوؤں کا باریک بینی سے جائزہ لیں اور ایمانداری اور دیانتداری سے اس سے پیدا ہونے والے نقائص دور کریں کسی بھی صوبہ کے ساتھ ذرا سی بھی زیادتی نہیں ہونی چاہئے اور کسی صوبہ کی زمینیں اگر بنجر ہونے کا احتمال ہو تو اس کی پوری پوری رقم ادا کی جائے اور جس صوبہ کا اور بھی کوئی نقصان ہو تو اس کی پیشگی تلافی کی جائے اگر تمام صوبے اس بات پر راضی ہوں تب اس ڈیم کو بنانے کا اعلان کیا جائے اور اس کا نام کالا باغ ڈیم کے بجائے پاکستان ڈیم رکھا جائے۔ اگر تمام ماہرین مشترکہ طور پر ڈیم کی تعمیر کے حق میں نہ ہوں تو اس کا ارادہ فوری طور پر ترک کر دیا جائے دنیا میں جہاں بھی بڑے بڑے ڈیم بنتے ہیں وہاں صرف اور صرف ملک کی معیشت کا خیال رکھ کر پوری منصوبہ بندی کر کے بنائے جاتے ہیں۔ میں پاکستان کے سیاستدانوں سے اپیل کروں گا کہ خدارا اس ڈیم کو سیاسی مسئلہ ہرگز نہ بنایا جائے اور نہ اس کو کسی صوبہ کے لئے مخالفت برائے مخالفت کی شکل دی جائے بلکہ ایک سچا پاکستانی بن کر ملک کی زرعی معیشت کو بڑھانے کے لئے ایک میز پر بیٹھ کر اس کو حتمی شکل دیں۔ اس ڈیم کو بنانے میں ہرگز ہرگز کوئی جلدی نہیں کی جائے۔ کیونکہ مشاہدہ میں یہ بات آئی ہے کہ بھاری مینڈیٹ کی وجہ سے وزیراعظم نواز شریف صاحب کے اب تک کے تمام اقدامات جن میں آٹھویں ترمیم کا خاتمہ، قرض اتارو اسکیم، جمعہ کی چھٹی، شادی بیاہ میں کھانے پر پابندی، ایمرجنسی کا نفاذ، فارن کرنسی اکاؤنٹس، جنرل سیلز ٹیکس کا نفاذ اور قومی خود انحصاری اسکیم شامل ہیں خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا

کیونکہ یہ تمام اقدامات اٹھانے سے پہلے اس کے نفع و نقصان کا جائزہ نہیں لیا گیا اور قومی اسمبلی میں اکثریت کے بل پر ان کا نفاذ کر دیا گیا۔ جس پر حزب اختلاف کو اعتماد میں لیا گیا اور نہ ہی ان سے مشورہ کیا گیا جس کی وجہ سے حکومت اور حزب اختلاف ایک دوسرے سے دور سے دور تر ہو رہے ہیں جو کسی بھی صورت میں ملک کے لئے بہتر نہیں ہے اور ہمارے لئے ایسا ڈیم قابل قبول نہیں ہے۔ جو پاکستان کی سلامتی یا یکجہتی کو نقصان پہنچائے۔

عوام کو یہ بھی بتانا چاہئے کہ کالا باغ ڈیم بننے میں کتنی رقم صرف ہو گی اور اس میں کتنا وقت لگے گا۔ ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا جائے کہ اس سے کتنی بجلی حاصل ہو گی، کتنی بنجر زمین آباد ہو گی اور کتنا پانی دستیاب ہو گا جس سے پنجاب کو کتنا فائدہ پہنچے گا اور بہتر یہ ہو گا کہ اس متوقع فائدے کو متاثرہ صوبوں میں برابر برابر تقسیم کرنے کا اعلان کر دیا جائے تاکہ کسی صوبے کی حق تلفی نہ ہو۔

ایک ملک دو نظام

جنرل ضیاء الحق کے دور میں جہاں اسلحہ و منشیات اور افغان مہاجرین کی آمد ہوئی وہاں سندھ میں جعلی انوسٹمنٹ کمپنیاں اور پنجاب میں جعلی کوآپریٹو سوسائیٹیاں وجود میں آئیں اور دونوں نے غریب و سادہ لوح عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا اور حکومت اور انتظامیہ خاموشی سے ان کو لٹتا دیکھتی رہیں اور پھر ان کمپنیوں کے بعض مالکان اربوں روپے لوٹ کر راتوں رات ملک سے فرار ہو گئے اور کچھ روپوش ہو گئے اور کچھ جو ایف آئی اے 'سی آئی اے اور پولیس کے ہاتھ لگے حکام نے ان سے مک مکا کر لیا۔ اربوں روپے کی انوسٹمنٹ فیکٹریاں زمین جائیداد آج بھی موجود ہیں مگر ان کی خرید و فروخت پر پابندی ہے جس کی وجہ سے فیکٹریوں کی مشینری زنگ آلود ہو چکی ہے۔ عمارات زمیں بوس ہو چکی ہیں اور کچھ زمینوں پر لوگوں نے ناجائز قبضہ کر لیا ہے جبکہ متاثرین دھکے کھا رہے ہیں کچھ اللہ کو پیارے ہو چکے اور کچھ رقم ملنے کی آس لئے جی رہے ہیں۔

ضیاء الحق کے جانے کے بعد پی پی پی کی حکومت برسر اقتدار آئی تو اس وقت بھی کسی نے ان جعلی کمپنیوں اور سوسائیٹوں پر ہاتھ نہیں ڈالا گویا ان کو عوامی حکومت کی بھی در پردہ تائید حاصل ہو گئی اس طرح اس کاروبار میں مزید اضافہ ہوتا گیا صوبہ پنجاب میں بعض سابق صوبائی وزراء اور کچھ موجودہ وزرا جو ان سوسائیٹیوں کو چلا رہے تھے اس وقت کی حکومت کی گرفت سے باہر تھے لہٰذا ان کمپنیوں' سوسائیٹوں

اور کوآپریٹو بینکوں کو لیکویڈیشن میں دے دیا گیا اور عوام کو یہ باور کرایا گیا کہ ان کی رقوم واپس کر دی جائیں گی۔ عوام کے غیظ و غضب سے بچنے کے لئے پنجاب میں ہر اکاؤنٹ ہولڈر کو عبوری طور پر پچیس ہزار روپے عبوری طور پر فی اکاؤنٹ ہولڈر کو دے دیئے گئے جس سے دباؤ کچھ کم ہوا۔ عوام بے صبری سے مزید رقم ملنے کا انتظار کرنے لگے۔ اس دوران پھر الیکشن سر پر آن پہنچے اور پی پی پی نے اس اسکینڈل سے فائدہ اٹھا کر اعلان کیا کہ اگر پی پی پی حکومت میں آ گئی تو وہ پنجاب کے عوام کی رقوم واپس دلوائے گی اس طرح پی پی پی الیکشن جیت گئی اور ایک مرتبہ پھر عوام کو ۲۵ ہزار روپے فی انوسٹر رقم فراہم کر دی گئی اور لیکویڈیشن بورڈ کو کہا گیا کہ ان سوسائیٹیوں اور بینکوں کی جائیدادیں نیلام کر کے عوام کو ان کی رقم واپس دلوائیں لیکویڈیشن بورڈ کے ڈائریکٹروں نے جب کھاتوں میں رقوم دیکھیں اور نیلامی سے رقوم آنا شروع ہوئیں تو ان کی نیت بدل گئی اور ان ڈائریکٹروں نے اپنے اپنے طور پر رقمیں ہضم کرنا شروع کر دیں جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ مگر سپریم کورٹ کی بینچ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ان ڈائریکٹروں کی متعدد بار یقین دہانیوں کے باوجود عوام کی رقوم واپس نہیں ہوئیں معاملہ کو سنجیدگی سے اپنے ہاتھ میں لیکر کارروائی شروع کر دی۔ اس پر سابقہ مالکان و ڈائریکٹروں اور موجودہ لیکویڈیشن بورڈ کے ڈائریکٹروں میں ہل چل مچ گئی اور عوام اب سپریم کورٹ کے جج صاحبان سے آخری امید لگائے بیٹھے ہیں کہ ان کی رقم اب ملنے والی ہے کیونکہ سپریم کورٹ نے انتباہ کیا ہے کہ رقوم کی واپسی ہر صورت میں یقینی بنائے جائے اور سابقہ مالکان کو عبرتناک سزا دی جائے۔ چند مالکان کی جائیدادیں ضبط کر کے ان کو جیل کی ہوا کھلانے کا حکم بھی صادر ہو چکا ہے۔ اس طرح پنجاب کے عوام کو کچھ حوصلہ ملا ہے۔ مگر تصویر کا دوسرا رخ یعنی سندھ جعلی انوسٹمنٹ کمپنیوں کے خلاف آج تک کچھ نہیں ہوا اور سابقہ مسلم لیگ اور پی پی پی کے دونوں ادوار میں حکومت کی طرف سے جس طرح پنجاب میں عبوری طور پر پچاس ہزار روپے فی انوسٹر رقم ادا کی گئی سندھ کے غریب انوسٹر کو آج تک ایک پیسہ بھی نہیں دیا گیا۔ پی پی پی کے دوسرے دور میں جب میں مشیر اطلاعات تھا تو میں نے اپنے طور پر ان جعلی کمپنیوں کی لسٹیں تیار کروائیں اور تمام انوسٹرز کی اصلی رسیدوں کی بنیاد پر کمپیوٹرائزڈ اکاؤنٹس کے اعداد و شمار جمع کئے اور تین ماہ تک میرے غیر سرکاری عملہ نے ایک ایک درخواست خود جمع کی اور ان کی تصدیق کی 'ان تمام درخواستوں کی تعداد

۶۱ ہزار سے زیادہ ہے۔

ان میں ملوث بڑی بڑی جعلی انوسٹمنٹ کمپنیاں مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ صمد ہاؤسنگ کارپوریشن۔ ۲۔ ٹی جے ابراہیم۔ ۳۔ الائنس موٹرز۔ ۴۔ ملٹی انڈسٹریز۔ ۵۔ بخاری موٹرز۔ ۶۔ پایونیر الائنس (پرائیویٹ) لمیٹڈ۔ ۷۔ تاج کمپنی لمیٹڈ۔ ۸۔ یونائیٹڈ انوسٹمنٹ۔ ۹۔ اسٹار موٹرز۔ ۱۰۔ شاہد اختر اینڈ کو۔ ۱۱۔ اوورسیز پاک انوسٹمنٹ۔ ان کے علاوہ دوسری چھوٹی چھوٹی انوسٹمنٹ کمپنیاں بھی بہت ہیں۔ ان کے ریکارڈ میرے پاس موجود ہیں۔ ان متاثرین کی رقم ۲ ارب ۸۶ کروڑ روپے بنتی تھی۔ اتفاق سے کچھ دن بعد محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ نے سندھ کی کابینہ کے اجلاس کی صدارت کی اور کراچی کے مسائل جاننے کے لئے کراچی سے لئے گئے مشیروں کو بتایا کہ موجودہ مرکزی حکومت کراچی کے لئے ۲۱ ارب روپے کا ترقیاتی پروگرام شروع کر رہی ہے۔ اور کلفٹن برج، شہید ملت فلائی اوور، ناظم آباد فلائی اوور، سمندری پانی کو میٹھا بنانے کے لئے سمندر میں ڈیسیلینیشن پلانٹ کے ذریعے کراچی کے عوام کی خصوصی خدمت کر رہی ہے تو میں نے محترمہ سے عرض کیا کہ ۲۱ ارب روپے میں سے صرف ۲ ارب ۸۶ کروڑ روپے کراچی کے غریب عوام، جن کی رقوم جعلی انوسٹمنٹ کمپنیاں کھا چکی ہیں۔ پنجاب کے طرز پر جس طرح آپ نے پچاس ہزار روپیہ فی کس وہاں ادا کیا ہے۔ اسی طرح کراچی کے انوسٹرز کو اسی فنڈ میں سے ادا کر دیا جائے جبکہ پنجاب میں مرکز کے فنڈ سے ادا کیا گیا تھا۔ یہ ۲۱ ارب کا فنڈ کراچی کے لئے غیر ملکی امدادی اداروں کے فراہم کردہ پیسوں سے ادا کر دیا جائے، اس طرح کراچی کے عوام پی پی پی کے اس فیصلہ سے نہ صرف خوش ہوں گے بلکہ پی پی پی کے لیے ان غریبوں، بیواؤں، یتیموں اور پنشنروں کے دل سے دعائیں بھی نکلیں گی۔ مگر افسوس محترمہ بے نظیر صاحبہ نے کئی بار اصرار کرنے پر بھی میری رائے سے اتفاق نہیں کیا اور نہ ہی انویسٹرز کی رقم کی واپسی کے لئے کوئی قدم اٹھایا۔ اگر ایسا کیا جاتا تو یقیناً کراچی کے غریب عوام پی پی پی کے اس احسان کو نہیں بھولتے۔ مجھے اس بات کا بھی بڑا دکھ تھا کہ ایک صوبہ کے لئے عبوری رقم دی جا رہی ہے اور جس صوبہ سے خود محترمہ کا تعلق بھی ہے اس کے لئے ہمدردی کے دو بول بھی نہیں۔ میری آخر میں سپریم کورٹ سے دردمندانہ اپیل ہے کہ جس طرح پنجاب کے بینک اور کوآپریٹو سوسائیٹیوں کے انوسٹروں کے زخموں کے لئے مرہم

فراہم کیا جا رہا ہے۔ خدارا اسی طرح کراچی کے غریب، بوڑھے، بیوہ، پنشن یافتگان کی مدد کریں اور سندھ کے وزیراعلیٰ کو حکم دیں کہ ان ۶۱ ہزار انوسٹروں کی وزیراعلیٰ پنجاب کی طرح رقوم کی ادائیگی کا بندوبست کریں اور تقریباً دو ارب روپے کی جائیدادیں، عمارات نیلام کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس درد ناک باب کا خاتمہ کریں اور جعلی انوسٹمنٹ کمپنیوں کے ڈائریکٹروں کو فوری طور پر گرفتار کر کے ان کو عبرتناک سزائیں دی جائیں اور ان کی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائیدادیں ضبط کر کے نیلام کر دی جائیں اور حاصل شدہ رقم کو انوسٹروں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس طرح ہزاروں متاثرین بڑا احسان ہو گا اور عدلیہ سے انصاف مل جائے گا۔

محرومی کے مزید بیس سال

صوبہ سندھ میں کوٹا سسٹم کی بنیاد ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں رکھی گئی اور وجہ یہ بتائی گئی کہ شہری علاقوں کے لوگوں کو چونکہ اچھی تعلیم کے مواقع حاصل ہیں جبکہ دیہی علاقے کے نوجوان اس سے محروم ہیں اور احساس محرومی کا شکار ہیں لہٰذا دس سال کے لئے حصول روزگار میں دیہی علاقے کے باشندوں کے لئے کوٹا رکھا گیا جس سے شہری اور دیہی تفریق کی بنیاد رکھ دی گئی شہر کے لوگوں نے خیر سگالی کے جذبہ کے تحت اس دس سال کے کوٹا سسٹم کو قبول کرلیا مگر بعد کی آنے والی حکومتوں نے اس کوٹا سسٹم میں مسلسل اضافہ کرنا شروع کردیا اور اس دفعہ تو حد ہی کردی کہ ایک دن اچانک اس بل کو قومی اسمبلی میں پیش کیا اور آناً فاناً یہ بل منظور کر کے ایک مرتبہ پھر شہری نوجوانوں کو سرکاری دفاتر میں بیس سال کے لئے نوکریوں سے محروم کردیا گیا۔

صوبہ سندھ کی آبادی کا اگر جائزہ لیا جائے تو اس صوبہ میں ۴۵ فیصد سندھی بولنے والے رہتے ہیں اور ۵۵ فیصد دیگر زبانیں بولنے والے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۴۵ فیصد سندھی بولنے والے چھوٹے چھوٹے شہروں اور دیہات میں رہتے ہیں جبکہ ۴۵ فیصد اردو بولنے والے، جن کو اصطلاح میں مہاجر کہا جاتا ہے، بڑے شہروں میں رہتے ہیں اور دس فیصد پاکستان کے دیگر صوبوں سے آنے والے

بھی زیادہ تر شہروں میں رہتے ہیں۔ گویا اردو بولنے والوں اور سندھی بولنے والوں کی آبادی کا تناسب کم و بیش برابر ہو چکا ہے۔ موجودہ حکومت نے اس سال مردم شماری کرائی اور نہ جانے کس مصلحت کے تحت آج تک اس کے نتائج کا اعلان نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے مردم شماری کا مقصد فوت ہو کر رہ گیا ہے اس کے اعداد و شمار حکومت کی توقع کے خلاف سامنے آئے ہیں جن میں ردوبدل کیا جارہا ہے۔ جہاں تک صوبہ سندھ کا تعلق ہے اصولاً اردو اور سندھی زبان بولنے والوں کو مساوی نوکریاں ملنی چاہئے تھیں، مگر ایسا نہیں ہوا۔ شروع ہی سے تقریباً ۸۰ فیصد سرکاری نوکریاں سندھی بولنے والوں کو ملتی رہیں، اور ۲۰ فیصد اردو بولنے والوں کے حصے آئیں۔ کوٹا سسٹم کے رائج ہونے کے بعد صرف دس فیصد اردو بولنے والوں کو سرکاری نوکریاں مل رہی ہیں اس کی زندہ مثال حکومت سندھ کے کسی بھی ادارہ چوکیدار، چپراسی، نائب قاصد یا شاذ و نادر کلرک اردو بولنے والے ملیں تو ملیں آفیسر گریڈ کا کوئی نوجوان نہیں ملے گا اب صرف چند سیکریٹری اور انتظامیہ کے چند افسران رہ گئے ہیں جو کہ ریٹائرمنٹ کے نزدیک ہیں کیونکہ بھرتی کے وقت باپ دادا اور پردادا کا خانہ پر کرتے وقت یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ نوکری کا طلب گار کس طبقہ سے تعلق رکھتا ہے اور اس پر نوکریوں کے دروازے کسی نہ کسی بہانے بند کردیئے گئے ہیں اس سلسلے میں اگر تصویر کا دوسرا رخ دیکھا جائے تو یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ ایسے اچھے غیر سرکاری اداروں میں جہاں ملازمت کا معیار صرف اہلیت ہوتا اور کام چوری اور سستی ایک لمحے کو بھی برداشت نہیں کی جاتی۔ سندھی بولنے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے اردو بولنے والے نوجوانوں سے سرکاری سطح پر روا رکھی گئی یہ ناانصافی ہی ہے جس کی وجہ سے ان میں مایوسی پھیلی اور مایوس و بیروزگاری کے مارے یہ نوجوان منشیات، اسلحہ اور دیگر غیر قانونی حربوں میں ملوث ہوئے سندھ کا امن و امان خطرے میں پڑ گیا مفاد پرست لوگوں نے ان سے غلط کام لئے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے شہروں میں قانون نام کی کوئی شے باقی نہ رہی اور گروپوں کی شکل میں ایک دوسرے کے مدمقابل آکر شہروں کا سکون ختم کردیا۔ آج تک یہ منطق سمجھ میں نہیں آسکی ہے کہ پاکستان کے چار صوبوں میں سے صرف سندھ ہی کے لئے کوٹا کیوں مقرر کیا گیا ہے جبکہ سرحد، بلوچستان اور پنجاب کے ساتھ بھی تو دیہی آبادیاں ہیں وہاں کوٹا سسٹم کیوں نافذ نہیں کیا گیا جبکہ اسلام آباد میں اس قسم کی تفریق کو منع کیا گیا ہے اور ہماری

وفاقی شرعی عدالت اور شرعی ایپلٹ بورڈ بھی اس کو غیر شرعی اور غیر انسانی قرار دے چکے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ نواز شریف حکومت نے ایک مرتبہ پھر عجلت میں قومی اسمبلی میں اکثریت کے بل پر کراچی اور حیدر آباد کے نوجوانوں پر یہ فیصلہ مسلط کر کے ان کو سرکاری نوکریوں سے محروم کر دیا ہے۔ میرے خیال میں عجلت میں یہ فیصلہ اس لئے کیا ہو گا تا کہ کالا باغ ڈیم پر دیہی علاقوں کی تنقید کو کم کیا جا سکے اور ان کو یہ باور کرایا جائے کہ ہم نے دیہی علاقوں کے نوجوانوں کے لئے سرکاری روزگار کے مواقع پھر فراہم کر دیئے۔ مگر وہ اس بات کو بھول گئے کہ شہری نوجوان جنہیں تعلیم مکمل کرنے کے بعد پہلے ہی سرکاری نوکری نہیں ملتی تھی اس بے روزگاری سے تنگ آ کر کوئی غلط قدم بھی اٹھا سکتے ہیں۔ لہٰذا حکومت کو چاہئے کہ سب سے پہلے سرکاری مردم شماری کے درست اعداد و شمار سامنے لائے اور بعد ازاں کوٹا سسٹم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر کے میرٹ کی بنیاد پر شہری اور دیہی نوجوانوں کو تعلیم و روزگار کے یکساں مواقع فراہم کرے اور غیر منصفانہ فیصلے کو واپس لے۔

اسلام، ٹیکس اور مغربی جی ایس ٹی

اسلام میں شروع ہی سے مسلمانوں سے ٹیکس وصول کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے البتہ عشر، نصف عشر اور زکوٰۃ کا نظام ہے زکوٰۃ یعنی ڈھائی فیصد صرف اور صرف مسلمانوں کو اپنے مال میں سے تاکید کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ مفتوحہ غیر مسلموں کو نصف عشر یعنی پانچ فیصد اپنے مال میں سے مسلمانوں کی حکومت کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کی سلطنت میں رہتے ہوں اور مسلمانوں سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کریں وہ نصب عشر یعنی پانچ فیصد کے حساب سے ٹیکس (جزیہ) ادا کریں گے جبکہ وہ غیر مسلم جو مسلمان حکومت سے جنگ کریں اور مسلمان اس ملک کو فتح کریں، ان غیر مسلموں کو دس فیصد ٹیکس (جزیہ) ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا یعنی اسلام کے شروع کے دور میں مسلمان جب غیر مسلموں سے جنگ کرتے تھے تو فتح کی صورت میں سب سے پہلے ان کو یہ حکم تھا کہ اگر وہ (غیر مسلم) اسلام قبول کر لیں تو ان کو معاف کر دیا جائے اور ان سے صرف زکوٰۃ وصول کی جائے اور جو اسلام قبول نہ کریں اور امن کے ساتھ رہیں تو ان سے پانچ فیصد ٹیکس (جزیہ) وصول کیا جاتا تھا اور اگر پھر وہ موقع پا کر جنگ کرتے تو پھر انہیں دس فیصد جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔

تمام خلیج کی مسلمان ریاستوں اور ملکوں میں آج بھی کوئی ٹیکس یعنی انکم ٹیکس، سیلز ٹیکس، ایکسائز ٹیکس یا جی ایس ٹی نافذ نہیں ہے بلکہ یہ حکومتیں غریبوں کے لئے تعلیم، علاج، معالجہ، فلاح و بہبود کی

سہولتیں خود اپنے ذرائع سے فراہم کرتی ہیں۔ آمد و رفت کے لئے سڑکیں اور دیگر تفریح کے لئے باغات اور بچوں کے لئے تفریح کے مواقع مفت فراہم کئے جاتے ہیں۔ متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے ٹیکسوں کا نظام انگریزوں نے ۱۸۵۷ء میں ہندوستان فتح کرنے کے بعد نافذ کیا تاکہ وہ حکومت 'برطانیہ کے لئے اپنے اپنے فتح کئے گئے ممالک سے ٹیکس وصول کر کے برطانیہ کے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کر سکیں۔ مگر جب ہندوستان آزاد ہوا تو یہ نظام جس میں اس وقت صرف انکم ٹیکس اور دولت ٹیکس تھا' وہ ہمارے نظام کا حصہ بن گیا پھر آہستہ آہستہ اس میں دوسرے ٹیکس شامل ہوتے گئے بلدیاتی سطح پر آکٹرائے اور ضلع ٹیکس' صوبائی سطح پر تعلیم اور دیگر صوبائی ٹیکس اور مرکزی سطح پر انکم ٹیکس' دولت ٹیکس' ایکسائز ٹیکس اور سیلز ٹیکس وصول کئے جاتے ہیں۔

مغربی ممالک میں یہ ٹیکس وصول کئے جاتے ہیں مگر ان ٹیکسوں سے وصول ہونے والی رقم واپس عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کر دی جاتی ہے یعنی مفت تعلیم 'بہترین ٹرانسپورٹ' علاج معالجہ' بے روزگاری الاؤنس فلاح و بہبود اور پھر بڑھاپے میں بلا تخصیص پنشن کی شکل میں ادا کی جاتی ہے۔

مغربی ممالک میں فیکٹری سے نکلنے والے مال پر کسی بھی قسم کا ٹیکس نہیں ہے بلکہ اگر آپ فیکٹریاں لگائیں تو حکومت بجلی' گیس اور ٹرانسپورٹ کی سہولتیں فراہم کرتی ہے اور بینک معمولی سود پر یعنی پانچ فیصد پر قرضہ فراہم کرتے ہیں اور صرف آخری یعنی صارف سے پندرہ فیصد تک جی ایس ٹی جس کو وہاں وی اے ٹی کہا جاتا ہے 'خریدار سے وصول کرتے ہیں وہ بھی عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کر دیا جاتا ہے جبکہ ہمارے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ تمام سطحوں پر ٹیکس وصول کرنے کا نظام ہے جس میں نہ صرف فیکٹریوں سے سیلز ٹیکس اور ایکسائز ٹیکس وصول کیا جاتا ہے بلکہ امپورٹ پر بندرگاہ پر بھی یہ ٹیکس پہلے ہی وصول کر لیا جاتا ہے جس کا اثر براہ راست صارف پر پڑتا ہے کیونکہ قیمت فروخت میں یہ ٹیکس شامل کر لیا جاتا ہے تو پھر دوبارہ اسی صارف سے جی ایس ٹی کے نام پر ٹیکس لینے کا کوئی بھی اسلامی اور اخلاقی جواز نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جی ایس ٹی' آئی ایم ایف والے نہیں مانتے تو جناب آئی ایم ایف والوں سے کہیں کہ سیلز ٹیکس یا جی ایس ٹی تمام مغربی ممالک میں صارفین سے ڈائریکٹ وصول کیا جاتا ہے ہمارے ہاں پیداواری سطح پر دوبار وصول کر لیا جاتا ہے 'اب تیسری بار ہم

کیسے وصول کریں میری حکومت سے استدعا ہے کہ جی ایس ٹی کے مسئلہ کو نہ چھیڑیں کیونکہ ایک طرف آپ نے پچاس (۵۰) لاکھ تک کی سطح پر اس کو چھوٹ دی ہے تو کس طرح آپ بڑے بڑے اسٹورز سے یہ ٹیکس وصول کر سکیں گے نہ تو عوام ادا کریں گے اور نہ ہی دوکاندار ادا کرنے کی پوزیشن میں ہوں گے کیونکہ ایک دوکان پر جب کوئی مال سو روپے میں دستیاب ہو گا تو کون دوسری دکان پر 112 1/2 روپے میں خریدے گا اس طرح بڑے بڑے اسٹوروں پر کوئی نہیں جائے گا اور پھر بیروزگاری پھیلنے کا خطرہ ہو گا۔ اس وقت دس دن گزر چکے ہیں اور تمام ایسوسی ایشنس نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ ٹیکس عوام کے لئے ناقابل برداشت ہے اسی وجہ سے بڑی بڑی صنعتیں بند پڑی ہیں اور جو چل رہی ہیں وہ بھی مندی کا شکار ہیں کیونکہ ڈالر اکاؤنٹ منجمد کرنے سے ڈالر پچپن روپے تک پہنچ چکا ہے اور دوسری طرف ٹیکسوں پر ٹیکس لگایا جا رہا ہے جس میں ایک طرف تعلیمی ٹیکس اقرا کے نام پر وصول کیا جاتا ہے جبکہ تعلیمی معیار دن بدن پست سے پست ہو رہا ہے 'نوجوانوں میں نقل کی وبا بری طرح پھیل چکی ہے 'ملک میں قانون نام کی کوئی شے باقی نہیں ہے' دہشت گردی عام ہے' ہر طرف کرپشن کا دور دورہ ہے 'گھنٹوں بجلی غائب رہتی ہے' سڑکیں ٹوٹی پڑی ہیں' کئی کئی دن تک پانی میسر نہیں ہوتا' ہسپتالوں میں دوائیاں تک نہیں ہیں' غریب ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے ہیں' قوم کو بے حس بنایا جا رہا ہے عوام کا سیاست دانوں پر سے اعتماد ختم ہو چکا ہے' بے روزگاری بڑھ رہی ہے' ایسے میں غریبوں سے جی ایس ٹی وصول کرنے کے بجائے بڑے بڑے نادہندگان سے 'جو اربوں روپے کھائے بیٹھے ہیں 'ان سے وصول کریں کیونکہ اب غریب عوام کے پاس دینے کے لئے کچھ نہیں ہے 'اگر ان سے جبری وصولی کی کوشش کی گئی تو ایسا نہ ہو کہ اس پکے پکائے لاوے میں وہ بھاری مینڈیٹ بہہ جائے جو عوام نے بڑی توقعات اور امیدوں کے ساتھ موجودہ حکمرانوں کو دیا تھا۔

غلطیوں کے سرتاج

آج کے اخبار میں جدہ سے وزیر خزانہ سرتاج عزیز صاحب کا بیان شائع ہوا جس میں انہوں نے تسلیم کیا کہ فارن کرنسی اکاؤنٹس پر پابندی لگانا غلطی تھی جس کی وجہ سے مارکیٹ میں ڈالر کا بحران پیدا ہوا۔ شکر ہے کہ وزیر خزانہ نے اپنی غلطی تسلیم کرلی مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب غلطی تسلیم کرلی تو پھر بھی فارن کرنسی اکاؤنٹس منجمد کیوں ہیں اور ان پر ابھی تک پابندی کیوں عائد ہے۔ اس دوعملی کو کیا نام دیں گے؟ غلطی کا ازالہ کرنے کے بجائے اس پر ہٹ دھرمی کی جارہی ہے۔

متحدہ ہندوستان میں ایک حکمران گزرا ہے' اس کا نام محمد تغلق تھا اس نے بغیر سوچے سمجھے کئی تاریخی فیصلے کئے مثلاً ایک دن یکایک اس نے اپنا دارالخلافہ دہلی سے آگرہ منتقل کرنے کا حکم صادر کیا اور اس نے یہ نہ سوچا کہ دارالخلافہ منتقل کرنے میں کیا کیا دقتیں پیش آئیں گی۔ وہی ہوا کہ جب لوگ دہلی سے آگرہ منتقل ہوئے تو موسم کی خرابی یعنی سخت گرمی اور لو تھی اور سواریوں کا بھی صحیح انتظام نہیں تھا۔ لوگ پیدل اور بیل گاڑیوں میں اپنا اپنا سامان لے کر آگرہ روانہ ہوئے' راستہ میں متعدد لوگ بیمار پڑ گئے بہت سے آگرہ پہنچ کر مر گئے۔ آگرہ میں تقریباً ہر گھر میں یا تو لوگ بیمار پڑے تھے یا ان میں سے کچھ مر چکے تھے اس پر بہت شور شرابا ہوا۔ محمد تغلق کے مشیروں نے محمد تغلق کو سمجھایا کہ اس کا دارالخلافہ کی منتقلی کا فیصلہ غلط تھا اس سے بہت سے لوگ مر گئے ہیں اور آگرہ کسی بھی طرح دارالخلافہ کے لئے موزوں نہیں

ہے۔ اس پر محمد تغلق نے پھر بغیر سوچے سمجھے دارالخلافہ واپس آگرہ سے دہلی منتقل کرنے کا حکم صادر کردیا۔ اور یوں جو لوگ بچ گئے تھے واپس دہلی آتے آتے راستہ میں مر گئے۔ اس طرح ایک غلطی اور پھر ایسی ہی غلطی کو دہرانے سے بہت سی جانیں ضائع ہو گئیں۔

محمد تغلق نے ایک اور تاریخی فیصلہ کیا کہ چمڑے پر نوٹ چھاپے اور حکم دیا کہ آج سے یہ نوٹ چلیں گے لوگ سونے چاندی کے سکے ان چمڑے کے نوٹوں سے تبدیل کرالیں۔ یاد رہے کہ اس زمانے میں سونے چاندی کے سکے چلتے تھے جنہیں ان کے وزن کے باعث پاس رکھنا اور لانا لے جانا دشوار اور چور ڈاکوؤں کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا تھا۔ اگرچہ یہ ایک منفرد فیصلہ تھا اور آج کرنسی نوٹ چمڑے کے بجائے کاغذ کے نوٹوں کی صورت میں دنیا بھر میں چل رہے ہیں۔ مگر دو سو سال پہلے یہ فیصلہ کسی نے نہیں مانا اور ہر شخص اس بات پر اڑا رہا کہ ہم ان قیمتی سکوں کے عوض یہ معمولی چمڑے کے نوٹ نہیں لیں گے۔ اس طرح محمد تغلق کو یہ فیصلہ بھی واپس لینا پڑا چمڑے کے نوٹ منسوخ کردیئے اور دوبارہ سونے اور چاندی کے سکے چلنے لگے ہمارے وزیر خزانہ اور محمد تغلق میں بغیر سوچے سمجھے فیصلے کرلینا ایک قدر مشترک ہے مگر جو فرق ہے وہ یہ کہ محمد تغلق اپنے فیصلے واپس لے لیتا تھا مگر جناب سرتاج عزیز صاحب اپنی غلطی ماننے کے باوجود دو اہم فیصلے یعنی فارن کرنسی اکاؤنٹ اور جی ایس ٹی واپس لینے کے لئے تیار نہیں ہیں کیونکہ انہیں خطرہ ہے کہ اگر اکاؤنٹس میں منجمد رقوم واپس کی گئیں تو تمام لوگ ڈالر واپس لے جائیں گے انہیں یہ فکر قطعاً نہیں کہ اپنی ہی قوم پر بداعتمادی ہم کو کہاں لے جائے گی۔ یہ قوم کے منہ پر طمانچہ ہے اگر کسی کو ڈالر منتقل کرانا ہوں تو کیا اوپن مارکیٹ سے ڈالر خرید کر ٹرانسفر نہیں کرا سکتا؟ ہمارے ازلی دشمن بھارت نے بھی دھماکہ کیا' نہ تو وہاں ڈالر کا بحران آیا نہ آئی ایم ایف یا G-8 سے کوئی دھمکی ملی۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ بینکوں کے لاکرز خالی کئے جاچکے ہیں۔ خواتین نے اپنے اپنے سونے کے زیورات جو انہوں نے اپنے اپنے سرتاجوں سے چھپا چھپا کر جمع کئے تھے وہ گھروں میں لاکر چھپا دیئے ہیں کیونکہ جب انہوں نے سرتاج عزیز صاحب کا یہ بیان پڑھا کہ حکومت لاکرز اور سونے کو سرکاری تحویل میں لینے کا سوچ بھی نہیں سکتی تو انہیں کھٹکا ہوا۔ کیونکہ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ سرتاج عزیز صاحب نے جو بھی اعلان کیا عمل اس کے خلاف ہوا۔ سرتاج عزیز صاحب نے کہا اب

پاکستانی کرنسی کی قیمت کم نہیں ہوگی' ٹھیک اس کے ایک ہفتہ بعد اسٹیٹ بینک نے ڈالر کی قیمت بڑھادی اور پاکستانی کرنسی ڈی ویلیو کردی۔ اب چونکہ سرتاج عزیز صاحب نے لاکرز اور سونے کی بات کی ہے تو یقیناً لاکرز اور سونے کے زیورات خطرے میں پڑگئے ہیں لہٰذا خواتین اعلان کے اگلے ہی روز صبح ہی صبح بینک پہنچ گئیں اور تمام لاکرز خالی کردیئے۔ دوسری طرف اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے بداعتمادی کی انتہا کررکھی ہے کیونکہ جب سے دھماکہ ہوا ہے روزانہ کئی کئی سرکلر اور ہدایات جاری کی جارہی ہیں اور ایک سرکلر میں جس بات کی اجازت دی جاتی ہے دوسرے سرکلر میں اس سے منع کردیا جاتا ہے۔ کبھی تیس فیصد مارجن جمع کرانے کو کہا جاتا ہے پھر بھی L/C نہیں کھولی جاتی اور آج تو ایک سرکلر نے صنعتی اداروں میں ہل چل مچادی ہے وہ سرکلر یہ ہے کہ تمام L/C کھولنے والوں کو انڈر ٹیکنگ کا پابند کیا گیا ہے کہ جو L/C انہوں نے آج کھولی ہے اس کے تحت مال بندرگاہ پر پہنچنے کے وقت اگر حکومت پاکستان کے پاس زرمبادلہ موجود نہ ہوا تو وہ صنعتکار یا امپورٹرز 48 گھنٹے کے اندر اندر ڈالر اوپن مارکیٹ سے خرید کر بینک میں جمع کرانے کے بعد ہی اپنے کاغذات ریٹائر کرواسکے گا۔

میری وزیرخزانہ صاحب سے استدعا ہے کہ ایک غلطی یعنی فارن اکاؤنٹس منجمد کرنے کی تو قوم نے معاف کردی ہے مگر اس غلطی پر ڈھٹائی سے جمے رہنے کی بڑی غلطی کو شاید قوم معاف نہ کرسکے' آج نہیں تو کل یہ اکاؤنٹس واپس کرنا پڑیں گے آپ اس پاکستانی کو کیوں سزا دے رہے ہیں جس نے پاکستان سے محبت اور عقیدت کے "جرم" میں پاکستان سے باہر اکاؤنٹ کھولنے کے بجائے پاکستان میں اکاؤنٹ کھولنے کو ترجیح دی اور دیار غیر میں رہنے والے اس پاکستانی کو ہنڈی کے ذریعے لین دین پر کیوں مجبور کیا جارہا ہے۔ اور اس صورت میں کہ ہنڈی کے ذریعے ڈالر کی قیمت اس کو ۵۶ روپے مل رہی ہے اور سرکاری بینک اسے ۴۶ روپے دے رہے ہیں تو اس دس روپے کا کون حساب دے گا؟ آپ پاکستان کے وزیرخزانہ ہیں' آئی ایم ایف کے نہیں ہیں' آپ اپنی امپورٹ کی پالیسی کو درست کریں آئی ایم ایف سے قرضے اور ڈکٹیشن لینے کے بجائے تمام غیرضروری اشیا پر پابندی لگائیں ہمیں غیرملکی بسکٹ' چاکلیٹ' بیوریج' سامان آرائش' بڑی بڑی گاڑیاں نہیں چاہئیں' صرف بنیادی خام مال اور مشینیں' ادویات یعنی صرف اور صرف وہ ضروری اشیا جو پاکستان میں نہیں بنتی ہیں یا نہیں بن سکتی ہیں' ان کی

درآمد کی اجازت ہونی چاہئے اب ہم کو زرمبادلہ ہر صورت میں بچانا ہے آئی ایم ایف اور G-8 اگر ایک ہاتھ سے ۱۰۰ ڈالر دیتے ہیں تو دوسرے ہاتھ سے ۹۵ ڈالر سودی قرضے اور اپنی شرائط پر مغربی ممالک سے غیرضروری اشیا کی درآمدات پر خرچ کرا کے اپنی معیشت کو مضبوط کرتے ہیں لہٰذا ہم ان کی منڈی بن چکے ہیں' اس سے گلوخلاصی حاصل کریں۔ یاد رکھیں سود کو اسلام نے حرام اور بدترین نظام قرار دیا ہے' آج تک سود پر کام کرنے والی صنعتیں پنپ نہیں سکی ہیں۔ ہمیں اپنی چادر دیکھ کر اپنے پاؤں پھیلانے چاہئیں۔

آئی ایم ایف اور G-8 پر اعتماد کرنے کے بجائے ایک مرتبہ کڑوا گھونٹ پی کر ان سے جان چھڑائیں اور صاف کہہ دیں کہ ہم کو قرضہ نہیں چاہئے' ہم آپ کے قرضے جلد ہی ادا کردیں گے۔ ان کے بجائے قوم پر اعتماد کیجئے' قوم کے سامنے کشکول رکھئے۔ پاکستان میں اس وقت ۱۲ لاکھ ٹیکس گزار ہیں صرف دو ہزار روپے فی کس کے حساب سے پاکستان کی معیشت کو آئی ایم ایف سے بچانے کے نام پر چالان بنا کر ہر ٹیکس گزار کو بھیج دیں اس سے دو ارب چالیس کروڑ روپے جمع ہوں گے' اسی طرح پانچ' پانچ سو کے ٹوکن بنوا کر دکانداروں کو دے دیں جسے وہ اپنی اپنی دکانوں پر آویزاں کریں' جواب تک انکم ٹیکس نہیں دیتے ان ٹوکنوں کی موجودگی میں کوئی انکم ٹیکس والا نہیں جائے گا اور کوئی محبِ وطن اس کو انکار نہیں کرے گا اس طرح اربوں روپے جمع ہو جائیں گے تمام مرکزی وزرا کو جہاں جہاں پاکستانی رہتے ہیں' بھیجیں' ان کے سامنے کشکول پھیلائیں ان کو کہیں کہ ہم نے اپنی انا اور بقا کے لئے دھماکہ کیا ہے پاکستان کو اس وقت ڈالر چاہئیں۔ میں نہیں سمجھتا کوئی اس سے انکار کرے گا کیونکہ دیار غیر میں رہنے والا پاکستانی پاکستان میں رہنے والے پاکستانی سے زیادہ محبِ وطن اور غیرتمند ہوتا ہے۔ ہمارا صرف اور صرف ایک نعرہ ہونا چاہئے کہ ہمیں غیرت مند اور آزاد پاکستانی کی حیثیت سے رہنا ہے اور آئی ایم ایف ورلڈ بینک' G-8 یا کسی بھی بیرونی ادارے سے قرضے نہیں چاہئیں۔

دوسری طرف صدر پاکستان تمام مسلمان سربراہوں سے ملیں اور جو جو مصنوعات ان کے ممالک میں بنتی ہیں ادھار خریدیں یا ان کو پاکستانی کرنسی میں قیمت ادا کریں۔ اول تو ان کو احساس ہے کہ جو کام اتنی مضبوط معیشت رکھنے کے باوجود وہ نہ کرسکے پاکستان نے اکیلے ہی کر دکھایا اب مسلمان ہونے کے ناتے ان

پر بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ اس کڑے وقت میں پاکستان کا بھرپور ساتھ دیں' صرف زبانی جمع خرچ پاکستان کو اس بحران سے نہیں نکال سکتا جو پاکستان کو ایٹمی دھماکہ کرنے کی پاداش میں مغربی ممالک کی طرف سے تحفہ میں ملا ہے۔ اور اگر ان مسلمان ممالک نے آج پاکستان کی اس اہمیت کو نہیں سمجھا تو کل ان کی باری بھی آسکتی ہے۔

لہٰذا وقت کا تقاضہ ہے آگے بڑھیئے اس کام میں دیر نہیں کریں بے غیرتی کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہوتی ہے۔

اثر عوام پر نہیں تو کیا فرشتوں پر پڑیگا!

ہمارے ایک دوست روزانہ رکشہ سے سفر کرتے ہیں' جس دن پیٹرول کی قیمت میں پچیس فیصد اضافہ ہوا تو دوسرے دن جب وہ رکشہ سے دفتر پہنچے تو رکشہ ڈرائیور نے میٹر سے زیادہ کرایہ طلب کیا اور وجہ یہ بتائی کہ میں نے آج جو رکشہ میں پیٹرول ڈلوایا ہے اس کی قیمت زیادہ ادا کی ہے لہٰذا ہر سواری سے زیادہ پیسے لینے کا رکشہ ڈرائیور کا حق بنتا ہے۔ ہمارے دوست نے اس سے حجت کی کہ تمہارا میٹر جتنا کرایہ بتائے گا میں اس سے زیادہ نہیں دونگا کیونکہ وزیر خزانہ نے کہا ہے کہ پیٹرول کی قیمت میں اضافہ سے عام آدمی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اگر میں نے تم کو زیادہ کرایہ دیا تو مجھ پر اثر پڑے گا اس طرح وزیر خزانہ کو شرمندگی اٹھانا پڑے گی لہٰذا تم وہی پیسے لو جو تمہارا میٹر بناتا ہے۔ رکشہ ڈرائیور ناراض ہو گیا کہنے لگا بابو جی کس حکومت کی بات کرتے ہو جب سے قوم نے اس حکومت کو' کیا کہتے ہیں "مینڈک" دیا ہے اس وقت سے ہر چیز روز بروز مہنگی ہو رہی ہے' ہمارے دوست نے اس سے کہا کہ بھئی مینڈک نہیں مینڈیٹ دیا ہے۔ وہ کہنے لگا مگر جب صدر اس کا ہے' فوج اس کی ہے' عدلیہ اس کی ہے' حکومت اس کی ہے' تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہر چیز کے دام بڑھائے جا رہے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ عوام پر اس کا اثر نہیں ہو گا کیا عوام کوئی آسمانی مخلوق ہے جو ڈالر کی قیمت میں کمی' بجلی کے نرخ' گیس کے دام بڑھنے اور اب پیٹرول کی قیمت بڑھنے کے باوجود اس کا اثر عوام پر نہیں پڑے گا تو کیا فرشتوں پر پڑے گا۔! یہ سن کر ہمارے

دوست اس کو منہ مانگا کرایہ دے کر جب دفتر پہنچے تو آج ان کی لیٹ لگ گئی یعنی آدھی حاضری۔

ایک دن ہم اپنے رشتہ دار کے ہاں گئے تو دیکھا کہ صاحب خانہ کی بیگم جائے نماز پر بیٹھی زور زور سے دعا مانگ رہی تھیں۔ یااللہ ڈالر ۶۷ روپے کا کر دے۔ ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ قوم پہلے ہی ڈالر کی بڑھتی ہوئی قیمت سے بے زار ہے اور حکومت کو کوس رہی ہے مگر موصوفہ ہیں کہ دعا مانگ رہی ہیں کہ یااللہ ڈالر ۶۷ روپے کر دے۔ جب وہ دعا سے فارغ ہوئیں تو ہم نے پوچھا خیریت تو ہے آج آپ ڈالر کی قیمت بڑھنے کی دعا کیوں مانگ رہی ہیں۔ وہ بولیں بھائی صاحب' میں نے اپنے سر تاج سے چھپا کر رقمیں بچا بچا کر لاکر میں کچھ پیسے اکٹھے کئے' ایک دن جب میں نے اخبار میں پڑھا کہ لاکرز کو حکومت اپنی تحویل میں لے رہی ہے تو میں نے اپنے سر تاج کو بتایا کہ صبح ہی صبح بینک جا کر لاکرز سے پیسے نکالنے ہیں جو میں نے آپ کو بتائے بغیر جمع کئے تھے۔ وہ پہلے تو ناراض ہوئے کہ تم مجھے ابھی تک اپنا نہیں سمجھتیں پھر وہ مجھے بینک لے گئے اور تمام رقم جو ۶۷۰۰۰ روپے بنتی تھی مجھے نکال کر دے دی۔ میں روز اخبار میں پڑھ رہی تھی کہ ڈالر مہنگا ہو رہا ہے روزانہ چار روپے بڑھ رہے تھے۔ میں نے اپنی ایک جاننے والی سے پوچھا کہ ان روپوں کا کیا کروں تو انہوں نے مشورہ دیا کہ بہن فوراً ان روپوں سے ڈالر خرید لو۔ میں نے بھی میاں کو بتائے بغیر ڈالر خرید لیا اس دن ڈالر ۶۷ روپے تک فروخت ہو رہا تھا میں نے فوراً ایک ہزار ڈالر خرید کر اپنے بستر کے نیچے والے خانے میں چھپا دیئے۔ بس بھائی اس دن سے روز میں ڈالر کے دام دیکھتی ہوں تو دل دھک دھک کرنے لگتا ہے کیونکہ ڈالر پھر نیچے آ گیا اب اگر میرے سر تاج کو معلوم ہوا کہ ان کو بتائے بغیر میں نے اتنا مہنگا ڈالر خرید لیا ہے تو وہ پھر کتنا ناراض ہوں گے لہٰذا اس دن سے میں نے پابندی سے نماز شروع کر دی ہے اور روز دعائیں مانگتی ہوں کہ اللہ میاں ڈالر ۶۷ روپے کا کر دے۔ ہم نے جب یہ سنا تو اپنا سر پیٹ لیا۔ یااللہ کیا ہو گیا ہے کہ صرف اور صرف اپنے مفاد کی خاطر ہم قوم کو مہنگائی کے عذاب میں ڈال رہے ہیں۔ ایک طرف تو حکومت ایٹمی دھماکہ کی آڑ میں ہر چیز پر ٹیکس پر ٹیکس لگانے پر تلی ہوئی ہے دوسری طرف ہماری قوم بھی صرف اور صرف اپنے مفادات میں لگی ہوئی ہے کسی کو بھی یہ خیال نہیں آتا کہ اس خود غرضی کا کیا انجام ہو گا ہماری معیشت کیسے سدھرے گی۔ جس ملک میں فارن کرنسی تین مختلف اداروں میں تین مختلف داموں میں فروخت ہو رہی ہو یعنی حکومت کا ڈالر الگ داموں

میں' بینک میں ڈالر تین روپے زیادہ اور منی چینجر کا ڈالر دس روپے زیادہ میں فروخت ہو گا اس ملک کے وزیر خزانہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس سے عام آدمی پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ غالباً ان کا اشارہ آم کی طرف ہو گا عام کی طرف نہیں کیونکہ آم کا سیزن اب ختم ہونے کو ہے۔

”ایک خواب جو بکھرنے کو ہے“

ایک رات میں کھانا کھا کر جلدی سو گیا حالانکہ میں کم از کم دو تین گھنٹے بعد سوتا تھا۔ آنکھ لگنے کے فوراً ہی بعد ایسا محسوس ہوا کہ میرے سرہانے ارد گرد ایک عجیب مخلوق جمع ہے۔ پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ آسمانی مخلوق یعنی فرشتے ہیں اور جب سے پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کیا ہے اس وقت سے آسمان پر پاکستان کے لئے سینئر فرشتوں پر مشتمل ایک سیل قائم کر دیا گیا ہے کیونکہ پاکستان پہلا اسلامی ملک ہے جس نے ایٹمی دھماکہ کیا تو آسمان پر فرشتوں نے بھی جشن منایا اور اس کے بعد سے فرشتے بھی پاکستان میں بڑی دلچسپی لینے لگے اور وہ باقاعدہ پاکستان کے اخبارات کا مطالعہ کرنے لگے مگر ان اخبارات کے پڑھنے کے بعد اس سیل نے یہ محسوس کیا کہ فرشتوں میں بڑی تبدیلیاں آنی شروع ہو گئیں خاص طور پر جب انہوں نے اتوار کا میرا کالم پڑھا جس میں تحریر تھا کہ اتنے ٹیکس لگنے کے بعد عوام پر نہیں تو کیا فرشتوں پر اثر پڑا ہو گا تو واقعی ان پر کافی اثر پڑا اور وہ ایک گروپ کی شکل میں پاکستان سیل کے ارد گرد جمع ہو گئے اور انہوں نے طرح طرح کے مطالبات پیش کر دیئے۔ مثلاً موت کے فرشتوں کا کہنا تھا کہ ہم جان نکالنے اکیلے پاکستان نہیں جائیں گے کیونکہ ان کو کلاشنکوف سے اب ڈر لگنے لگا ہے لہٰذا ہر موت کے فرشتے کے ساتھ تین تین گارڈز جائیں گے کیونکہ مارنے والوں کے پاس جدید ہتھیار ہیں اور چونکہ زیادہ تر یہ واقعات رات کو ہوتے ہیں اس لئے وہ اوور ٹائم بھی چارج کریں گے۔

دوسرا مطالبہ یہ تھا چونکہ اب پاکستان میں جان نکالنے کے لئے بار بار جانا پڑتا ہے لہٰذا آنے جانے کا کنوینئس الاؤنس بھی دیا جائے۔ جب سیل نے ان کو سمجھایا کہ تم تو فرشتے ہو تمہیں ان ہتھیاروں سے کیوں ڈر لگتا ہے تو موت کے فرشتوں نے جواب دیا جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو مارنے سے باز نہیں آ رہا ہے ہم تو پھر ان کے مخالف گروپ سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ جب روز ازل اللہ نے فرشتوں کو انسان کے سامنے سجدہ کرنے کو کہا تھا تو ہم نے اس وقت بھی کہا تھا کہ یہ انسان خون خرابہ کریں گے اور اسی انکار پر ہمارا ایک ساتھی جنت سے نکال دیا گیا تھا تو کیا پتہ آج یہ اس دن کا بدلہ ہم سے نہ لے لیں میں نے فرشتوں کے اس گروپ کو بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ اس قتل و غارت میں تمام عوام شامل نہیں ہیں۔ بلکہ ایک مخصوص ٹولہ ہے جو مسلمان کو مسلمان سے لڑا کر پاکستان کو کمزور اور پوری دنیا میں مسلمانوں کو بدنام کر رہا ہے اور ان گروپوں سے ہر محبِّ وطن پاکستانی سخت پریشان ہے۔ میں نے فرشتوں سے کہا کہ وہ ہی کوئی راہ بتائیں کہ ہم کیا کریں۔ انہوں نے کہا کہ دراصل جو قوم اللہ کو بھول جاتی ہے تو اللہ اس پر زمینی عذاب نازل کرتا ہے۔ ہم کو اللہ نے اسی لئے پاکستان بھیجا ہے کہ جس قوم کو میں نے انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے آزاد کیا اور اتنا اچھا ملک عطا کیا کہ جس میں بارہ مہینے کوئی نہ کوئی فصل اگتی ہے اور کٹتی ہے ہر قسم کے پھول، پھلوں، اناجوں سے نوازا۔ زمین کے اندر قدرتی معدنیات تیل، نمک، سوڈا، کوئلہ، ہر چیز بے حساب پیدا کی۔ چاند، سورج لہلہاتے کھیت، خوبصورت پہاڑ، سمندر اور دریاؤں کا تحفہ دیا سردی، گرمی، بہار، خزاں چار موسم بنائے تاکہ امیر غریب سب اس سے فائدہ اٹھائیں اور آج اتنی خوشحالی کے باوجود اللہ سے مدد مانگنے کے بجائے وہ آئی ایم ایف، ورلڈ بینک، جی ایٹ، امریکہ، مغربی ممالک سے ایڈ مانگ رہے ہیں اور بجائے اس کے کہ رات دن اسی ایمانداری سے محنت کرتے جیسی انہوں نے پاکستان بنانے کے شروع سالوں میں کی تھی اس کے برعکس افسوس آج مسلمان مسلمان کو مار رہا ہے، نہ مرنے والے کو معلوم ہے کہ اسے کس نے مارا ہے اور نہ مارنے والے کو یہ معلوم ہے کہ وہ کس کو مار رہا ہے۔

میں نے فرشتوں کے آگے ہاتھ جوڑے کہ بے شک پاکستان میں ایسا ہو رہا ہے مگر اس میں عوام سے زیادہ ہمارے مفاد پرست سیاست دان قصوروار ہیں جو صرف اور صرف اپنے مفادات کی خاطر قوم کو

لڑوار ہے ہیں اور جو دہشت گردی ہو رہی ہے اس کے بانی وہی مفاد پرست سیاست داں ہیں۔

لہٰذا عوام پر عذاب بھیجنے کے بجائے ان تمام سیاست دانوں پر عذاب آنا چاہئے تاکہ پاکستان کے عوام ایک مرتبہ پھر امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں اور فرشتوں کو سمجھا رہا تھا کہ اچانک بجلی چلی گئی اور میری آنکھ کھل گئی اب میں سوچ رہا ہوں کہ اگر اب بھی ہمارے عوام ان سیاست دانوں کے چنگل سے نہیں نکلے تو پھر کہیں یہ خواب خدانخواستہ سچ نہ ہو جائے اور میں نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ آئندہ کھانا کھانے کے فوراً بعد نہیں سوؤنگا۔

تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

آج سے دس سال قبل ایک کمیٹی برائے منتقلی محصورین پاکستان نے، جس کا میں چیئرمین تھا نواز شریف سے، پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے، پنجاب ہاؤس کراچی میں ملاقات کی تھی۔ اس وفد میں مسلم لیگ کے جناب میر نواز خان مروت، الحاج شمیم الدین، زہیر اکرم ندیم مرحوم، پی ڈی پی کے مشتاق مرزا تحریک استقلال کے احمد دارا، ناہید افضال، حافظ محمد تقی، ملک اختر، چوہدری افضال مرحوم وغیرہ شامل تھے۔

یہ ملاقات جناب آصف وردگ نے کروائی تھی۔ اس ملاقات میں ہم نے نواز شریف صاحب سے کہا تھا، بنگلہ دیش میں تقریباً ڈھائی لاکھ محصورین، جو پاکستان آنا چاہتے ہیں ان کو پاسپورٹ اور این او سی جاری کر دیئے جائیں اور ان کو پاکستان لا کر پنجاب میں آباد کر دیا جائے تو نواز شریف نے کہا کہ پاسپورٹ مرکزی حکومت جاری کر سکتی ہے اور مرکز میں پی پی پی کی حکومت ہے جو ان بہاریوں کو پاکستان نہیں لانا چاہتی، اگر یہ معاملہ صوبائی حکومت کا ہوتا تو میں آج ہی ان کو این او سی اور پاکستان کے پاسپورٹ دیدیتا۔ آپ دعا کریں کہ مرکز میں مسلم لیگ کی حکومت بن جائے تو یہ مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے البتہ اگر ان کو آپ سامان بھجوانا چاہیں تو صوبائی حکومت تعاون کرنے کے لئے تیار ہے چنانچہ ہم نے کہا کہ ہم ایک لاکھ جوڑے کپڑے تیار کرا کے بنگلہ دیش بھجوا دیتے ہیں، ان ایک لاکھ

جوڑوں پر تقریباً ۷۶ لاکھ روپے خرچ آتے تھے جو میاں نواز شریف صاحب نے پنجاب کی حکومت کی طرف سے عطیہ کے طور پر کمیٹی برائے منتقلی محصورین پاکستان کے حوالے کر دیئے۔ اس کمیٹی نے ایک لاکھ جوڑے کپڑے جن میں مرد عورت اور بچوں کے کپڑے شامل تھے۔ تیار کرائے مگر جب تک پی پی پی کی حکومت رہی ان کپڑوں کو بنگلہ دیش نہیں جانے دیا گیا اور نہ ہی این او سی جاری کیا گیا۔

بعد میں جب پی پی پی کی حکومت گئی تو نگراں وزیر اعظم جتوئی صاحب نے این او سی جاری کیا اور یہ کپڑے پاکستان ریڈ کراس کی مدد سے بنگلہ دیش ریڈ کراس کو روانہ کر دیئے گئے' ان کپڑوں کی روانگی کے تمام اخراجات پاکستان شپنگ کمپنی نے اٹھائے اور یہ کپڑے بنگلہ دیش میں مختلف کیمپوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ جب جتوئی صاحب نے الیکشن کروائے تو اس الیکشن میں مسلم لیگ جیت گئی اور مرکز میں مسلم لیگ کی حکومت بنی تو ہم نے پھر اس وقت نواز شریف صاحب سے 'جو وزیر اعظم بن چکے تھے' ملاقات کی اور ان کو وہ وعدہ یاد دلایا۔ انہوں نے کہا ہاں مجھے یاد ہے اور میں جلد ہی ان تمام محصورین کو پنجاب میں نہ صرف آباد کروں گا بلکہ میاں چنوں میں انہیں بارہ ایکڑ زمین اور ایک ایک مکان بھی بنوا کر دیں گے۔ ایک سال بعد تقریباً چار سو محصورین کو پنجاب میں لا کر آباد کر دیا گیا اور کہا گیا کہ باقی بھی جلد آجائیں گے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ چھ ماہ تک اس کمیٹی کے ارکان پنجاب کے وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں' اسپیکر منظور وٹو اور دیگر مسلم لیگی رہنماؤں سے ملاقات کرتے رہے۔ جبکہ وزیر اعظم سے ملاقات ناممکن ہو گئی۔ آخر کمیٹی نے پنجاب کے وزیر اعلیٰ سے کراچی میں ملنے کی درخواست کی اور پرل کانٹی نینٹل میں دوپہر کے کھانے پر ان کو بلایا۔ اس تقریب میں کراچی کے تقریباً تین سو زعما اور ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے شریک ہوئے۔ اس تقریب میں ان کو یاد دلایا گیا کہ چھ ماہ گزر چکے ہیں اور اب تک مرکزی حکومت نے نہ تو این او سی جاری کیا ہے اور نہ ہی ان محصورین کو 'جو بیس سال سے بنگلہ دیش میں کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں' پاکستان کا پاسپورٹ جاری کیا جا رہا ہے۔ کمیٹی کے ارکان نے اور میں نے تفصیل سے ان محصورین کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی اور ساتھ ساتھ ۷۶ لاکھ روپے میں سے ۲۲ لاکھ روپے کا بینک ڈرافٹ جو ایک لاکھ دس ہزار جوڑے کپڑے بھیجنے کے بعد بچ گئے تھے' جناب غلام حیدر وائیں مرحوم کو دے دیا۔ اس موقع پر اپنی تقریر میں 'میں نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ جناب

نواز شریف اب ان محصورین کو لانے میں مخلص نہیں ہیں اور اسی وجہ سے ۲۲ لاکھ روپے کی یہ رقم جو ہم نے ان محصورین کے پاکستان لانے کے لئے بچا کر رکھی تھی واپس کر رہے ہیں۔ اپنی جوابی تقریر میں جناب غلام حیدر وائیں نے وعدہ کیا کہ ہم ہر صورت میں ان پاکستانی محصورین کو پاکستان لا کر آباد کریں گے۔ پھر مسلم لیگ کی حکومت برخاست کر دی گئی' الیکشن ہوئے' دوبارہ پی پی پی کی حکومت آئی اس دوران مجھے بنگلہ دیش جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں نسیم خان صاحب کو پتہ چلا تو وہ مجھ سے ملنے میرے ہوٹل میں آئے اور مجھ سے ڈھاکہ کے محصورین کے کیمپوں کا دورہ کرنے کی درخواست کی۔ میں دوسرے دن ان کے ساتھ مختلف کیمپوں میں گیا۔ وہاں میں نے ان لوگوں کی جو حالت دیکھی تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس قدر گندگی اور افلاس جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا ان حالات میں وہ لوگ رہ رہے تھے۔ بعض بعض جگہ تو لوگ چھ فٹ لمبی اور چار فٹ اونچی کچی کھولیوں میں رہتے تھے۔ ایک نسل جوان ہو گئی اور وہ آج بھی اپنے کیمپوں میں پاکستان کے علاوہ کوئی اور جھنڈا لگانا پسند نہیں کرتے' پاکستان کے ساتھ ان کی وابستگی جنون کی حد تک برقرار ہے اور وہ روز صبح اٹھ کر پاکستان جانے کے تصور میں آج بھی ان کیمپوں میں زندگی گزار رہے ہیں۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ مختلف عیسائی مشنریاں ان کو عیسائی بنانے کے لئے اپنی تبلیغ کا دائرہ بڑھا رہی ہیں۔ غریب اور افلاس کے مارے ہوئے ان مسلمانوں سے کوئی بھی ہمدردی نہیں کر رہا ہے۔

پی پی پی کی حکومت دوبارہ برخاست ہوئی اور ڈیڑھ سال سے مسلم لیگ کی حکومت مرکز اور صوبوں میں ہے میں وزیر اعظم نواز شریف سے پوچھتا ہوں کہ کیا ان کو اپنا وعدہ یاد ہے جو انہوں نے محصورین کو پاکستان لا کر پنجاب میں آباد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ غلام حیدر وائیں اب اس دنیا میں نہیں رہے نہ سدا کسی نے رہنا ہے۔ اگر آپ ان کو پاکستان لا کر اپنے سینکڑوں ایکڑ کے رائے ونڈ والے محل میں آباد کر دیں تو اس تاخیر کا کفارہ ادا ہو جائے گا اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو آپ اعلان کر دیں کہ ہم ان محصورین کو پاکستان نہیں لانا چاہتے وہ جس ملک جانا چاہیں چلے جائیں پاکستان میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

تاکہ بقول شاعر

تیرے وعدوں پر کہاں تک میرا دل فریب کھائے
کوئی ایسا کر بہانہ میری آس ٹوٹ جائے

قرض اتارو اور خود انحصاری مہم کیوں ناکام ہوئیں؟

ایک شادی کی تقریب میں میری ملاقات نگراں وزیراعظم جناب ملک معراج خالد سے ہوئی۔ میں نے شکوہ کیا کہ آپ نے جب باگ ڈور سنبھالی تو قوم سے وعدہ کیا کہ ہم احتساب کریں گے اور تین ماہ میں الیکشن کرا کے رخصت ہو جائیں گے مگر آپ نے احتساب نہیں کیا اور الیکشن کرا دیئے جس میں صرف ۲۶ فیصد ووٹ پڑے غالباً تاریخ میں اس سے کم ووٹ کبھی کسی ملک میں نہیں پڑے ہوں گے کیونکہ عوام کی اکثریت نے ووٹ نہ ڈال کر یہ ثابت کر دیا کہ انہیں آنے والی حکومت پر کوئی اعتماد نہیں ہے۔ اس طرح آپ نے احتساب نہیں کیا اور قومی دولت جو اربوں روپے قرضوں اور رشوتوں کی شکل میں سیاست دانوں نے لوٹی تھی وہ آپ نے وصول کئے بغیر الیکشن کرا دیئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں مجبور تھا' اگر احتساب ہوتا تو اس میں کافی قانونی مشکلات تھیں اور یہ بھی ممکن تھا کہ دونوں بڑی جماعتیں یعنی پی پی پی اور مسلم لیگ والے بائیکاٹ کر دیتے تو اس طرح الیکشن ناکام ہو جاتا میں نے دلیل دی کہ الیکشن تو ان دونوں پارٹیوں کے حصہ لینے کی وجہ سے ناکام ہوا۔ اور اس ناکامی کا ثبوت محض ۲۶ فیصد ووٹوں کا ڈالا جانا ہے۔ البتہ اگر یہ دونوں جماعتیں بائیکاٹ کرتیں تو ممکن تھا کہ ضیاء الحق کے غیر جماعتی الیکشن کی طرح لوگ زیادہ تعداد میں ووٹ ڈالتے اور نئے چہروں کو سامنے آنے کا موقع ملتا اور یہ نئے لوگ پی پی پی اور مسلم لیگ والوں کا احتساب کرتے اور ان سے لوٹی گئی دولت وصول کر کے قومی خزانہ

میں جمع کراتے۔ مگر افسوس کہ آج تک نہ احتساب ہوا اور نہ ہی لوٹی ہوئی دولت واپس ہوئی۔ جب نواز شریف دوبارہ وزیراعظم بنے تو انہوں نے اپنی پہلی تقریر میں قوم کو قرض اتارو ملک سنوارو کا نعرہ دیا اور اخبارات اور ٹی وی سے اشتہاری مہم پر کروڑوں روپے خرچ کر ڈالے مگر قوم پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ یہ اسکیم بری طرح فلاپ ہوئی۔ اس کے بعد وزیراعظم صاحب نے احتساب کا نعرہ لگایا مگر قوم نے دیکھا کہ احتساب یکطرفہ تھا اور دونوں میں اخباری جنگ شروع ہو گئی یعنی پی پی پی اور مسلم لیگی حکمرانوں نے اخبارات میں ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی' عوام روز نت نئے الزامات اور پڑھتے اور بور ہوتے اور تا حال اس لڑائی کا کوئی نتیجہ بر آمد نہیں ہو سکا۔

اس کے بعد مئی میں پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کیا' قوم نے کھل کر داد دی اور نیا جذبہ اور ولولہ اس رات دیکھنے میں آیا۔ بالکل ایسا لگ رہا تھا کہ ۱۹۶۵ء کی طرح قوم متحد ہو گئی ہے اور پاکستان کے لئے اپنی ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار ہے۔ یہ ایٹمی دھماکہ بھارت کے منہ پر ایک طمانچہ تھا کیونکہ جب سے بھارت نے دھماکہ کیا تھا اس دن سے ان کا وزیراعظم روز پاکستان کے لئے تحقیر اور دھمکی آمیز بیانات دیتا تھا اور ساتھ ساتھ کشمیر پر فائرنگ کر کے اشتعال پھیلا رہا تھا۔ اس دن' جب پاکستان نے دھماکہ کیا تو اس کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔ شام کو وزیراعظم نے قوم سے پھر خطاب کیا اور کہا کہ ہم نے کشکول توڑ دیا ہے اب قوم کو قربانی دینی پڑے گی۔ کیونکہ ہم نے امریکہ' برطانیہ' جاپان سمیت یورپی ممالک کو ناراض کیا ہے' چونکہ پاکستان پہلا اسلامی ملک ہے جس نے ایٹمی دھماکہ کیا ہے لہٰذا اس وقت تمام اطراف سے پابندیاں لگیں گی اور آئندہ قرضے ملنے کے امکانات کم ہیں لہٰذا قوم خود انحصاری کو اپنائے فضول خرچی ختم کرے اور بچت کی ترغیب دلائی گئی۔ ساتھ ساتھ خود انحصاری فنڈ قائم کر دیا گیا۔ قوم وزیراعظم صاحب کی تقریر سن کر متاثر ہوئی اور قومی جذبہ لے کر سوئی اور جب بیدار ہوئی تو صبح کے اخبارات میں یہ پڑھ کر کہ ملک میں ایمرجنسی نافذ کر دی گئی ہے۔ تمام فارن کرنسی اکاؤنٹس منجمد کر دیئے گئے اور ڈالر کے بجائے پاکستانی روپے میں رقم کی واپسی کا اعلان کیا گیا تو عوام پر حکومت کی اس بداعتمادی کی وجہ سے تمام جذبات جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ حکمران خاندان اور وزراء نے راتوں رات کروڑوں ڈالر بینکوں سے نکلوا کر غیر ممالک ٹرانسفر کرا ڈالے ہیں تو اس خبر نے جلتی پر تیل کا کام

کیا۔ قوم نے حکومت پر سخت تنقید کی حزب اختلاف نے بھی خوب بھڑاس نکالی' قوم نے خود انحصاری فنڈ میں پیسے دینے سے انکار کر دیا اور کیوں نہ کرتی' جب حکمران خود اپنی رقمیں بینک سے ٹرانسفر کروائیں اور عوام سے فنڈ مانگیں تو لوگ ان لٹیروں کو پاکستان کے نام پر کیوں فنڈ دیتے کیونکہ یہ ان کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف تھا' خاص طور پر جب وزیر خزانہ نے دبئی میں یہ بیان دیا کہ فارن کرنسی اکاؤنٹ منجمد کرنا ان کی غلطی تھی۔ غلطی ماننے کے باوجود اکاؤنٹس واپس نہ کرنا اس سے بڑی غلطی بلکہ ہٹ دھرمی ہے۔

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ رہی سہی کسر جی ایس ٹی اور ہڑتالوں نے پوری کر دی اور معیشت کا بیڑہ غرق کر دیا گیا ہے۔ ڈالر مضبوط سے مضبوط تر اور پاکستانی روپیہ تیزی سے نیچے کی طرف جا رہا ہے۔ پاکستان ٹیلی ویژن کو کشمیر میں ہڑتالوں کی اطلاع مل جاتی ہے مگر پاکستان کے بڑے بڑے شہروں کی ہڑتال اور روزمرہ کی دہشت گردی نظر نہیں آتی۔ خبر نامہ وزیر اعظم اور وزرا نامہ بن چکا ہے اور ایسا منظر پیش کرتا ہے جیسے پاکستان میں امن ہی امن ہے' مہنگائی نام کی کوئی شے نہیں کوئی مسئلہ کوئی پریشانی نہیں اور عوام چین کی بانسری بجا رہے ہیں۔

جناب وزیر اعظم صاحب قوم کو مزید کسی امتحان میں نہ ڈالیں' خیرات اور خود انحصاری اپنے گھر سے شروع ہوتی ہے تب جا کر لوگ اس کی تقلید کرتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ بنے تو انہوں نے سب سے پہلے اپنا تمام مال و اسباب بیت المال میں جمع کرایا اور اپنی بیوی سے کہا کہ تم بھی اپنا تمام سونا زیورات اور قیمتی تحائف بیت المال میں جمع کرا دو۔ بیوی نے کہا' یہ سونا اور زیورات میرے ماں باپ نے مجھے دیئے تھے' میں کیوں بیت المال میں جمع کرواؤں' تو عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ خلیفہ اور یہ سونا ایک گھر میں نہیں رہ سکتے' خلیفہ یا سونے میں سے کسی ایک کو منتخب کر لو چنانچہ ان کی بیگم نے تمام سونا اور تحائف خلیفہ کے آگے لا کر ڈال دیئے اور کہا کہ شوہر سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے اور بقایا تمام زندگی سادگی اور بیت المال کے معمولی وظیفہ پر گزار دی۔ یہ وہ خلیفہ تھے جو اس منصب پر فائز ہونے سے پہلے جو کپڑے صبح پہنتے تھے وہ دوپہر کو نہیں پہنتے تھے اور جو شام کو پہنتے تھے۔ وہ دوسرے دن نہیں پہنتے تھے خوشبوؤں اور عطریات کے اتنے دلدادہ کہ دنیا بھر کے قیمتی سے قیمتی عطر استعمال کرتے تھے مگر خلیفہ

بننے سے مرنے تک انہوں نے سادگی سے زندگی گزاری اور تاریخ میں عمر ثانی کا لقب پایا۔ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ وزیر اعظم بننے کے بعد آپ نے فرمایا تھا کہ میری مختصر سی کابینہ ہو گی اور سادگی اپنائی جائے گی آج وزیروں کی ریل پیل ہے اور ہر روز اس میں اضافہ ہو رہا ہے اور اس کا تمام بوجھ عوام پر پڑ رہا ہے اتنا بوجھ نہ ڈالیں کہ درخت ہی ٹوٹ جائے۔ اگر خدانخواستہ یہ درخت ٹوٹا تو آشیانے کے لیے کوئی اور جگہ نہ مل سکے گی۔

امریکن سنڈیاں

پاکستان میں چند سال پہلے تک امریکہ کی شہرت ڈالر، گرین کارڈ اور امریکن سنڈیوں کی وجہ سے تھی۔ کیونکہ تقریباً ہر پاکستانی امریکی ڈالر اور گرین کارڈ حاصل کرنے کی خواہش دل میں رکھتا تھا اور جو لوگ گرین کارڈ حاصل کر لیتے تھے انہیں دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھا جاتا تھا یہاں تک کہ اس کے عزیز، رشتہ دار، دوست اور دشمن اس سے پوچھتے تھے کہ بھائی تم نے گرین کارڈ کیسے حاصل کیا۔ اور جتنی رقم چاہو لے لو مگر ہم کو بھی کسی طرح امریکی گرین کارڈ دلوا دو کیونکہ گرین کارڈ ملنے کے بعد خاندان بھر میں اس کا نام سب سے اونچا ہو جاتا تھا اور جب بھی گرین کارڈ ہولڈر کا رشتہ مانگا جاتا تھا تو خاندانی پس منظر، ذات پات تعلیم وغیرہ بتانے کے بجائے صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہوتا تھا کہ لڑکا امریکہ میں رہتا ہے اور گرین کارڈ ہولڈر ہے۔ اور فٹافٹ چٹ منگنی اور پٹ بیاہ ہو جاتا تھا اور پھر لڑکی والے محلّہ بھر میں مشہور کر دیتے تھے کہ ان کا داماد گرین کارڈ ہولڈر ہے اور ان کی لڑکی جلد ہی امریکہ چلی جائے گی اور پھر آہستہ آہستہ تمام خاندان امریکہ سیٹل ہو جاتا تھا اور پاکستان میں امریکی ڈالروں کی ریل پیل رہتی تھی۔

امریکہ کی تیسری وجہ شہرت امریکن سنڈیوں کی پاکستان میں موجودگی تھی۔ یہ سنڈیاں ہماری کپاس کی شوقین تھیں، جس طرح ہم گرین کارڈ اور امریکی شہریت کے شوقین تھے یہ امریکن سنڈیاں ہر

سال ہماری کپاس کی فصل پر حملہ آور ہوتی تھیں اور اپنی قیمتی فصل کو ان سے بچانے کے لئے پاکستان کو کروڑوں روپے کی دوائیاں درآمد کرنا پڑتی تھیں۔ پھر بھی کاشتکار ان سے ہمیشہ خوف زدہ رہتا تھا۔ مگر جب سے کلنٹن امریکہ کے صدر منتخب ہوئے ہیں جان ایف کینیڈی کے قتل کے بعد یہ پہلے نوجوان امریکی صدر ہیں جن پر خواتین زیادہ مہربان ہوئیں اور انہیں دو مرتبہ صدر منتخب کروا دیا، مگر برا ہو امریکن سنڈیوں کا گزشتہ ۷ ماہ کے دوران ان پر یکے بعد دیگرے حملہ آور ہوئیں پہلی سنڈی سے جان چھڑانے میں انہیں کئی ماہ لگے پھر دوسری سنڈی "مونیکا" کا حملہ کام کر گیا۔ پہلے تو اس نے دبے دبے لفظوں میں کہنا شروع کیا کہ اس کے جناب کلنٹن صاحب کے ساتھ تعلقات رہے ہیں، جب وہ وائٹ ہاؤس میں جاب کرتی تھی۔ لوگوں کو یقین نہیں آیا کہ ان کا صدر ایسا بھی کر سکتا ہے کیونکہ اس نے یہ بات چار سال بعد اخبارات کو بتائی۔ کسی نے یقین کیا کسی نے نہیں کیا مگر وہ ڈٹی رہی۔ اگر ہمارے ملک میں ایسا ہوتا تو اول تو کوئی نہیں مانتا کہ چار سال تک وہ کیوں خاموش رہی۔ یا پھر اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جاتا۔ مگر امریکہ میں سب کو آزادی ہے وہاں جمہوریت ہے اس لئے عدالت کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ پھر چار سال کے بعد ثبوت فراہم کرنا ناممکن تھا، لہٰذا امریکی صدر ڈٹے رہے کہ میرا مونیکا سے کبھی کوئی ناجائز تعلق نہیں رہا۔ دنیا بھر کے اخبارات، رسالے اور ٹیلی ویژن سے ہر روز کلنٹن اور مونیکا کا کوئی نہ کوئی چٹخارے دار بیان آجاتا۔ پاکستان میں بھی امریکہ کی شہرت امریکی صدر کے اسکینڈل کی وجہ سے بڑھتی رہی، شام کے اخبارات کے ہاتھ جب کوئی خاص خبر نہیں آتی تو صدر کلنٹن کے حوالے سے مونیکا کا کسی نئے پوز کے ساتھ بیان جلی سرخیوں سے شائع کر کے قارئین کو گرما دیا جاتا۔ مگر برا ہو آزاد وکیل کینتھ اسٹار کا جس نے چار سال تک امریکی صدر کے بارے میں تمام معلومات جمع کر کے ایک مرتبہ پھر اس مقدمہ میں جان ڈال دی اور مونیکا کو گرینڈ جیوری کے سامنے پیش کرا دیا۔ مونیکا نے گرینڈ جیوری کو بتایا کہ اس کے صدر کلنٹن کے ساتھ ۱۹۹۳ء میں سات ماہ تک خوشگوار تعلقات رہے۔ جب کلنٹن کو گرینڈ جیوری نے طلب کیا تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ انہوں نے بادل ناخواستہ ان تعلقات کو تسلیم کر لیا اور اپنے پہلے دیئے گئے بیانات کو جھوٹ قرار دیکر اپنی بیوی بیٹی اور قوم سے معافی مانگی اور لمبی چھٹی پر روانہ ہو گئے۔ جس دن انہوں نے گرینڈ جیوری سے اپنے گناہ کا اقرار کیا ٹھیک اسی دن ایک اور خاتون نے ان کے خلاف عدالت میں بیان دیا کہ ان کے بھی کلنٹن

صاحب کے ساتھ تعلقات رہے ہیں جب وہ کالج میں کلنٹن صاحب کے ساتھ پڑھتی تھیں۔اب دیکھنا یہ ہے کہ اور کتنی سنڈیاں ان پر حملہ آور ہوتی ہیں اور امریکی صدر سابق صدر نکسن کی طرح اقتدار سے دستبردار ہوتے ہیں یا پھر ڈٹے رہتے ہیں۔یا اپنے آپ کو بچانے کے لئے کوئی اور کھیل کھیلتے ہیں۔میرے خیال میں امریکیوں نے اپنے جھوٹے صدر کو کبھی معاف نہیں کیا۔اگر ایک مرتبہ بھی ایسا کیا تو انہیں پھر کبھی سچا صدر نہیں ملے گا۔

کاش ہمارے حکمران بھی اس سے سبق حاصل کریں اور سچ سچ بتادیں کہ کس کس نے کتنا قوم کا مال لوٹا ہے۔عدالتوں میں جانے کے بجائے قوم کو گرینڈ جیوری سمجھ کر لوٹا ہوا مال قوم کو لوٹا دیں تو شاید قوم معاف کردے۔

آخری مشورہ پانچسو ڈالر پلیز

پاکستان نے جب سے ایٹمی دھماکہ کیا ہے قوم بری طرح امتحان میں پڑ گئی ہے۔ہر شخص اپنی جگہ پریشان ہے کاروباری طبقے کو جی ایس ٹی میں الجھایا ہوا ہے' عام شہری مہنگائی سے بیزار ہے' گیس بجلی اور پانی کے محکمے والے خواہ انہوں نے سال بھر پانی اور بجلی فراہم کی ہو یا لوڈ شیڈنگ کر کے عوام کی زندگی کو عذاب میں ڈال دیا ہو' بڑے بڑے بل بنا کر سب کو خوفزدہ کئے ہوئے ہیں' صنعتوں کی دھڑا دھڑ بجلیاں کاٹی جارہی ہیں ایک تو کاروبار مندا اوپر سے ڈالر کی شرح میں روز کا اضافہ عوام اور کاروباری طبقے کے لئے عذاب بنا ہوا ہے۔حکومت کی نام نہاد آفیشل ڈالر کی شرح ۴۷ روپے ہے مگر کوئی L/C نہیں کھولی جارہی ہے۔بینک کے دام ۵۰ روپے ہیں' بینک ۳۰ فیصد نقد اور ۷۰ فیصد گارنٹی کے ساتھ اگر کراچی مال پہنچنے کے دن حکومت پاکستان کے پاس ڈالر نہ ہوا تو بازار سے خرید کر بینک کو دینے کا پابند کردیا گیا ہے' دوسری طرف بازار میں ڈالر ۶۱ روپے تک پہنچ چکا ہے اور مال پہنچتے پہنچتے نہ جانے کیا دام ہوں گے۔

قوم یہ جاننا چاہتی ہے کہ ہندوستان نے بھی تو ہم سے پہلے دھماکہ کیا اس وقت پاکستان اور ہندوستان میں ڈالر کا فرق صرف پانچ روپے کا تھا اب ہندوستان میں تو ڈالر کی وہی شرح ہے کوئی افراتفری نہیں ہے تو ہمارے ہاں ۲۰ روپے کا فرق کیسے آیا کیونکہ ابھی تک کسی بھی غیر ملکی ادارے کی کوئی اقتصادی پابندی نہ تو ہندوستان پر لگی اور نہ ہی پاکستان پر لگی ہے مگر ایسا لگتا ہے کہ اسٹیٹ بینک اور

نامعلوم ادارے افواہیں پھیلا کر روز ڈالر کو مضبوط سے مضبوط تر کر رہے ہیں۔پاکستان سے باہر رہنے والے اگر آفیشل ڈالر پاکستان بھیجیں تو ان کو ۴۶ روپے ملتے ہیں اگر ہنڈی سے بھیجیں تو ۶۰ روپے ملتے ہیں' پھر کون بھلا ۱۴ روپے فی ڈالر نقصان اٹھائے گا۔

ہمارے ایک دوست ۲۵ سال سے دبئی میں سروس کرتے تھے۔ایک دن وہ مجھ سے ملنے آئے تو بہت پریشان دکھائی دیتے تھے۔میں نے پوچھا کیا بات ہے' آپ جب بھی پاکستان آتے تھے تو بڑے خوش نظر آتے تھے۔اس دفعہ آپ بڑے اداس اداس لگ رہے ہیں۔کہنے لگے ہم تو مسلمان اور پاکستانی ہونے پر دو دفعہ اپنی جمع پونجی لٹا بیٹھے ہیں' پہلے ہم اپنی بچت بی سی سی آئی میں جمع کراتے تھے' دس سال پہلے یہودیوں نے اس بینک کو دیوالیہ کروادیا اور ہماری ساری رقم' جو پندرہ سال میں قطرہ قطرہ جمع کی تھی۔ ایک رات میں ڈوب گئی پھر ہم نے گزشتہ دس سال سے یو اے ای میں پاکستانی بینک سے درہم کے بدلے ایف آئی بی سی سرٹیفکیٹ لے کر اپنی بچت شروع کی تاکہ جب ریٹائرمنٹ ہوگا تو ہمارے پاس یہ سرٹیفکیٹ ہیں ان کو کیش کرا کے پاکستان چلے جائیں گے۔اب وہ دسمبر میں ریٹائر ہو جائیں گے مگر جب وہ یہ سرٹیفکیٹ لے کر بینک گئے تو بینک والوں نے کہا کہ ہم اس کے بدلے پاکستانی روپے دے سکتے ہیں۔ وہ بھی ۴۶ روپے فی ڈالر کے حساب سے۔انہوں نے کہا کہ بھائی میں نے درہم میں رقم جمع کروائی تھی یہ دبئی ہے یہاں روپے نہیں چلتے۔میرا کیا قصور ہے' میں نے پاکستان سے محبت کی تھی اگر میں چاہتا تو کسی بھی غیر ملکی بینک میں رقم جمع کروا کے آج واپس درہم یا ڈالر لے لیتا مگر پاکستانی بینکر نے درہم واپس کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ پاکستان کی حکومت نے سرکلر بھیج دیا ہے کہ پاکستانی ایف آئی بی سی سرٹیفکیٹ کے بدلے صرف پاکستانی کرنسی مل سکتی ہے۔اس طرح لاکھوں پاکستانی اپنی اپنی غیر ملکی کرنسیاں کھو چکے ہیں۔اب کون حکومت پاکستان پر اعتماد کرے گا اور یہی وجہ ہے کہ ہم آئی ایم ایف سے قسط ادا کرنے کے باوجود دو ماہ گزرنے کے بعد بھی نیا قرضہ نہیں لے سکے ہیں۔اگر ہم نے ستمبر تک تیسری قسط ادا نہیں کی تو ہم ڈیفالٹر قرار دیئے جائیں گے' تو نہ جانے ڈالر کہاں سے کہاں پہنچے گا۔میں نے ۲۸ مئی سے اپنے کئی کالموں میں اس المیہ کا ذکر کیا ہے اور آج پھر آخری مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ خدارا اپنی پالیسیوں پر نظر ثانی کریں۔ڈالر کو ڈی کنٹرول کر دیں عام مارکیٹ میں ڈالر کو کھلا چھوڑ دیں'

غیر ضروری اشیا کی امپورٹ پر مکمل پابندی لگا دیں صرف خام مال اور ادویات' جو پاکستان میں نہیں بنتیں اس کے علاوہ کسی بھی درآمد کی اجازت نہیں دیں۔برآمد کنندگان کو بھی ڈالر کھلی مارکیٹ میں خریدنے اور بیچنے کی اجازت دیں جو اکاؤنٹ منجمد کیے گئے ہیں ان کو اگر آپ ڈالر نہیں دے سکتے تو کھلی مارکیٹ کے داموں میں ان کی رقم بینک پاکستانی روپے میں دے دیں افغانستان کو بھی غیر ضروری اشیا کی امپورٹ کی اجازت نہ دیں کیونکہ یہ غیر ضروری اشیا افغانستان کے نام پر پاکستان کی منڈی میں کھلے عام بک رہی ہیں۔ اسمگلنگ اور تمام باڑہ مارکیٹوں کو فوری طور پر بند کر دیں اور اسمگلروں کو عبرتناک سزائیں دیں۔یہ تمام انقلابی اقدامات کریں قوم کو اعتماد میں لیں اور کھل کر اپنی غلطیاں تسلیم کریں۔اس وقت تقریباً ۵۰ لاکھ پاکستانی غیر ممالک میں کام کر رہے ہیں آپ ان سے پاکستان کی بقا کے لئے اپیل کریں کہ ہر پاکستانی صرف پانچ سو ڈالر پاکستان اپنے کسی بھی عزیز کو بھیج دے' اس طرح ۲۵ بلین ڈالر جمع ہو جائیں گے اور آپ ان کو کھلی مارکیٹ ریٹ پر پاکستانی روپے میں پیسے دیکر آئی ایم ایف کے کل ۲۵ بلین ڈالر ادا کر کے تمام قرضے بے باق کر دیں اور قوم کو مقروض زندگی سے نجات دلا دیں انشاءاللہ یہ محبِ وطن پاکستانی اپنی قوم کو یہود اور نصاریٰ کی حکمرانی سے نجات دلا دیں گے اور ان لوگوں کو بے نقاب کریں جو ملک کے اربوں روپے کھائے بیٹھے ہیں' اگر ایسا نہیں کیا گیا تو پھر آپ ستمبر کے بجائے کسی ستمگر کا انتظار کریں کیونکہ قوم اب کسی بھی مزید قربانی کے لئے تیار نہیں ہے اور مکافاتِ عمل سے آج تک کوئی نہیں بچ سکا ہے البتہ قدرت کے ہاں دیر ہوتی ہے مگر اندھیر نہیں ہوتی اور میرے خیال میں اب کافی دیر بھی ہو چکی ہے اور قوم بھی اس بھاری مینڈیٹ سے بیزار ہو چکی ہے۔

جانوروں کی انسانوں سے فریاد

ایک سال بعد بیسویں صدی ختم ہو رہی ہے اور اکیسویں صدی شروع ہونے کو ہے۔ جنگل کے تمام جانور چرند پرند رات کے اندھیرے میں اپنے بادشاہ کے ارد گرد جمع ہو کر آنے والی صدی کے استقبال کی تیاری میں مصروف ہیں۔ یہ مجمع ہر سو سال کے بعد لگتا ہے تا کہ تمام جانور اپنی اپنی شکایتیں اور تکالیف اپنے بادشاہ کو بتا سکیں اور اس طرح بادشاہ اپنے مشیروں سے مشورہ کر کے ان کا تدارک کر سکے۔ اس دفعہ تمام جانوروں کو انسانوں سے شکایت ہے کہ پہلے تو یہ بتایا جائے کہ انسان جو اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کہتا ہے تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود آج ہم جانوروں سے بھی بدتر ہو چکا ہے۔ کیونکہ پہلے وہ جنگل میں گھس کر ہم جانوروں کو مار ڈالتا تھا مگر آج اپنے ہی شہر میں اپنے ہی بھائی کو مارنے پر تلا ہوا ہے لہٰذا اب وہ ہم سے بھی گیا گزرا ہو چکا ہے باوجود اس کے کہ ہم جانور تعلیم سے اب بھی بہت دور ہیں مگر پھر بھی ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں۔

انسانوں سے بہتر ہونے کی بہت سی دلیلیں دی گئیں مثلاً جانوروں نے متفقہ طور پر کہا کہ ہر مخلوق اپنے سے بہتر مخلوق سے متاثر ہو کر ان کے نام رکھتی ہے مگر آج تک کسی جانور نے خود کو انسان کہلانا پسند نہیں کیا بلکہ انسانوں نے ان کے نام اپنائے' مثلاً ہمارے جنگل کے بادشاہ کا نام سب سے زیادہ بہادر انسان اپنا کر فخر محسوس کرتا ہے مثلاً وہاں کوئی شیر پنجاب ہے تو کوئی شیر پاکستان ہے۔ اس موقع پر سب سے

زیادہ احتجاج شیر کی مشیر اول لومڑی نے کیا۔ لومڑی کا کہنا تھا کہ میرے مشورے ماننے سے جنگل میں امن ہے اور میں شیر کو صحیح صحیح مشورے دیتی ہوں مگر انسان جو خود مکر و فریب کی سیاست کرتا ہے تو اس کا نام میرے نام سے منسوب کر دیا جاتا ہے اور اس سے میرا نام بدنام ہوتا ہے۔ ابھی یہ شکایتیں جاری تھیں کہ الو جو ابھی تک درخت پر بیٹھا سب کی باتیں سن رہا تھا' نیچے آیا اور کہا کہ انسانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ مجھ جیسے حقیر فقیر کو بھی معاف نہیں کیا اور جو منحوس ہو اس کو میرا نام دے دیا جاتا ہے۔ وہ تو بھلا ہو مغربی ممالک کا کہ انہوں نے میرے نام کو عقلمندوں سے منسوب کر کے میرے لیے اطمینان کا سامان کر دیا ورنہ میں تو کب کا خودکشی کر چکا ہوتا۔ اس موقع پر یکایک گدھا کھڑا ہوا اس نے کہا کہ میں نے ہمیشہ جنگل کے مفاد میں کام کیا مگر انسانوں نے میرا نام احمقوں کی فہرست میں شامل کر کے میری بے عزتی کی ہے۔ میں مروت اور خاموشی سے انسانوں کے کام آتا ہوں مگر میری عزت خاک میں مل رہی ہے لہٰذا انسانوں کو اس عمل سے روکا جائے اور میری طرح بے لوث ایک دوسرے کے کام آنے کی روش اختیار کی جائے اور گدھا کہہ کر اپنے ہی بھائی کو شرمندہ کرنے کی روایت اب ختم ہو جانی چاہئے۔

ابھی گدھا شکایت سیل میں اپنی شکایت نوٹ کرا کے بیٹھا ہی تھا کہ کتے نے زور زور سے بھونکنا شروع کر دیا کہ انسان کو کیا حق پہنچتا ہے کہ مجھ جیسے وفادار جانور کے نام کو ایک گالی بنا کر رکھ دیا جائے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ انسان ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری کریں' جیسا کہ میں اپنے جنگل اور ساتھیوں کے ساتھ وفادار ہوں' اس کے برعکس جو انسان بے وفائی' غداری اور مکاری کرتا ہے اس کا نام بڑی حقارت سے کتا رکھ دیا جاتا ہے۔ یہ میرے ساتھ بے انصافی ہے۔ اتنا کہہ کر کتے نے پھر بھونکنا شروع کر دیا جس کو روکنے کے لئے سور جو بہت پہلے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا یکدم اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ میں تمام دنیا میں مرغوب گوشت کی وجہ سے مشہور ہوں' غیر مسلم میرا گوشت کھا کر میری نسل ختم کرنا چاہتے ہیں مگر مسلمانوں نے مجھے نسل کشی سے بچا رکھا ہے اور یہ میرا گوشت تو نہیں کھاتے مگر میرے نام کو دونوں ہی اتنی نفرت اور کراہیت کے ساتھ لیتے ہیں کہ مجھے بتاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ جناب والا کم از کم غیر مسلموں کو تو زیب نہیں دیتا کہ ایک طرف تو میرا گوشت مزے لے لے کر کھاتے ہیں اور دوسری طرف خاص طور پر امریکن ہر دوسرا جملہ میرے اور میرے آباؤ اجداد کے نام

سے شروع یا ختم کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ یا تو میرا گوشت نہ کھائیں یا پھر میرا نام اپنے نام کی طرح احترام سے لیں کیونکہ مجھ سے زیادہ غلط کام تو ان کے صدر نے کئے۔ انہوں نے اپنے صدر کو کچھ نہیں کہا بلکہ ہمارے ہی نام کا سہارا لے کر اپنا غم و غصہ ٹھنڈا کر لیا اگر ان امریکیوں کو نہیں روکا گیا ہم بھی ان کے صدر کا نام رکھنے لگیں گے اور پھر دیکھنا کہ کیسی قیامت آجائے گی۔

گیدڑ سور کے دلائل سن کر کھڑا ہوا اس کو شکایت تھی کہ جو انسان ڈرپوک اور بزدل ہو اس کا نام میرے نام سے منسوب کر دیا جاتا ہے حالانکہ میں بہادر اور دلیر ہوں جبھی شہر کا رخ کرتا ہوں اور جب بھی خیر سگالی کے لئے جنگل سے شہر جاتا ہوں تو واپسی تقریباً ناممکن ہوتی ہے میرا اہم مطالبہ ہے کہ میری امن پسندی کو بزدلی کا نام نہ دیا جائے اور میرے نام کے غلط استعمال کو روکا جائے۔

طوطے میاں سے نہ رہا گیا۔ کہنے لگے' میں ایک چھوٹا سا خوبصورت پرندہ ہوں' اپنی طوطی سے وفادار ہوں مگر مجھے بھی انسانوں نے بے وفا مشہور کر رکھا ہے۔ مجھے بتایا جائے کہ کتنے انسان مرد اپنی اپنی بیویوں سے وفادار ہیں۔ بخدا میں نے تو انسانوں کے ہاتھوں ساری کی ساری زندگی اپنی طوطی کے ساتھ ایک معمولی پنجرے میں گزار دی مگر میں نے اپنی آنکھوں سے اسی چھوٹے پنجرے میں رہ کر دیکھا کہ انسان عالیشان کوٹھیوں میں رہنے کے باوجود اپنی بیویوں سے مسلسل بے وفائیاں کرتا رہا مگر نام میرا بدنام کرتا رہا اور بے وفا انسان کو طوطا چشم کہہ کر اپنی بھڑاس نکالتا رہا۔ اب بتاؤ کہ میں بے وفا ہوں یا یہ کم بخت انسان چشم کہیں کا۔ انسانوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے سانپ نے شکایت کی کہ مجھے بھی انسان اچھے نام سے نہیں پکارتا حالانکہ میں کم از کم اپنے بل میں تو سیدھا داخل ہوتا ہوں اور اپنے ساتھیوں کا وفادار ہوں مگر یہ انسان خود غلط کام کرتا ہے' اپنے ہی ساتھیوں کو ڈسنے کے لئے تیار رہتا ہے حتیٰ کہ خود جب چاہے کسی کے گھر میں داخل ہو کر اس کو نقصان پہنچاتا ہے اور نام میرا بدنام کرتا ہے لہٰذا اس کو روکا جائے ابھی یہ شکایتیں جاری تھیں اور بہت سے اور جانور بھی غصے میں بھرے بیٹھے تھے کہ سورج طلوع ہونے لگا' جنگل میں صبح کا اجالا پھیلنا شروع ہو گیا اور دور سے انسانوں کی باتیں کرنے کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں تو جنگل کے بادشاہ نے اپنے مشیروں سے مشورہ کر کے اجلاس برخاست کرنے کا حکم دیا کیونکہ ان کو جن سے شکایتیں تھیں ان کی آوازیں قریب سے قریب تر ہو رہی تھیں اور خدشہ تھا کہ یہ

انسان جو شہروں میں بھی پرامن نہیں رہے کہیں جنگل میں بھی ان جانوروں کے امن کو تہ و بالا نہ کر دیں۔ لہٰذا تمام جانور خاموشی سے اپنی اپنی پناہ گاہوں کی طرف روانہ ہو گئے اور فیصلہ انسانوں پر چھوڑ گئے کہ آنے والی صدی کا وہ کیسے استقبال کرتے ہیں۔ البتہ ان کی یہ فریاد تھی کہ خدارا اپنے عیبوں کو ہمارے سر نہ ڈالیں اور ہمیں بدنام نہ کریں۔

جناب صدر ایک نظر ادھر بھی

آج کل پندرہویں ترمیم پر زبردست بحث جاری ہے اور تمام اخبارات کے کالم مخالفت اور موافقت میں بھرے پڑے ہیں۔ مجھ سے میرے دوستوں نے پوچھا کہ سب نے اپنی اپنی رائے دی اور بڑے بڑے کالم لکھے مگر تم نے نہ کوئی کالم لکھا اور نہ ہی کوئی رائے ظاہر کی اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے پوچھا کہ پندرہویں ترمیم سے مہنگائی ختم ہو سکتی ہے' کیا کراچی اور دیگر شہروں میں دہشت گردی ختم ہو سکتی ہے کیا کراچی میں امن قائم ہو سکتا ہے؟ انہوں نے کہا' یہ تو نہیں ہو سکتا البتہ وزیراعظم کا مرتبہ بلند ہو گا اور وہ سادہ سی اکثریت کے بل بوتے پر اپنی ہر بات منوا سکتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ پھر میرے عوام کا جب کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا تو میں اس پر اپنا وقت کیوں ضائع کروں۔ میں تو صرف اور صرف عوام کے مسائل پر کالم لکھتا ہوں کہ خدارا حزب اختلاف اور حزب اقتدار آپس میں رسہ کشی کے بجائے عوام کے مسائل پر توجہ دیں کیونکہ وزیراعظم نواز شریف کو عوام نے اپنے مسائل حل کرنے کے لئے مینڈیٹ دیا تھا نہ کہ اپنے اقتدار کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کے لئے دیا تھا۔

میں نے اپنے پچھلے کالموں میں وزیراعظم جناب نواز شریف صاحب کی توجہ بار بار کراچی کے لاء اینڈ آرڈر کی طرف مبذول کرائی کہ وزیراعلیٰ سندھ کراچی میں دہشت گردی روکنے میں بری طرح ناکام ہو چکے ہیں' آپ اپنی مصروفیات کو ترک کر کے کراچی تشریف لائیں اور کراچی کے عوام کو اس عذاب

سے نجات دلائیں مگر افسوس کا مقام ہے کہ وزیراعظم نے آج تک کراچی آنا گوارا نہیں کیا بلکہ اخبارات کے مطابق وزیراعظم کے دورے کو سیکورٹی رسک قرار دیدیا گیا ہے اور اس کے بعد وہ کراچی آنے کے وعدوں پر وعدے کر رہے ہیں بقول شاعر ؎

انہوں نے وعدہ کیا تھا پانچ دن بعد آنے کا
کسی سے یہ معلوم ہوا کہ زندگی تو چار دن کی ہے

آج میں اپنے اس کالم کے ذریعے صدر پاکستان کی توجہ چند اہم باتوں کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ سب کے علم میں ہے کہ کراچی پاکستان کی معیشت کا ستون ہے اور ہمارے دشمن اس ستون کو گرانا چاہتے ہیں کیونکہ کسی ملک کو تباہ کرنے کے لئے اس دور میں صرف معیشت کو تباہ کرنا ہی کافی ہوتا ہے۔ یہ جو عمل کراچی میں ایک عرصے سے منظم طریقے سے جاری ہے یعنی دہشت گردی اس کی وجہ سے ایک ایک ہفتہ مارکیٹیں بند رہتی ہیں' فیکٹریوں میں کام نہیں ہوتا۔ خوف اور دہشت کی وجہ سے اسٹاف اپنے گھروں سے نکلتے ہوئے ڈرتا ہے۔ صرف کراچی کے مضافات میں پانچ سے دس نوجوانوں کا قتل عام روز کا معمول بن چکا ہے۔ پولیس اور انتظامیہ بے بس ہے حتیٰ کہ لاشیں سڑکوں پر پڑی رہتی ہیں اور لوگوں کے پیارے ان کی آنکھوں کے سامنے مار دیئے جاتے ہیں مگر کوئی آگے بڑھ کر ان کو بچانے نہیں آتا۔ ماشاءاللہ آپ ایک دیانتدار شخص ہیں' اعلیٰ عدالت میں جج کے منصب پر فائز رہ چکے ہیں گویا دین اور قانون سے علم کے بخوبی واقفیت رکھتے ہیں اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہیں۔

کیا آپ کا یہ دینی' قومی' اخلاقی اور منصبی فریضہ نہیں کہ آپ کراچی آکر یہاں کے مظلوم لوگوں کی دادرسی کریں' انہیں قاتلوں کے پنجے سے نجات دلائیں جو گزشتہ ۱۵ برس سے کراچی کے شہریوں کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں اور کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ کیا آپ کو حضرت عمرؓ کی مثال یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ آپؓ راتوں کو پر تعیش خواب گاہوں میں نیند کے مزے لوٹنے کے بجائے۔ اپنے عوام کی تکالیف' مسائل اور پریشانیوں کے بارے میں جاننے کے لیے راتوں کو شہر کا گشت کرتے تھے اور جو معاملات آپ کے علم میں آتے ان کو فوری حل کرتے تھے۔ آپؓ کا کہنا تھا کہ اگر دریائے

فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مر گیا تو اس کا جوابدہ عمر ہو گا۔

آج دن دہاڑے مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل ہو رہا ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کیا روز قیامت آپ سے سوال نہیں ہو گا کہ پندرہویں ترمیم کے لئے تو آپ لوگوں کو اور علماء کو بلا کر ان سے مشاورت کر رہے تھے' مگر کراچی کے سنگین حالات کی طرف سے آپ نے مکمل آنکھیں بند رکھیں۔ کوئی حکم کوئی کارروائی تو کجا وزیراعظم سے تشویش تک کا اظہار نہیں کر سکے۔ کیا کراچی والے اس سوتیلی ماں جیسے سلوک کو بھول جائیں گے! میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ اپنا قیمتی وقت نکال کر کراچی تشریف لائیں اور دہشت گردی کو ختم کرائیں تاکہ کراچی کے پرامن شہری ناکردہ گناہوں کی سزا سے نجات حاصل کریں۔

دوسری اہم بات معیشت کے حوالے سے تاجروں کی بے چینی ہے جو سی بی آر نے جی ایس ٹی کی شکل میں مسلط کر دی ہے۔ تاجروں کو یہ خوش فہمی تھی کہ ان کا وزیراعظم چونکہ خود ایک تاجر اور صنعت کار ہے لہٰذا وہ ان کی حق تلفی نہیں ہونے دے گا۔ مگر اس دفعہ بجٹ میں زبردستی سی بی آر نے فلکسڈ ڈیوٹی کے بجائے جی ایس ٹی کا نفاذ کر دیا ہے اور تین ماہ سے یہ معاملہ تاجروں اور صنعتکاروں کو پریشان کیے ہوئے ہے اور آئے دن ہڑتالیں ہو رہی ہیں۔ آپ ان تاجروں اور صنعتکاروں کے نمائندوں اور سی بی آر کے افسران کو بلا کر اس تنازع کو حل کرائیں۔

تیسری اہم بات بینک ڈیفالٹر کی ہے چونکہ آئی ایم ایف کے مطابق وزیراعظم خود ۲۰۰ کروڑ ڈالر کے بینک کے مقروض ہیں لہٰذا اربوں روپے دوسرے نادہندگان سے وصول نہیں کر سکے ہیں اور یہ بات بھی عوام کو معلوم ہے کہ وزیراعظم کے علاوہ ان کے وزراء مشیر اور دوست احباب ان نادہندگان میں شامل ہیں اس لئے وزیراعظم ان پر سختی نہیں کر سکتے مگر بحیثیت صدر پاکستان آپ بلا امتیاز نادہندگان کے خلاف کارروائی کا حکم دیں اور ایماندار افسران' ریٹائرڈ جج اور ریٹائرڈ مسلح افواج کے افسران پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیں اور ان نادہندگان سے ایک ایک پائی وصول کر کے قومی خزانے میں جمع کرائیں۔

چوتھی اہم بات ڈالر اکاؤنٹ منجمد کرنے کی ہے۔ ۲۸ مئی کو ہنگامی حالات کا اعلان کر کے تمام

غیر ملکی اکاؤنٹس منجمد کر دیئے گئے۔ میں نے اور پاکستان کی تمام فیڈریشنوں اور چیمبروں کے نمائندوں نے بار بار اس طرف توجہ دلائی کہ دیار غیر میں رہنے والے پاکستانیوں کا کیا قصور تھا کہ انہوں نے پاکستان کے غیر ملکی ایف ای بی سی بانڈ غیر ملکی کرنسی میں خریدے اور اب ان کو پاکستانی روپے میں ادائیگی کی جا رہی ہے وہ بھی ۴۶ روپے کے حساب سے۔ اگر حکومت پاکستان کے پاس ڈالر نہیں ہیں تو کم از کم آج کی مارکیٹ کے دام ۶۲ روپے سے ادائیگی کی جائے تاکہ بداعتمادی کی فضا ختم ہو سکے اور پاکستانی پھر سے اپنے ڈالر عزیز و اقارب کو ہنڈی کے بجائے براہ راست پاکستانی بینکوں کے ذریعے بھیجیں کیونکہ ہنڈی اور بینکوں کے داموں میں ۱۶ روپے فی ڈالر کا فرق ہے جو معمولی نہیں ہے۔ حکومت پاکستان کو ہدایت کریں کہ منجمد اکاؤنٹ والوں کے ڈالر مارکیٹ کے دام تبدیل کریں۔

آخر میں سی بی آر کو ہدایت کریں کہ تنخواہ دار طبقے کے لئے ۵۰۰۰ کا بینک میں جو اکاؤنٹ لازمی قرار دیا ہے وہ واپس لیں اور ان پر انکم ٹیکس کو بھی ختم کریں کیونکہ ایک تو بار بار ان کو بینک جانا پڑے گا دوسرے اتنی چھوٹی سی رقم کے لئے بینک والے اکاؤنٹ کھولنے میں دلچسپی نہیں رکھتے خاص طور پر اس مہنگائی کے دور میں پانچ ہزار روپے ایک خاندان کے لئے ویسے بھی بہت کم ہیں کجا اس پر انکم ٹیکس ۲۵۰۰ سالانہ کہاں سے ادا کریں گے لہٰذا اس تنخواہ دار طبقہ کو' جس کی تعداد لاکھوں میں ہے اس پریشانی سے نجات دلوائیں اور انہیں ٹیکس اور اکاؤنٹ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ امید ہے ان گزارشات پر غور کرنے کی ضرورت محسوس کی جائے گی۔

ڈالر اور کرکٹ کی سٹہ بازی

گزشتہ ایک ہفتے سے مارکیٹ میں ڈالر ۶۴ روپے سے گر کر پہلی مرتبہ ۵۶ روپے تک آگیا ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ ڈالر روزانہ ایک روپے سے لے کر دو' دو روپے کیوں گر رہا ہے اور جب ڈالر ۵۶ روپے تک پہنچ گیا تو ہم نے سوچا کہ کرنسی کے ڈیلروں سے پوچھا جائے کہ راتوں رات پاکستان نے کون سا ایسا کارنامہ انجام دیا کہ ڈالر گر کر ۵۶ روپے کا ہو گیا تو پتہ چلا کہ یہ سب کارنامہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا ہے 'جو اب سرکلر بینک آف پاکستان بن کر رہ گیا ہے۔ اسٹیٹ بینک نے روزانہ کئی کئی سرکلر جاری کر کے اور منی چینجروں پر دباؤ ڈال کر کہ ان کا لائسنس منسوخ کر دیا جائے گا مصنوعی طریقہ سے ڈالر کو ۵۶ روپے تک گرا دیا۔ اب اگر آپ ڈالر خریدنے جائیں تو منی چینجر کہے گا کہ قیمت خرید پونے چھپن روپے اور قیمت فروخت ۵۶ روپے مگر ڈالر ہمارے پاس نہیں ہیں مگر دام ۵۶ روپے ہے 'اگر آپ نے بیچنا ہے تو ہم پونے چھپن میں خریدنے کے لئے تیار ہیں۔ ڈالر جو ۸ روپے گرا ہے اس لئے فروخت کرنے کے لئے کوئی بھی تیار نہیں ہے۔ دراصل یہ مصنوعی بحران منی چینجرز کا خود اپنا پیدا کردہ ہے کہ وہ روزانہ خود ہی آپس میں سٹہ بازی کر کے دام بڑھاتے بڑھاتے ۶۴ روپے تک لے گئے جب اسٹیٹ بینک نے بلا کر دھمکی دی کہ اگر ڈالر ۵۵۔۵۶ روپے تک واپس نہیں آیا تو تمام منی چینجرز کے لائسنس منسوخ کر دیئے

جائیں گے تو ان سٹہ بازوں نے اسٹیٹ بینک کو دکھانے کے لئے ڈالر ۵۶ روپے کا کر دیا۔ مگر اس کا کیا فائدہ جب ڈالر مارکیٹ میں مل ہی نہیں رہا ہے۔ عوام یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جب یہ سٹہ باز مصنوعی طریقے سے اور طرح طرح کی افواہیں پھیلا کر ڈالر کی قیمت آہستہ آہستہ روزانہ بڑھا رہے تھے تو اسی وقت اس کی روک تھام کیوں نہیں کی گئی۔ اب اس وقت جب اسٹیٹ بینک نے ایک روز قبل خود نرخ مقرر کرنے شروع کئے ہیں تو ان ہی منی چینجر حضرات نے ڈالر زیر زمین چھپا دیئے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ یہ اسٹیٹ بینک کا مقرر کردہ ریٹ (۵۶ روپے) ہے ہمارے پاس ڈالر ہو گا تب ہی ہم دیں گے ورنہ خود آپ اسٹیٹ بینک جا کر خرید لیں کیونکہ فی الوقت ہمارے پاس ڈالر دستیاب نہیں۔ اس طرح ایک اور مصنوعی بحران پیدا کیا جا رہا ہے جو پہلے والے بحران سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ گزشتہ سال جب انڈونیشیا میں ان کی کرنسی روپیہ بحران کا شکار ہوئی تو ایک ڈالر جو کہ عام طور پر ۲۲۰۰ روپے کا تھا راتوں رات ۱۶۰۰۰ تک یعنی تقریباً ۸ گنا بڑھ گیا تو انڈونیشیا میں تقریباً ۳۶۰۰ بینک دیوالیہ ہو گئے۔ اس کے پڑوسی ممالک کے تاجروں نے انڈونیشیا پہنچ کر تمام درآمد شدہ الیکٹرانک اشیاء خرید کر بڑے بڑے اسٹور خالی کر دیئے اور اس کے برعکس مقامی آدمی اس مہنگائی سے تنگ آ کر سڑکوں پر نکل آئے اور اس طرح ڈکٹیٹر سوہارتو کا تیس برس کا اقتدار ختم ہو گیا کیونکہ سوہارتو فیملی ملک کی ۶۰ فیصد دولت پر قابض تھی۔ اس وقت وہ انڈونیشیا سے فرار ہونا چاہتی ہے مگر ان کے بیرون ملک جانے پر پابندی لگی ہوئی ہے۔ اگر حالات پر کڑی نظر نہیں رکھی گئی اور سر تاج عزیز کی طرح بار بار غلطیاں دہرائی گئیں تو ڈالر کا بحران برسر اقتدار مسلم لیگ کے لئے خطرناک ہو گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ لوگ سڑکوں پر نکل آئیں اور پھر کوئی تیسری طاقت اقتدار پر قابض ہو جائے کیونکہ مہنگائی اپنے عروج پر ہے پاکستان کی برآمدات کم ہو گئی ہیں اور درآمدات کے لئے ڈالر مارکیٹ میں دستیاب نہیں ہے 'ڈالروں کے تین تین مختلف نرخ نافذ ہیں بجلی کے نرخ آسمان سے باتیں کر رہے ہیں اور کئی کئی دن صنعتی علاقوں میں بجلی کا بریک ڈاؤن ہونا ایک عام سی بات ہو گئی ہے بلکہ روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ ایکسپورٹر حضرات وقت پر شپمنٹ نہیں کر سکتے 'اس طرح معیشت تباہی کی طرف گامزن ہے لیکن کسی کو فکر نہیں۔ حزب اقتدار اور حزب اختلاف اسمبلیوں میں عوام کی بھلائی کے بجائے اقتدار کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ قومی اسمبلی ربراسٹامپ بن

کر رہ گئی ہے۔ خدارا ہوش کے ناخن لیں اور عوام کی پریشانیاں بڑھانے کے بجائے انہیں ختم کریں کیونکہ عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے' عوام جس چاہت کے ساتھ مسلم لیگ کو لائے تھے اب اسی نفرت سے اس سے جان چھڑانے کے درپے ہیں مگر ان کو فی الوقت کوئی متبادل نہیں مل رہا ہے جس پر وہ اعتبار کریں۔ اللہ خیر کرے مجھے عجیب سی سرگوشیاں سنائی دے رہی ہیں جیسے کوئی کہہ رہا ہو تیری بربادی کے چرچے ہیں آسمانوں میں۔

آج کل ڈالروں کی سٹہ بازی کی طرح ہماری کرکٹ ٹیم بھی گزشتہ کئی سال سے اس سٹہ بازی کا شکار ہے۔ سلیم ملک' اعجاز احمد اور وسیم اکرم پر میچ فکسنگ کے الزامات کی بوچھاڑ ہے کئی بورڈ تشکیل دیئے گئے ہر بورڈ الگ الگ اپنا راگ الاپ رہا ہے' کوئی کہتا ہے یہ کھلاڑی ملوث ہیں کوئی کہتا ہے کہ ہمارے پاس تو ثبوت نہیں ہیں کیونکہ یہ خفیہ ڈیل ہوتی ہے' اس کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا۔ لہٰذا فیصلہ ہو تو کیسے ہو۔ خاص طور پر کھلاڑیوں کو صفائی کا موقع دیئے بغیر ان پر الزامات لگانا یا ان کے خلاف فیصلہ یکطرفہ کارروائی کہلاتی ہے جس سے دنیا کی نظر میں انصاف مشکوک ہو جاتا ہے۔ اور اس سے ایک طرف تو کھلاڑیوں پر برا اثر پڑتا ہے تو دوسری طرف پاکستان کی بدنامی ہوتی ہے۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ بیان بازی اور الزامات کو ختم کر کے ان کھلاڑیوں کو معاف کر دیا جائے اور ساتھ ہی تنبیہہ کر دی جائے کہ اگر آئندہ اس قسم کے الزامات منظر عام پر آئے تو فوری طور پر کارروائی کر کے اس کا سدباب کیا جائے گا اور اس وقت صرف اور صرف ورلڈ کپ کی بھرپور تیاری کر کے ایک مرتبہ پھر پاکستان کا جھنڈا لہرا کر کرکٹ کے دشمنوں کا منہ بند کیا جائے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ انگریز ایشیائی ممالک کے ورلڈ کپ جیتنے کو اپنی ہتک سمجھتا ہے۔ انگریز سمجھتا تھا کہ چونکہ یہ کھیل اس کی ایجاد ہے چنانچہ اس کا تاج صرف اسی کے سر پر سجنا چاہئے۔ مگر جب پاکستان نے عمران خان کی کپتانی میں انگلستان کو شکست دے کر ورلڈ کپ جیتا تو ان کو بڑی ذلت کا سامنا کرنا پڑا تھا کیونکہ اس رات لندن کی سڑکوں پر ایشیائی باشندوں کا خوشی سے رقص کرتا ہوا ہجوم ان کی پیشانی پر بدنما داغ لگنے کے مترادف تھا۔ جس کا وہ بدلہ چکانے کے لئے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔ لہٰذا کرکٹ کے کرتا دھرتاؤں سے درخواست ہے کہ خدارا پاکستان کے کھلاڑیوں پر میچ فکسنگ اور اس پر ہونے والی کارروائیوں کو ختم کر کے ان پر سے دباؤ ختم کر کے ان کو

کھلے دل سے میدان میں جوہر دکھانے دیں تاکہ ورلڈ کپ جیت کر دشمنوں کے عزائم خاک میں ملا دیں۔ کیونکہ قوم ان کو ایک مرتبہ پھر اسی فارم میں دیکھنا چاہتی ہے جو انگلستان میں عمران خان کے وقت تھی اب جاوید میانداد کی رہنمائی میں یہ خواب پھر شرمندہ تعبیر ہونے کو ہے لہٰذا اس میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالیں۔

مسٹر ہینڈسم

اس ہفتے سی این این پر امریکی صدر بل کلنٹن کے گرانڈ جیوری کے سامنے پیش ہونے کی مکمل فلم دکھائی گئی۔ یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی امریکی صدر ہیں جن کا رعب اور دبدبہ پوری دنیا میں ہے جن کے ایک حکم پر افغانستان اور سوڈان پر بغیر اعلان جنگ میزائل داغ دیئے گئے مگر اپنے ہی ملک میں اپنے عوام کے سامنے بے بسی اور معافی تلافی کے طلب گار بنے بار بار پانی پی رہے تھے اور اپنی قوم' بیوی' بیٹی اور مسمات مونیکا سے معافی مانگ رہے تھے۔ مگر ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جارہے تھے کہ میں بھی ایک عام امریکن کی طرح اپنی ذاتی زندگی میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔ میرا اور مونیکا کا معاملہ ذاتی معاملہ تھا اس میں دخل دینے کا کسی کو حق نہیں پہنچتا۔ امریکی قوم احتساب کے معاملے میں بالکل منفرد ہے پوری دنیا کے سامنے اس شیر کو چوہا بنا کر بٹھادیا اور جب سی این این سے یہ فلم دکھائی جارہی تھی تو قرآن پاک کے موتی جیسے سچے الفاظ کہ "ہم جس کو چاہتے ہیں عزت دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ذلت دیتے ہیں اور بے شک ہم ہر چیز پر قادر ہیں" رب جلیل کے یکتا طاقتور ہونے کا اعلان کررہے تھے اور سپر پاور کے صدر کو جس ذلت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اسے کوئی نہیں بھلا سکتا کہ امریکی صدر کو اپنے محبت نامہ میں مسٹر ہینڈسم لکھنے والی محبوبہ پانچ سال تک اس لباس کو سنبھال کر رکھے گی اور پھر پوری قوم کو بتائے گی کہ اس

کے اس ہینڈسم نے کیا کیا گل کھلائے۔ اس طرح پوری دنیا کے سامنے امریکی صدر کو ذلت اٹھانی پڑی۔

راقم الحروف نے امریکی صدر کے اس اعتراف سے پہلے اپنے کالم میں لکھا تھا کہ امریکی صدر کلنٹن کے مونیکا کے ساتھ اعتراف گناہ کے بعد آپ دیکھیں گے کہ اور بھی بہت سی دوسری امریکن سنڈیاں آئیں گی اور کہیں گی کہ ان کے بھی اس صدر کے ساتھ تعلقات رہے ہیں اور آپ نے دیکھا کہ سابقہ مس امریکا نے بھی اعتراف کیا کہ اس کے بھی صدر کلنٹن کے ساتھ ناجائز تعلقات رہے ہیں بلکہ آج کل امریکہ میں ایک لطیفہ بہت گردش کررہا ہے وہ یہ کہ ایک جریدے نے وہائٹ ہاؤس کی تقریبوں میں آنے والی خواتین کا سروے کیا۔ سوال یہ تھا کہ آیا وہ اپنے اس صدر کے ساتھ تعلقات رکھنا چاہتی ہیں' تو سروے میں پچاس فیصد خواتین نے کہا ہرگز نہیں ہرگز نہیں جبکہ ۲۵ فیصد خواتین نے کہا سوچیں گی اور ۲۵ فیصد خواتین نے کہا "کیا پھر سے" امریکن قوم پر یاد آیا کہ میں آج سے تقریباً ۲۵ سال پہلے نیویارک شہر کے ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا کہ شام چھ بجے اچانک پورے شہر کی بجلی چلی گئی۔ ہوٹل چونکہ شہر کے بیچ مین ہٹن میں واقع تھا تو میں نے سوچا چلو دیکھیں کہ بجلی کے چلے جانے سے شہر میں کیا فرق پڑتا ہے۔ میرا کمرہ ہوٹل کی سولہویں منزل پر تھا۔ کمرہ سے باہر آیا تو بجلی کے نہ ہونے کی وجہ سے لفٹ بند تھی اور فلور پر لوگ پریشان کھڑے باتیں کررہے تھے کیونکہ بجلی پہلی مرتبہ گئی تھی چنانچہ اس کا متبادل نظام یعنی جنریٹر سسٹم نہیں تھا لہٰذا سیڑھیوں سے اتر کر مین بازار میں آگیا تو دیکھا کہ پورا شہر عجیب منظر پیش کررہا تھا۔ لوگ اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر اسٹوروں اور دکانوں میں گھس کر جو بھی جس کے ہاتھ لگ رہا تھا لوٹ کر لے جارہے تھے دوکاندار حضرات چیخ چیخ کر پولیس کو طلب کررہے تھے ایک عجیب وغریب وحشت کا سماں تھا اس میں گورے کالے سب لگے ہوئے تھے نوجوان خواتین خوف سے ادھر سے ادھر بھاگ رہی تھیں اوباش نوجوان ان کے ساتھ دست درازی کررہے تھے۔ پولیس بے بس تھی۔ پورے شہر میں ہنگامی حالت کا اعلان کردیا گیا تھا فوج اس لوٹ مار کو اور بالخصوص خواتین کو بچانے کے لئے ہیلی کاپٹروں کے ذریعے شہر کے وسط میں داخل ہوگئی تھی چونکہ ٹریفک کا نظام درہم برہم ہوچکا تھا چنانچہ تمام راستے جام ہوچکے تھے شام کے چھ بجے تھے اس لئے ہر شخص اپنے اپنے گھر جانے کی کوشش کررہا تھا جس کی وجہ سے گاڑیوں کا ہجوم تھا اور پیدل چلنے والوں کے لئے بھی راستہ نہیں بچا تھا۔ اس دہشت ناک منظر کو دیکھ کر میں واپس اپنے کمرہ میں آگیا۔ سولہویں منزل پر ہونے کے باوجود لوگوں کی چیخ پکار ساری رات سنائی دیتی رہی۔ میں اس شور کی وجہ سے سو نہ سکا اور ہوٹل کی کھڑکی سے نیچے کا نظارہ دیکھتا رہا اگرچہ ہوٹل

کے مین دروازہ پر سیکورٹی کا عملہ پوری مستعدی کے ساتھ آنے والے مسافروں کے کارڈ دیکھ کر ہی اندر آنے دے رہا تھا مگر پھر بھی چونکہ میں واحد پاکستانی اس ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا لہٰذا ڈر کی وجہ سے بھی نیند میری آنکھوں سے دور تھی۔ بہر حال اللہ اللہ کر کے صبح ہوئی ناشتہ کے لئے پھر نیچے اترا تو ہوٹل میں کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا کیونکہ ہوٹل مین بازار میں ہونے کی وجہ سے لوگوں نے رات کو ہی تمام کھانا کھالیا تھا اور جو بچا وہ پیک کروا کر لے گئے تھے۔ جب ہوٹل سے باہر آیا تو آنکھوں کو یقین نہیں آیا کہ دکانوں کے تالے ٹوٹے پڑے تھے اور راتوں رات یہ امن اور جمہوریت کے دعویدار تمام دکانوں' ریستورانوں' کلبوں اور بار سے تمام سامان لوٹ کر لے گئے تھے۔ پولیس اور فوج کے جوان جگہ جگہ لٹا ہوا سامان لے جانے والوں کو پکڑ پکڑ کر گاڑی میں بٹھا رہے تھے۔ شہر اجڑ چکا تھا۔ جب بجلی بحال ہوئی اور ٹی وی لگایا تو پتہ چلا کہ اس بھیانک رات میں سینکڑوں خواتین کی عزتوں کو زبردستی تار تار کر دیا گیا تمام اسٹوروں سے قیمتی سامان جتنا جس کے ہاتھ لگا لوٹ لیا گیا تمام تھانے بھر گئے پھر ہنگامی طور پر اسکولوں کو تھانوں میں تبدیل کر دیا گیا اور ہزاروں امریکنوں کو گرفتار کر کے پولیس نے گھر گھر چھاپے مارے اور مال کو برآمد کرنا شروع کیا۔ سب سے دلچسپ منظر ٹی وی پر ایک کالے کا انٹرویو تھا وہ بلیک اینڈ وہائٹ ٹی وی رکھ کر رنگین ٹی وی لے جاتے ہوئے پکڑا گیا تھا جب اس سے پوچھا گیا کہ تم بلیک اینڈ وہائٹ ٹی وی واپس کیوں لائے۔ اس نے کہا کہ جب میں یہ بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی چرا کر گھر لے گیا تو میری بیوی نے مجھے بہت برا بھلا کہا اور مارا کہ تم نے بلیک اینڈ وہائٹ ٹی وی کیوں چوری کیا جاؤ واپس جاؤ اور اس کو رکھ کر رنگین ٹی وی لاؤ مگر میری بد قسمتی تھی کہ اس وقت تک پولیس حرکت میں آچکی تھی لہٰذا جب میں رنگین ٹی وی لے کر باہر نکل رہا تھا تو پولیس نے مجھے پکڑ لیا۔ اسی طرح ایک اور انٹرویو میں چور نے بتایا کہ میری زندگی میں پہلی بار بجلی گئی تھی تو میں نے سوچا کہ ایسا سنہری موقع پھر کبھی میری زندگی میں نہیں آئے گا لہٰذا میں نے بھرپور چوری کی مگر گھر جاتے ہوئے پولیس نے مجھے پکڑ لیا۔ ٹی وی پر اس وقت کے صدر نے اس بھیانک رات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس کلنک کے ٹیکے کو بھلانے اور مٹانے میں سو سال درکار ہوں گے اور جب بھی اس رات کا ذکر آئے گا تو قوم کا سر ندامت سے نہیں اٹھ سکے گا۔

میں آج بھی سوچتا ہوں کہ ایک میری غریب قوم ہے جو ہر رات بجلی آنے اور جانے کے تجربے سے گزرتی ہے مگر شاباش ہے کہ اس کے دل میں ایسے گھناؤنے اور مکروہ خیالات تک نہیں آئے اور ایک وہ قوم ہے جس کے پاس دولت' تعلیم' ہنر' شعور اور طاقت سب کچھ ہے مگر اخلاقیات میں میری

قوم کے سامنے صفر ہے اور یہ فرق صرف ایک رات میں ظاہر ہو گیا تو پھر اس کا صدر بھی تو ان ہی میں سے ہے۔ کیوں ہے نا مسٹر ہینڈسم؟

ارباب اقتدار کیلئے لمحہ فکریہ

میں نے گزشتہ کالموں میں حکومت کی توجہ معمول بن جانے والی لا قانونیت اور دہشت گردی کی طرف مبذول کرائی تھی کیونکہ اس وقت پاکستان کا ہر شہری اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتا ہے مگر افسوس کہ صاحب اقتدار اور صاحب اختلاف دونوں اس سنگین مسئلہ کو حل کرنے کے بجائے اقتدار کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ قومی اسمبلی اور دیگر پلیٹ فارموں سے ایک دوسرے پر کرپشن کے الزامات کی بھرمار ہے موجودہ حکومت کو دو سال پورے ہونے کو ہیں مگر آج تک احتساب بینچ اور دیگر عدالتوں سے کوئی بھی جرم ثابت نہیں ہو سکا ہے ۔ اخبارات کے کالم ان الزامات سے بھرے پڑے ہیں۔ کبھی کوئی خبر سوئٹزرلینڈ کے حوالے سے آتی ہے تو کبھی لندن اور فرانس کے حوالے سے بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوتی ہے اور پھر دونوں کی طرف سے تردید کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور پھر نئے نئے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ عوام ان سے بیزار ہو چکے ہیں وہ نہ تو حزب اقتدار پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ہی حزب اختلاف پر ان کا اعتماد باقی رہا ہے۔ رہی سہی کسر انتظامیہ پوری کر رہی ہے۔

اس وقت صوبہ سندھ بالخصوص کراچی کی صورتحال 'باوجود اس کے کہ وزیر اعلیٰ کو ایک بار پھر اعتماد کا ووٹ مل گیا ہے بدستور دگرگوں ہے۔ دہشت گردی اور لا قانونیت میں دن بہ دن اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ پہلے دو لسانی تنظیموں کے درمیان کشمکش میں کراچی کے نوجوانوں کا قتل عام ہو رہا تھا جس میں

معصوم شہری بھی مارے جا رہے تھے مگر اب ان تنظیموں کی طرف سے اس قتل عام میں کہا جا رہا ہے کہ حکومت کی مختلف ایجنسیاں بھی شامل ہیں چونکہ آج تک کوئی بھی مجرم موقع واردات پر نہیں پکڑا جا سکا اس لئے کوئی نہیں بتا سکتا کہ کون کون اس میں ملوث ہے کیونکہ قانون نافذ کرنے والے ادارے بے اثر ہو چکے ہیں اور موقع واردات پر موجود لوگ بھی کسی کے خلاف گواہی دینے کے لئے تیار نہیں ہیں انہیں معلوم ہے کہ یہ دہشت گرد عدالتوں سے چھوٹ جاتے ہیں اور جب یہ دہشت گرد چھوٹ کر آئیں گے تو اس معصوم شہری کا کیا بنے گا۔ اس سے کوئی واقف نہیں!

دوسری طرف دو مذہبی تنظیموں کے افراد دن دہاڑے قتل کئے جا رہے ہیں میری مراد سپاہ صحابہ اور سپاہ محمد سے ہے جن کے چیدہ چیدہ لوگوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے فرقہ وارانہ بنیادوں پر ہونے والا یہ "جہاد" بیشتر پنجاب اور سندھ میں ہو رہا ہے۔ جس میں عالم دین بھی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک مسلمان کا خون دوسرے مسلمان پر حرام قرار دیا ہے اور ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا کہ اس کائنات میں خانہ کعبہ کی حرمت سب سے افضل ہے مگر ایک مسلمان کے خون کی عظمت خانہ کعبہ سے بھی بڑھ کر ہے تو کیا وجہ ہے کہ دونوں مذہبی تنظیمیں اختلافات کو ختم کر کے ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے اس اذیت ناک باب کو ختم نہیں کرتیں میرے خیال میں درمیان میں کوئی خفیہ طاقت بھی اپنا کام کر رہی ہے اور جو نہیں چاہتی کہ اہل تشیع اور اہل سنت آپس میں مل جل کر رہیں۔ مگر وہ مسلمان کیسے ہیں جو غیروں کے بہکائے میں آکر اپنے بھائیوں کا گلا کاٹنے لگتے ہیں۔ خدارا اسلام کے نام پر یہ سلسلہ بند ہونا چاہئے۔ اگر یہ سلسلہ بند نہ ہوا تو مجھے ڈر ہے کہ ہمارے پڑوسی برادر ملک ایران سے ہمارے خوشگوار تعلقات جو ایک طرف افغانستان کی وجہ سے ناراضگی کی طرف جا رہے ہیں اس شیعہ سنی قتل عام پر خراب ہو سکتے ہیں۔ خود حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس کا سدباب کرے۔ دونوں طرف کے علماء اور مشائخ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے دونوں فریقوں کو احساس دلائے کہ اس میں نہ صرف دنیاوی نقصانات ہیں بلکہ آخرت میں بھی عذاب ہی عذاب ہے کیونکہ مرنے والا اور مارنے والا دونوں ہی کلمہ گو ہیں۔

کراچی ہی کے حوالے سے تیسری اہم بات سرکاری محکموں کے افسران کا قتل ہے جو اب ایک عام بات ہو چکی ہے صرف ایک ماہ میں چھ افسران قتل ہو چکے ہیں۔ اس سے ایک طرف تو سرکاری افسران اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں اور دوسری طرف ان دہشت گردوں کے حوصلے اور بڑھ رہے ہیں وہ

جب چاہتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں جا کر مار آتے ہیں حتیٰ کہ سرکاروں افسروں کو ان کے دفتروں اور گھروں کے سامنے دن دہاڑے بغیر کسی خوف کے گولیوں کا نشانہ بناتے ہیں اور پھر انتہائی اطمینان کے ساتھ جائے واردات سے چلے جاتے ہیں جو کہ ایک پوری منصوبہ بندی کے تحت ہی ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کوئی قاتل نہیں پکڑا گیا۔ اگر ایسا نہیں ہے تو بتایا جائے کہ جب سارے شہر میں رینجرز اور پولیس چوکیاں موجود ہیں تو کیا وجہ ہے کہ آج تک کوئی قاتل یا مجرم نہیں پکڑا جاسکا ہے اور یہ کہ جب لاقانونیت اسی طرح جاری رہنا ہے تو رینجرز کے شہروں میں رہنے کا کیا فائدہ ہے۔ پولیس کے موجودہ فرسودہ نظام کو ختم کر کے اسلام آباد کی طرح کراچی میں بھی میٹروپولیٹن پولیس کا نظام لانا چاہئے اور صرف کراچی کے پڑھے لکھے نوجوانوں پر مشتمل ایک نئی پولیس فورس بنانی چاہئے جو مغربی ممالک کی طرح جدید گاڑیوں' وائرلیسوں اور دیگر ضروری ساز و سامان سے لیس ہو ان کی تنخواہیں بھی افسران گریڈ کی ہونی چاہئیں ہمیں عام دس پولیس والوں کو بھرتی کرنے کے بجائے ایک اچھا باصلاحیت نوجوان گریجویٹ پولیس والا بھرتی کرنا چاہئے اور دس پولیس والوں کی تنخواہ کے برابر اگر ہم اس نوجوان سے کام لیں گے تو اس کے نتائج بھی بہتر ہوں گے جیسا کہ دیگر ممالک میں پولیس کی تنخواہیں سب سے زیادہ اس لئے رکھی جاتی ہیں تاکہ وہ کرپشن میں مبتلا نہ ہو جبکہ ہمارے ملک میں تنخواہ سب سے کم ہے اور اختیارات سب سے زیادہ ہیں اس وجہ سے ایک پولیس والا اتنی کم تنخواہ پر گزارہ کر ہی نہیں سکتا اسی وجہ سے ہمارے ہاں پولیس کا محکمہ بدنام ترین محکمہ بن چکا ہے۔ اس لئے اس نئے نظام کی ضرورت ہے اگر اس نظام کو رائج نہ کیا گیا تو مجرم اسی طرح دندناتے پھریں گے اور عوام ان کی دہشت گردی سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے اور نہ ہی افسران محفوظ رہیں گے۔

سو پیاز یا سو جوتے

منگل ۱۶ اکتوبر کو جنرل جہانگیر کرامت کے حوالے سے ایک دھماکہ خیز خبر اخبارات میں چھپی جس میں اعلیٰ سطح کی نیشنل سیکورٹی کونسل یا ایسی کمیٹی بنانے کی تجویز پیش کی گئی جو خود مختار ادارہ کے طور پر قائم کی جائے۔ یہ کمیٹی ٹیکنوکریٹس' مشیران اور ماہرین پر مشتمل ہو اور آزادی سے فیصلے کرے اور ان پر عمل بھی کرائے۔ جس دن یہ خبر اخبارات میں شائع ہوئی اسی دن سے اس پر زبردست بیان بازی شروع ہو گئی۔ اس تجویز کی سب سے پہلے پی پی پی' اے این پی' فقہ جعفریہ اور مولانا طاہر القادری کی جماعت نے کھل کر حمایت کی کچھ نے دبے دبے الفاظ میں مخالفت کی اور مسلم لیگ نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو بالواسطہ مارشل لاء ہے یا پھر متوازی حکومت ہو گی جبکہ مندرجہ بالا جماعتوں کا دعویٰ تھا کہ مارشل لاء کو روکنے کے لئے قومی سلامتی کونسل ڈھال ثابت ہو گی اور آئندہ کوئی مارشل لاء نہیں آئے گا۔ اگرچہ قومی سلامتی کونسل کے نفاذ کا طریقہ کار جنرل کرامت صاحب نے وضاحت سے نہیں بتایا تھا کہ وہ کونسل کس نوعیت کی ہو گی اس کو کون بنائے گا اور اس کا کون سربراہ ہو گا اور اسے کیا کیا کام سپرد کئے جائیں گے مگر چونکہ یہ تجویز فوج کے ایک ایسے سربراہ کی طرف سے آئی تھی جو تین ماہ بعد اس

عہدے سے سبکدوش ہونے والا تھا اس وجہ سے اس کو ملے جلے خیالات سے زبردست پذیرائی ملی حالانکہ اس سے قبل یہی سلامتی کونسل بنانے کی تجویز سابق صدر فاروق لغاری صاحب بھی دے چکے تھے اور اس وقت پی پی پی کی حکومت نے اس کی مخالفت کی تھی جبکہ دوسری بڑی جماعت مسلم لیگ نے اس کی حمایت کی تھی مگر جب جنرل جہانگیر کرامت صاحب نے وہی تجویز پیش کی تو مخالفت کرنے والوں نے موافقت میں بیان بازی کی اور صدر فاروق لغاری کی موافقت کرنے والوں نے اس دفعہ مخالفت کی مگر مضامین نگاروں نے مخالفت اور موافقت میں بڑے بڑے دلائل کے ساتھ کالم لکھے جس میں کچھ خدشات بھی شامل تھے۔ قومی اخبار اور جنگ نے اس موقع پر پاکستانی عوام سے رائے طلب کی کہ آیا قومی سلامتی کونسل ہونی چاہئے یا نہیں کیونکہ قومی سلامتی کونسل کی تجویز فوجی حکمراں کی طرف سے آئی تھی تو اس کا واضح اثر فوجی طرز کی سلامتی کونسل سمجھا جاسکتا تھا اور یہ سوالنامہ ان پاکستانی عوام سے پوچھا جارہا تھا جنہوں نے پاکستان کی آزادی کے پہلے پچاس سالوں میں ۲۵ سال مارشل لاء کے آمروں کے دور دیکھ رکھے تھے اور ۲۵ سال سے لولے لنگڑے عوامی سیاست دانوں کے بھی دور دیکھ رہے تھے جن میں سے بعض حکومتیں چند دن اور چند ماہ تک ہی رہی تھیں اور کسی نے بھی اپنی میعاد پوری نہیں کی تھی صرف ایک حکومت ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی ہو سکتی تھی مگر انہوں نے عجلت میں پہلے ہی الیکشن کرادیئے اس کے بعد ان کی حکومت بھی مارشل لاء کی نذر ہو گئی اور ضیاء الحق کے مارشل لاء کے بعد آنے والی عوامی حکومت ہمیشہ کے لئے 58 2B کے تحت ختم کردی گئی اور اس طرح کوئی بھی حکومت اپنی پانچ سال کی میعاد پوری نہیں کر سکی اور یہ عمل آج تک جاری ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ جنگ نے پاکستانی عوام سے قومی سلامتی کونسل کی تجویز پر رائے مانگی جنہوں نے پاکستان کی سلامتی اور بقا کے لئے مارشل لاز کو بھی یہ سمجھتے ہوئے سینے سے لگایا کہ شاید یہی قائداعظم اور قائد ملت کے بعد قوم کا مسیحا ہو۔ ایک ایسی دکھی قوم جس نے پاکستان کے لئے ہر چیز قربان کرنے کا تہیہ کر رکھا ہو جس نے ۲۶ فیصد ووٹ دیکر سیاستدانوں کو عملاً مسترد کردیا تھا جو پاکستان کو بنگلہ دیش بنتے ہوئے دوبارہ نہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ کراچی کے حالات سے سخت پریشان ہیں کیونکہ وہ کراچی کو پاکستان کا دل سمجھتے ہیں' ان کی رائے میں یہ اسمبلیاں ربر اسٹامپ سے زیادہ نہیں ہیں۔ بلکہ کمائی کا سب سے بڑا ذریعہ بن چکی ہیں۔ جس میں اب کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا ہے۔ میں ان بیباک پاکستانی عوام کی تجاویز اور خدشات پڑھ کر جھوم اٹھا ہوں کہ واقعی وہ ہمارے سیاست دانوں سے بہتر ہوش اور سوچ رکھتے ہیں۔ کسی نے کہا کہ ہمارے ملک

میں کوئی مخلص سیاست داں نہیں تھا کہ ہم نے باہر سے وزیر اعظم درآمد کیا جو صرف ورلڈ بینک کا قرضہ وصول کر کے نو دو گیارہ ہو گیا اور ہمیں ڈی ویلو کی بیماری لگا گیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جنرل کرامت کی تجویز ممکنہ طور پر ان قوم پرستوں کے اسلام آباد کے اجتماع اور پھر کنفیڈریشن کے متفقہ فارمولا کے پیش نظر پیش کی گئی ہو۔ ان کی اس تجویز کو سب سے زیادہ صنعتکاروں اور تاجروں کی طرف سے پذیرائی ملی ہے کیونکہ صنعتکاروں اور تاجروں کو فوجی حکومت میں بہتر مواقع ملتے ہیں۔ خاص طور پر ایوب خان کے مارشل لاء کے ابتدائی دور میں ہی پاکستانی صنعت کی بنیاد رکھی گئی اگر صنعتی ترقی اسی رفتار سے جاری رہتی تو آج پاکستان مسلمانوں کا سب سے بڑا صنعتی ملک ہوتا مگر افسوس کہ ایوب خاں کے مارشل لاء کا اختتام ملک کے دو ٹکڑے ہونے کا سبب بنا۔ اس لئے وہ براہ راست مارشل لاء سے بھی ڈرتے ہیں۔ اسی طرح صنعتوں کی سب سے زیادہ تباہی جمہوری دور میں ذوالفقار علی بھٹو کے ہاتھوں ہوئی جس میں تمام بڑی بڑی صنعتیں قومیائی گئیں جو سب کی سب ختم ہو گئیں اور اس کے بعد صنعتی رجحان ملک سے ختم ہو گیا جس سے بے روزگاری بڑھی۔ وہ اس اذیت سے بھی گزر چکے ہیں الغرض وہ دونوں کا مزہ چکھ چکے ہیں اس لئے کبھی جمہوریت کی طرف دیکھتے ہیں اور کبھی مارشل لاء سے امیدیں وابستہ کر لیتے ہیں۔ مجھے اس موقع پر ایک لطیفہ یاد آرہا ہے کچھ اس طرح ہے۔

ایک بادشاہ اپنے درباری سے کسی بات پر ناراض ہو گیا اس نے سزا کے طور پر اسے ۱۰۰ جوتے مارنے یا ۱۰۰ پیاز کھانے کا حکم دیا۔ درباری نے سوچا کہ جوتے کھانے کا عمل تو تکلیف دہ ہے لہٰذا وہ ۱۰۰ پیاز کھانے پر تیار ہو گیا۔ اس نے ابھی دس پیاز ہی کھائے ہوں گے کہ منہ جلنے لگا۔ اس نے کہا کہ بھئی میں پیاز نہیں کھا سکتا مجھے ۱۰۰ جوتے مارے جائیں چنانچہ ابھی دس جوتے ہی کھائے تھے کہ اسے بڑی تکلیف ہونے لگی۔ اس نے کہا کہ نہیں نہیں روکو اب میں ۱۰۰ پیاز ہی کھالوں گا پھر اسی طرح کا عمل جاری رہا اور پھر دس پیاز کھانے کے بعد کہنے لگا کہ بس کرو اب میں سو جوتے ہی کھالوں گا۔ اس طرح بار بار یہ ہوتا رہا یہاں تک کہ جب شام کو حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ سو جوتے اور سو پیاز کھا چکا ہے اور چونکہ اس نے لگاتار ایک چیز نہیں کھائی اس لئے اس کی سزا ابھی تک برقرار ہے۔

کچھ یہی بات ہماری قوم کی بھی ہے وہ بے چاری مارشل لاء اور جمہوریت دونوں کی کربناک اذیت سے دوچار رہی ہے جب عوامی دور ہوتا ہے اور اس میں وہ سیاست دانوں کو ملوث دیکھتی ہے تو اس کو مارشل لاء ہی بہتر معلوم ہونے لگتا ہے اور جب کچھ عرصہ کے بعد یہی سب باتیں فوجی حکمراں دہرانے

لگتے ہیں توان کو جمہوریت یاد آنے لگتی ہے مگر اب جبکہ تجویز کنندہ جنرل کرامت نے نامعلوم وجوہ کی بناء پر استعفیٰ دے دیا ہے' اللہ خیر کرے آنے والا کل کیا رنگ لائے گا کیونکہ میاں نواز شریف قسمت کے دھنی ہیں اور انہوں نے مخالفت کرنے والوں سے جان چھڑانے کی ہیٹ ٹرک مکمل کر لی ہے جو پاکستان کی سیاست میں پہلی ہیٹ ٹرک ہے مگر یہ یاد رکھیں کہ قوم اس وقت بھی کسی مسیحا کی تلاش میں ہے وہ ترکی کے کمال اتاترک جیسے بے باک' مخلص اور ملک پرست جنرل چاہتی ہے یحییٰ خان جیسے خود غرض اور ڈرپوک جنرل کسی بھی صورت میں نہیں چاہتی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مسیحا کب اس کو میسر ہو گا کیونکہ ہر اندھیری رات کے بعد ہی صبح کا اجالا ہوتا ہے۔ اے خدا تیرے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے تو جلد ہی اس مظلوم قوم کو صبح کا اجالا دکھا دے وہ پچاس سال گزرنے کے باوجود حقیقی اجالے سے دور ہے کیونکہ آج تک کسی بھی مارشل لاء یا سیاست داں نے عوام کی خدمت نہیں کی ہے صرف اور صرف اپنی کرسی بچانے کے اقدامات کئے جو آج تک جاری ہیں۔

خون سعید رائیگاں نہیں جائیگا

انا للہ وانا الیہ راجعون

پچھلے ہفتے دبئی جانے کا اتفاق ہوا۔ جہاں میں ٹھہرتا تھا اس بلڈنگ کے سامنے خالی پلاٹ پڑا ہوا تھا مگر اس دفعہ وہاں ایک مکمل بلڈنگ کھڑی تھی جو پانچ ماہ پہلے جب گیا تھا اس وقت نہیں تھی۔ بڑا تعجب ہوا' اس بلڈنگ کو پاکستانی مزدوروں نے بنایا تھا' مجھے ان پاکستانیوں پر رشک آیا کہ صرف پانچ ماہ کی مدت میں انہوں نے یہ بلڈنگ نہ صرف مکمل کی بلکہ رنگ و پالش وغیرہ کر کے کرایہ پر اٹھا دی۔ یہی پاکستانی مزدور جب پاکستان میں بلڈنگیں بناتے ہیں تو کئی کئی سال لگا دیتے ہیں جبکہ دیار غیر میں وقت ضائع کئے بغیر کام کرتے ہیں۔ کاش یہی جذبہ وہ پاکستان میں بھی اپناتے تو پاکستان ترقی کر کے کہیں سے کہیں پہنچ جاتا اور ڈسپلن کا یہ حال ہے کہ ایک رات بارہ بجے میں کھانا کھا کر آرہا تھا۔ میرا پاکستانی دوست مجھے چھوڑنے ہوٹل جا رہا تھا تو ایک سگنل پر' جہاں دور دور تک کوئی گاڑی یا پولیس والا نہیں تھا اس نے لال بتی پر گاڑی روکی تو میں نے کہا یار یہاں تو دور دور تک کوئی گاڑی نہیں ہے سگنل کو کراس کر لو' اس نے کہا یہاں سگنل کراس کرنے پر لائسنس ضبط ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی سزا بھی ہو جاتی ہے۔ میں نے کہا مگر یہاں تو کوئی پولیس والا بھی نہیں ہے۔ اس نے کہا ہو سکتا ہے کہیں دور ریڈار ہو میں ایسا رسک نہیں لے سکتا۔ میں نے دل میں کہا کہ پاکستان میں دن دہاڑے اور پولیس والوں کے سامنے لوگ لال بتی پر تیزی سے گزر

جاتے ہیں۔ پولیس والا سیٹیاں بجاتا رہ جاتا ہے اور یہی پاکستانی دیار غیر میں قانون کی پابندی کرتے ہیں۔ کاش یہ روایت پاکستان میں پڑ جائے تو ہماری قوم ڈسپلن کی عادی ہو جائے۔

یو اے ای کی ترقی حیرت انگیز ہے' خاص طور پر اس لحاظ سے کہ اس کی ۷۵ فیصد آبادی غیر ملکیوں کی ہے جن میں ہندوستانیوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور وہی ان کی تجارت پر چھائے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے ہوٹل اور بینکوں کا عملہ زیادہ تر ہندوستانیوں پر مشتمل ہے۔ دوسرا نمبر پاکستانیوں کا ہے پھر فلپائنیوں اور بنگلہ دیشیوں کا نمبر آتا ہے اور ترقی کا اندازہ صرف اس بات سے لگائیے کہ جب میں پہلی مرتبہ گیا تھا تو غالباً ۱۹۷۰ء تھا اس وقت دبئی معمولی بلڈنگوں اور چھوٹے چھوٹے گھروں پر مشتمل تھا اور معمولی آبادی تھی چند گاڑیاں تھیں یا پھر سائیکلیں اور موٹر سائیکلیں تھیں اور دو ڈھائی روپے کا درہم تھا اور آج کا دبئی دنیا کی شاندار ترین عمارتوں' بہترین سڑکوں' ہسپتالوں اور ہوٹلوں پر مشتمل ہے اور دنیا کے ترقی پذیر ملکوں سے بڑھ کر خوبصورت بن چکا ہے جسے انہی ہندوستانیوں اور پاکستانیوں نے تعمیر کیا ہے اور آج ان کا درہم سولہ روپے کا ہو چکا ہے۔ ہمارے ملک سے بھی بڑی بڑی صنعتیں لگ چکی ہیں اب وہ امپورٹ کرنے کے بجائے ایکسپورٹ کر رہا ہے اور ہم ایکسپورٹ کرنے کے بجائے وہی چیزیں حتیٰ کہ کھانے کے لئے گیہوں اور پیاز تک درآمد کر رہے ہیں اور ہمارا روپیہ گھٹ کر کاغذ اور ردی کے بھاؤ ہو چکا ہے اور یہ دن بہ دن کم سے کم تر ہو رہا ہے۔ ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ آپریٹر نے بتایا کہ کراچی سے کال ہے' میرے گھر سے ٹیلی فون آیا تھا۔ انہوں نے کہا ایک بری خبر ہے وہ یہ کہ حکیم محمد سعید کو دہشت گردوں نے قتل کر دیا ہے۔ اس وقت دبئی میں صبح کے نو بجے تھے۔ میرے منہ سے انا لله وانا اليه راجعون نکلا اور میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ میری آنکھوں میں حکیم صاحب کا مسکراتا ہوا چہرہ گھوم گیا کہ وہ شخص جس نے پاکستان کی خاطر اپنے بڑے بھائی اور ان کی اولاد کی جدائی برداشت کی اور پاکستان کی خصوصاً تعلیم کے میدان میں خدمت کی اور اگر مزید زندہ رہتے تو چند سالوں میں تعلیم کے میدان میں انقلابی تبدیلیاں لاتے۔ حکیم صاحب میں اتنی خوبیاں تھیں کہ ان پر کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ اتنے معصوم اور بے ضرر انسان کے ساتھ یہ سلوک۔ میرا دہشت گردوں سے سوال ہے کہ حکیم صاحب کو مار کر انہیں کیا ملا؟ البتہ ان کے قتل سے پاکستان کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ خاص طور پر بیرون

ملک پاکستانی اب یہ کہتے ہیں کہ جب پاکستان میں پاکستان سے محبت کرنے والوں کا یہ انجام ہو گا تو اس پاکستان کا کیا فائدہ؟ جہاں انتظامیہ ٹیکس پر ٹیکس وصول کرنے میں دنیا بھر میں سب سے آگے ہے مگر کسی بھی شریف آدمی کی جان و مال محفوظ نہیں ہے۔ تمام صوبوں میں دہشت گردی عام ہے کہیں مذہب کی آڑ میں ہے تو کہیں لسانیت کی آڑ میں۔ میرا ایمان ہے کہ انشاء اللہ حکیم صاحب کا خوں رائیگاں نہیں جائے گا۔ مگر قوم کو اپنا انداز بدلنا ہو گا۔ چہرے نہیں نظام بدلنا ہو گا' ورنہ روز اخبار کی سرخیاں قتل اور دہشت گردی سے بھری ہوں گی۔ حکمران وہی پرانے جملے دہرا رہے ہوں گے کہ حکیم صاحب کے قاتلوں کو جلد گرفتار کر لیا جائے گا' انہیں عبرتناک سزا دی جائے گی' قاتل کی نشاندہی ہو چکی ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر ہم پلٹ کر ماضی میں جھانکیں تو یہی وعدے جناب صلاح الدین' مرتضیٰ بھٹو' زہیر اکرم ندیم' بیرسٹر نظام احمد' منظر امکانی' سلیم رضا' سفیر بنگش کے قتل کے وقت کئے گئے تھے۔ کیا ان کے قاتل پکڑے گئے؟؟۔ اب یہ قصہ ہائے پارینہ بن چکے ہیں۔ کراچی کے عوام اس کے عادی ہو چکے ہیں۔ پولیس اور رینجرز کے باوجود وہ عدم تحفظ کا شکار ہیں' کچھ دنوں تک اخبارات میں ذکر ہوتا رہے گا پھر آہستہ آہستہ لوگ اس سانحہ کو بھول جائیں گے اور پھر کچھ عرصہ بعد ایسا ہی کوئی اور حادثہ ہو جائے گا جس کو دیکھ کر حکیم صاحب کے لواحقین کو بھی صبر آ جائے گا حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی سیاست میں اب یہ حلف عام ہو گیا ہے کہ ہر معاملے کو وقتی مصلحت کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے۔ اگر مجرم سے چشم پوشی سیاسی مصلحت کا تقاضا بن جائے تو مجرم خواہ کتنا ہی بڑا ہو قانون کی ناک کے نیچے دندناتا پھرتا ہے اور اگر فائدہ نظر آئے تو اس کے حصول کے لیے بے گناہوں کی گردن ریت دینے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ حکومت اور انتظامیہ ہر واردات کے بعد الزامات "را" یا "یہودی" مافیا پر ڈال کر خود بری الذمہ ہو جاتی ہے۔ آج تک کسی بھی ذمہ دار فرد یا حکمران نے اپنی نااہلی قبول کرتے ہوئے استعفیٰ نہیں دیا۔ ابھی کچھ دن پہلے دہلی میں پیاز کی قیمت چالیس روپے کلو پہنچ گئی تھی۔ عوام نے اس پر زبردست احتجاج کیا تو وہاں کے وزیر اعلیٰ نے استعفیٰ دے دیا اور نیا وزیر اعلیٰ ایک خاتون کو بنا دیا گیا کیا کوئی ایسا جمہوری عمل پاکستان میں بھی دہرایا گیا ہے؟ ہمارے ملک میں تو پیاز' ٹماٹر اور ہری مرچ سو روپے کلو تک فروخت ہو چکی ہے مگر نہ عوام نے احتجاج کیا اور نہ ہی کسی نے استعفیٰ دیا۔ اتنے بڑے سانحے پر کسی بڑے عہدیدار تک کو

معطل کرنا تو کجا' باز پرس تک نہیں کی گئی۔ قاتل کھلے عام شہر کراچی میں دندناتے پھر رہے ہیں۔ وزیراعظم پوچھ رہے ہیں کہ شہر میں لوگ قتل ہو رہے ہیں آپ کو نیند کیسے آجاتی ہے؟ میرا جواب یہ ہے کہ آپ چند دن ہمارے مظلوم شہر میں گزار لیجئے آپ بھی ہماری طرح عادی ہو جائیں گے کیونکہ بقول فراز۔

موت کے پہلو میں سو رہو فراز
نیند نہ جانے کس وقت آئے

پاکستان موٹروے خوبصورت منصوبہ مگر ناکام کیوں ہے

اس ہفتے مجھے اسلام آباد سے لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے پاکستان موٹروے جسے عرف عام میں M-2 کہا جاتا ہے کا انتخاب کیا۔ اس سے قبل بھی کئی بار مجھے اس موٹروے سے لاہور سے اسلام آباد اور کبھی اسلام آباد سے لاہور جانا پڑا تھا مگر ایک بات ہمیشہ میں نے نوٹ کی کہ موٹروے پر شاید ہی کسی گاڑی نے اوور ٹیک کیا ہو تمام راستے چند گاڑیاں اور چند بسیں نظر آئیں۔ موٹروے کوریا کی کمپنی ڈائیوو نے کئی سال کی محنت سے تعمیر کیا اور یہ شاہراہ یقیناً بہت خوبصورت اور بظاہر بہت مضبوط بھی ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق یہ منصوبہ چھ ارب روپے میں تعمیر ہونا تھا مگر اس منصوبے کو ماضی کی حکومت نے روک دیا تھا بعد میں مسلم لیگ کی حکومت کے آتے ہی دن رات اس پر کام کیا گیا اور غالباً اس منصوبے کی لاگت سولہ ارب روپے تک جا پہنچی۔ اسلام آباد سے لاہور تک کا فاصلہ چار گھنٹے میں طے کیا۔ اور میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ شاندار موٹروے پر ٹریفک اتنی کم کیوں ہے۔

بعد ازاں میں نے اس حوالے سے معلومات حاصل کیں موٹروے کی ناکامی کی کئی وجوہات سامنے آئیں جو قارئین کی دلچسپی کے لئے تحریر کر رہا ہوں۔ آج کے جدید دور میں موٹروے قوموں کی زندگی کا ایک لازمی حصہ بن چکے ہیں اور یورپ میں تو ایک ایک ملک میں پانچ پانچ چھ چھ موٹرویز ہوتے ہیں اور ان پر بہت رش رہتا ہے اور کبھی کبھی تو یہ رش اتنا بڑھ جاتا ہے کہ پولیس کو کنٹرول کرنا مشکل ہوتا ہے اور وہ

ٹریفک کو دوسرے راستے پر منتقل کرتی ہے' اس میں کئی کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ مگر ہمارے موٹروے پر تو ٹریفک بہت ہی کم تھا۔

سب سے پہلی وجہ تو لاہور سے اسلام آباد کا فاصلہ ہے' جو ہائی وے سے 265 کلو میٹر تھا اس موٹر وے سے 360 کلو میٹر کر دیا گیا۔ دنیا میں موٹروے سے فاصلہ کم سے کم کیا جاتا ہے تاکہ وقت کم لگے اور پٹرول کی بھی بچت ہو مگر اس موٹروے میں معاملہ الٹا ہے وقت بھی زیادہ اور پٹرول بھی زیادہ خرچ ہوتا ہے کیونکہ اس پرانے ہائی وے سے ساڑھے تین سے چار گھنٹے میں فاصلہ طے ہوتا تھا۔ پرانے ہائی وے پر ہر دس پندرہ کلو میٹر کے بعد چھوٹا یا بڑا شہر آباد ہے۔ اگر گاڑی خراب ہو جائے تو گاڑی کے مکینک مل جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی حادثہ ہو جائے تو نزدیک کوئی نہ کوئی ہسپتال موجود ہے مگر موٹروے پر اگر گاڑی خراب ہو جائے تو پورے راستے کوئی مکینک یا کوئی بھی مدد کو نہیں آئے گا۔ اسی طرح موٹروے پر کوئی ہسپتال نہیں ہے۔ اگر کوئی حادثہ ہو تو گھنٹے لگ جائیں گے کیونکہ اس موٹروے پر کوئی بھی بڑا شہر بیس سے پچاس کلو میٹر دور ہے۔ میں یہ بات سمجھنے سے قاصر ہوں کہ موٹروے کو بڑے بڑے شہروں کے اس قدر دور سے کیوں گزارا گیا۔ ہائی وے کے متوازی شہروں سے اگر گزارا جاتا تو فاصلہ بھی کم ہوتا اور وقت کی بھی بچت ہوتی۔ مگر گجرات' گوجرانوالہ' کھاریاں اور جہلم سے کم از کم 60 کلو میٹر دور اس موٹروے کو بنایا گیا اس کی کیا وجہ تھی؟ یقیناً ان نامعلوم اور نئے نئے گاؤں سے گزار کر بہت سوں کو خوش کیا گیا ہوگا اور پھر لمبے راستہ پر جو اضافی خرچ آیا ہوگا' یہ جاننے والے ہی جانتے ہوں۔ میرے خیال میں اگر ہائی وے کو چوڑا کر کے نئی اور مضبوط سڑکیں تعمیر کی جاتیں تو ہمارا اربوں روپے کا زرمبادلہ بچ سکتا تھا اور وقت اور پیٹرول کی بچت بھی ہوتی جبکہ حادثے کی صورت میں شہر اور ہسپتال پہنچنا بھی آسان ہوتا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہائی وے پر کوئی ٹول ٹیکس نہیں ہے جبکہ اس پر عام گاڑی سے دو سو روپے' چھوٹی کوسٹر سے تین سو روپے' بسوں سے چار سو پچاس روپے' عام ٹرک پانچ سو پچاس روپے اور ٹرالر سات سو روپے ٹول ٹیکس کی شکل میں وصول کئے جاتے ہیں۔ جو بہت زیادہ ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کہ اتنا زیادہ ٹول ٹیکس مرے پر سو درے کے مترادف ہے۔ میری معلومات کے مطابق اس موٹروے پر 24 گھنٹوں میں زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار گاڑیاں گزرتی ہیں جن میں نوے فیصد موٹر کاریں' پانچ فیصد بسیں اور پانچ فیصد

ٹرکس ہیں۔ جبکہ ہائی وے پر ایک گھنٹے میں پانچ ہزار گاڑیاں گزرتی ہیں اور ہر وقت ٹریفک کا رش رہتا ہے جبکہ موٹروے سنسان رہتا ہے اور رات کو حادثے کی صورت میں موٹروے اور بھی غیر محفوظ ہے اور اگر گاڑی خراب ہو جائے تو کوئی مکینک بھی دستیاب نہیں میرے خیال میں اگر حکومت ٹول ٹیکس کم کر دے تو ایک تو حکومت کی آمدنی بڑھ جائے گی اور ٹریفک بھی ہائی وے پر منتقل ہو سکتا ہے۔ میری رائے میں اگر 50 روپے فی گاڑی اور 100 روپے فی ٹرک اور بس ٹول ٹیکس وصول کیا جائے تو یقیناً لوگ موٹروے کو ترجیح دیں گے کیونکہ ایک بات جو میں نے نوٹ کی وہ بے حد قابل ستائش ہے' وہ ہے موٹروے پر ٹریفک پولیس کا نظام' میں نے اتنا مستعد اور خوش اخلاق پولیس کا عملہ نہیں دیکھا۔ راستے میں میرے دوست موٹروے کی تیسری لین میں جا رہے تھے تو پولیس کی گاڑی میں سے پولیس انسپکٹر نے کوئی اشارہ کیا جسے نہ میں سمجھ سکا اور نہ میرے دوست سمجھے مگر پھر بھی ہم آگے جاتے رہے۔ ابھی دس پندرہ کلو میٹر کا فاصلہ طے کیا تھا تو پولیس کی ایک اور گاڑی ملی اس میں سے بھی اسی قسم کا اشارہ دیا گیا ہم پھر بھی نہیں سمجھے۔ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ گاڑی روکو۔ کچھ دور جا کر گاڑی رکی تو پولیس کی موبائل آئی اس میں سے انسپکٹر اتر کر ہماری گاڑی کی طرف آیا اس نے پہلے سلام کیا پھر ادب سے کہا کہ آپ تیسری لین کے بجائے دوسری لین میں چلائیں تیسری لین صرف اوور ٹیک کرنے والی گاڑی کے لئے ہے اگر آپ تیسری لین میں چلائیں گے تو اوور ٹیک کرنے والی گاڑی کیسے اوور ٹیک کرے گی۔ میں نے انسپکٹر کے اس شائستہ رویے پر خوشی کا اظہار کیا۔ اس نے بتایا کہ وہ پہلے کراچی میں پولیس انسپکٹر تھا۔ ان کا نام مرزا عباس بیگ تھا اور وہ لیاقت آباد تھانے میں رہ چکا ہے' وہاں سے وہ نوکری چھوڑ کر اس موٹروے پولیس میں شامل ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ ہم کو سب سے زیادہ ٹریننگ اس بات کی دی گئی ہے کہ وہ ہر ایک سے ادب سے بات کریں اور معمولی غلطی پر صرف سمجھا بجھا دیں۔ اور اگر کوئی زیادہ رفتار سے گاڑی چلائے تو اس کا چالان کریں۔ ٹریفک کے اس نظام میں جدید ریڈار لگائے گئے ہیں پولیس موبائلوں میں بھی ریڈار موجود ہیں جو گزرنے والی گاڑی کا نمبر اور رفتار بتا دیتے ہیں جو ثبوت کے طور پر ڈرائیور کو بھی دکھا دیئے جاتے ہیں پھر چالان کر دیا جاتا ہے اور اس چالان کو کمپیوٹر میں فیڈ کر دیا جاتا ہے جب آپ باہر ٹول پلازہ پر پہنچیں گے تو آپ کے چالان کا ذکر ہوگا اور آپ کے چالان کی رقم بھی درج ہوگی اور وہ ادا

کر کے ہی آپ باہر جاسکتے ہیں۔ میری معلومات پر انسپکٹر مرزا عباس بیگ نے بتایا کہ ہمیں گیارہ ہزار روپے تنخواہ ملتی ہے جبکہ وہ کراچی پولیس میں تھا تو تنخواہ صرف پانچ ہزار روپے ملتی تھی۔ اس سے اس کی گزر اوقات ناممکن تھی اب اس کو گیارہ ہزار روپے مل رہے ہیں جس سے اس کا گزارہ ہو جاتا ہے لہٰذا رشوت وغیرہ کا کوئی تصور نہیں ہے یہ بات واقعی قابل ستائش ہے۔ میری رائے میں ہم ایسا ہی نظام باقی دوسری جگہوں پر بھی متعارف کرائیں تو یقیناً کرپشن ختم ہو سکتا ہے اور نظام بھی بہتر ہو سکتا ہے۔ آخر میں میری رائے یہ ہے کہ مزید موٹروے بنانے کے بجائے پرانے ہائی وے کو چوڑا کر کے ان میں دو دو لین کا اضافہ کر دیا جائے اور کنسٹرکشن کا معیار موٹروے والا ہی رہے تو ایک تو ہم زیادہ اخراجات سے بچ جائیں گے اور دوسرے ہمارا فاصلہ بھی زیادہ نہیں ہو گا مگر ہم کو پولیس کا نظام وہی موٹروے والا اپنانا ہو گا تاکہ حادثات کم سے کم ہوں اور سفر محفوظ ہو جو اس وقت ہائی وے پر نہیں ہے۔

قرضے لینے کی کہانی

کل کے اخبارات میں خبر چھپی کہ پاکستان ڈیفالٹر ہو گیا کیونکہ اس نے پینتالیس دن اوپر گزر جانے کے باوجود ستمبر ۱۹۹۸ء کی قسط آئی ایم ایف کو ادا نہیں کی۔ اس وجہ سے ورلڈ بینک نے اس کو ڈیفالٹر قرار دے دیا۔ اس اطلاع سے صنعتی اداروں میں کھلبلی مچ گئی اور لوگ ڈالروں کی خریداری میں لگ گئے۔ مگر آج کے اخبارات میں ورلڈ بینک کی طرف سے پاکستان کے ڈیفالٹر ہونے کی تردید ہو گئی جس سے ڈالر پھر گرنے لگا۔ روزانہ اسی قسم کی خبریں آتی رہتی ہیں اور غیر ملکی کرنسی کا کاروبار کرنے والوں کی چاندی ہو جاتی ہے' چاہے ڈالر گرے یا بڑھے دونوں صورتوں میں خرید و فروخت کی وجہ سے کاروبار ہوتا ہے کبھی کہا جاتا ہے کہ پاکستان ستائیس ارب ڈالر کا مقروض ہے اور کبھی چالیس ارب ڈالر کا مقروض بتایا جاتا ہے' ساتھ ساتھ یہ بھی خبر آتی ہے کہ بیرون ملک پاکستانیوں کے اسی ارب ڈالر غیر ملکی بینکوں میں پڑے ہیں اگر ان میں سے آدھی رقم واپس پاکستان آجائے تو پاکستان آئی ایم ایف کو اپنے قرضے کی رقم ادا کر کے اپنی جان چھڑا سکتا ہے۔

آیئے ہم تجزیہ کرتے ہیں کہ ہم نے قرضہ لے کر کیا حاصل کیا اور کیا کھویا۔ سب سے پہلے تو میں بتادوں کہ جب تک ہم نے آئی ایم ایف سے قرضے لینے شروع نہیں کئے تھے اس وقت امریکی ڈالر پانچ روپے کا ہوتا تھا صنعتی مزدوروں کی کم از کم اجرت ایک سو پچاس روپے تھی جس سے وہ با آسانی گزارہ

کر لیتے تھے' روزانہ کا مزدور پانچ روپے اور کاریگر دس روپے یومیہ کماتا تھا۔ گوشت پانچ روپے گائے کا اور آٹھ روپے سے لے کر دس روپے کلو بکرے کا گوشت ہوتا تھا۔ چینی دو روپے کلو تھی۔ یہ ایوب خان کا دور تھا اس وقت کے وزیر تجارت نے چار آنے فی کلو چینی کے دام بڑھا دیئے تو عوام نے زبردست احتجاج کیا اور اس وقت کے وزیر غالباً عبدالغفور ہوتی تھے ان کی وزارت جاتے جاتے رہ گئی اور ساتھ ہی ایوب خان کی کرسی بھی ہل گئی۔ الغرض ملک میں امن و امان کے ساتھ ساتھ مہنگائی نام کی کوئی شے نہیں تھی۔ پوری قوم سکون سے تھی نہ دولت کی ریل پیل تھی اور نہ کوئی حرص وغیرہ تھی۔ اس وقت نئی انگلش گاڑی بارہ ہزار روپے میں مل جاتی تھی اور شہر میں اس کا خریدار مشکل سے ملتا تھا۔ عوام بسوں اور ہاتھ کے رکشوں میں سفر کرتے تھے حتیٰ کہ موٹر رکشہ اور ٹیکسیاں بھی نہیں تھیں جب پہلی مرتبہ موٹر رکشہ متعارف کروائے گئے تو چار آنے فی میل رکشہ اور چھ آنے فی میل ٹیکسی کا کرایہ تھا۔ یاد رہے اس وقت ایک روپیہ میں سولہ آنے ہوتے تھے۔ پھر ہم نے قرض لینے شروع کئے جہاں ایک علاقہ میں صرف ایک آدھ بینک ہوتا تھا اب گلی گلی بینک کھلنے لگے اور نئے نئے بینک بھی میدان میں کود پڑے۔ پہلے لوگ اپنی جیب دیکھ کر خرچ کرتے تھے' اب بینک میں اوور ڈرافٹ کی حد (Limit) کے حساب سے اپنا خرچ بڑھانے لگے۔ پھر بینک میں سودی کاروبار شروع ہوا صنعتیں لگنے لگیں۔ مہنگائی بھی بڑھنے لگی۔ کھانے پینے کی اشیاء مہنگی ہونے لگیں۔ قوم شور مچاتی حکمران مہنگائی ختم کرنے کا وعدہ کر کے حکومتیں کرتے رہے۔ مگر مہنگائی نے گھر دیکھ لیا اور حکومتوں نے غیر ملکی آقاؤں سے لئے ہوئے قرضوں پر سود ادا کرنا شروع کر دیا کیونکہ قرضوں کا دورانیہ کافی لمبا ہوتا تھا یعنی دس سال کے لئے یا پندرہ سال کے لئے قرضے لئے گئے تھے لہٰذا اصل قرضے کی واپسی کا کوئی سوال نہیں تھا صرف سود ادا کرنے سے کام چل جاتا تھا۔ اس کے جواب میں قرضہ دینے والوں نے آہستہ آہستہ اپنے مطالبات شروع کر دیئے اور ۱۹۷۲ء میں ڈالر کو ایک دم پانچ روپے سے گیارہ روپے کر دیا گیا۔ وہ ہماری بربادی کا پہلا قدم تھا اس کے بعد جو مہنگائی شروع ہوئی تو اس کی رفتار اتنی بڑھی کہ آج تک کوئی بھی اسے نہیں روک سکا اور ضیاء الحق کے دور میں جب ڈالر کو آزاد کیا تو ڈالر آزاد ہو گیا اور پوری قوم قید ہو گئی۔ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف نے حکومتوں پر دباؤ ڈال کر ہماری امپورٹ پالیسی آزاد کر دی۔ کھانے پینے کی معمولی معمولی اشیاء سے لے کر ہر چیز ہم نے درآمد کرنی شروع کر دی جس کے لئے ہم قرضوں پر قرضے لینے لگے اور اب سود کے

ساتھ اصل رقم کی قسط بھی ادا کرنی پڑ رہی ہے۔ اس کے بدلے ہم نے غیر ملکی امریکن برانڈ کھانے' پیزا ہٹ' میکڈونلڈ' کے ایف سی کے نام پر ریسٹورنٹ کھولنے شروع کر دیئے۔ ہماری نئی جنریشن ان کھانوں پر اس طرح ٹوٹی جیسے کوئی مفت تقسیم کر رہا ہو یا پھر یہ کھانے آئندہ نہ ملنے کی امید ہو اپنے روایتی کھانے کھانے کا رواج دم توڑ رہا ہے۔ آنے والے کل میں اور بھی کئی نئی چیزیں کھانے کے لئے اٹالین' میکسیکن' فرنچ برانڈ ریسٹورنٹ کھلیں گے۔ وہ بھی باہر سے زرمبادلہ کے عوض آئیں گے۔ میں نے اپنی نئی نسل کے لئے یہ تجزیہ لکھا ہے کیونکہ وہ غالباً اپنے ماضی سے بے خبر ہیں یا بے خبر رکھے گئے ہیں کیونکہ جو قرضے ہم نے لئے تھے وہ اب انہیں ادا کرنے ہیں۔ وہ بھی مع سود۔ کیونکہ یہ قرضے دینے والے عیسائی اور یہودی ہیں جن سے چودہ سو سال پہلے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبردار کر دیا تھا۔ مگر ہم نے ان کو دوست سمجھ کر گلے لگایا ہوا ہے اور اب وہ مسلمانوں کی معیشت ختم کرنے کے پروگرام پر گامزن ہیں۔ آج ڈالر ساٹھ روپے تک پہنچ چکا ہے اور مہنگائی سب کے سامنے ہے۔ آپ خود آنکھیں کھول کر موازنہ کر سکتے ہیں۔ معمولی سی مثال یہ ہے کہ میں نے تحفہ میں دینے کے لئے ایک بیٹری سیل سے چلنے والی گاڑی کی قیمت پوچھی تو وہ پندرہ ہزار روپے کی تھی۔ جب میں نے پہلی پٹرول سے چلنے والی اصل گاڑی خریدی تو وہ بارہ ہزار روپے کی تھی۔ ایک دن میں صرف پانچ روپے میں بکنے والی سیمنٹ کی بوری میں سو روپے فی بوری کا اضافہ کر دیا جاتا ہے مگر نہ کوئی پوچھتا ہے اور نہ کوئی احتجاج کرتا ہے کیونکہ حکمران اور عوام دونوں اس مہنگائی کے عادی ہو چکے ہیں۔ آیئے میکڈونلڈ چلتے ہیں۔ اپنے قومی جذبے کے ڈیفالٹر ہونے کی آخری کیل ٹھونکنے کے لئے کہیں پھر کوئی تردید نہ آجائے۔

پاکستانی معیشت کے 30 سال

گزشتہ ہفتہ میں نے پاکستان کے قرض لینے کے نقصانات تحریر کئے تھے جس میں سب سے برا آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کا تضحیک آمیز رویہ تھا جس کی وجہ سے پوری دنیا کے سامنے پاکستانی قوم کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ اب میں تصویر کا دوسرا رخ اپنی نئی جنریشن کو دکھانا اور بتانا چاہتا ہوں تاکہ انہیں بھی یہ معلوم ہو کہ قرض دینے والے ممالک تیس سال پہلے کیا تھے اور اب کیا ہیں۔ آج سے تیس سال پہلے یعنی ۱۹۶۸ء میں مجھے پہلی مرتبہ یورپ جانے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت جرمنی کا سکہ مارک' سوئٹزرلینڈ کا سکہ سوئس فرینک اور ہمارا روپیہ تینوں برابر تھے جبکہ فرانس کا سکہ فرنچ فرینک صرف اس وقت دس آنے یعنی ۶۲ پیسے کے برابر تھا۔ ڈالر صرف پانچ روپے اور پونڈ دس روپے کے برابر تھا۔ پاکستانیوں کو یورپ جانے کے لئے صرف سوئٹزرلینڈ کا ویزا لینا پڑتا تھا باقی تمام یورپ میں یا تو ویزا ایئرپورٹ پر مل جاتا تھا یا پھر کسی بھی ویزا کی ضرورت نہیں پڑتی تھی یعنی یورپ اور پاکستان برابری کی بنیاد پر سفارتی تعلقات رکھتے تھے۔ پاکستانی بزنس مین کی یورپ میں بڑی قدر تھی کیونکہ پاکستانی یورپ سے مال خریدتے تھے اور نقد L\C کے عوض ان کو کافی مراعات ملتی تھیں۔ یاد رہے کہ ہندوستان میں تمام اشیاء کی امپورٹ کی اجازت نہیں تھی۔ بھارت صرف خام مال اور مشینیں درآمد کرتا تھا تاکہ وہ یورپ اور امریکہ کا مقابلہ کر سکے۔ مگر ہم نے اس پر بالکل توجہ نہیں دی۔ بھارت اپنے ملک میں سوئی سے لے کر جہاز تک بنانے

کے قابل ہو گیا اور ہم تمام اشیاء امپورٹ کر کے خوش ہوتے گئے اور اسی وجہ سے ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف ہمیں کھل کر قرضے دینے لگے۔ ہم سود ادا کر کے ان کا بنا ہوا مال اپنے ملک میں درآمد کرتے رہے اور آج جب تیس سال بعد پلٹ کر دیکھتے ہیں تو قرض دینے والے ممالک ہم سے اور ہم جیسے قرض لینے والے ممالک سے اتنے آگے جا چکے ہیں کہ ہمارا وجود نہ ہونے کے برابر ہے یعنی جرمن مارک پینتیس گنا' سوئز فرینک چالیس گنا' فرنچ فرینک پندرہ گنا' ڈالر بارہ گنا اور پونڈ دس گنا بڑھ چکا ہے۔ کم و بیش دنیا کی تمام کرنسیاں ہم سے اسی مناسبت سے آگے ہیں اور آگے بڑھتی ہی جا رہی ہیں جبکہ ہمیں اپنی کرنسی ایک معمولی کاغذ سے زیادہ نہیں محسوس ہوتی ہے۔ یورپ میں ان کی کرنسی کی نسبت زیادہ مہنگائی نہیں ہوئی ہے جتنی تیس سال میں ہماری کرنسی گرنے کی وجہ سے ہمیں مہنگائی محسوس ہوتی ہے حالانکہ اگر ان کی اپنی کرنسی میں حساب لگایا جائے تو وہ بہت ہی سستی لگتی ہے۔

اس مرتبہ جب ہمارے سائنسدانوں نے ایٹمی دھماکہ کیا تو یورپ' امریکہ' جاپان تینوں نے غم و غصہ کا اظہار کیا کیونکہ ان کی نظر میں ہم مقروض قوم تھے اور ایٹمی دھماکہ جیسی برابری یا خود اعتمادی پر ان کو اچھا نہیں لگا' اسی وجہ سے انہوں نے طرح طرح کی دھمکیاں دینی شروع کیں حالانکہ ہم نے دھماکہ بھارت کے بعد کیا تھا جو ایک آزاد قوم کا حق تھا۔ مگر بھارت ان سے قرض لے کر بڑی بڑی صنعتیں لگا چکا تھا اسی وجہ سے اس کو ان دھمکیوں اور پابندیوں کی پرواہ نہیں تھی مگر ہم تو قرض لے کر بڑی صنعتیں لگانے کے بجائے ان کی بنی ہوئی اشیاء امپورٹ کر کے کھا پی چکے تھے اسی وجہ سے ہماری پوزیشن خراب ہو چکی ہے اور اسی وجہ سے ہم بھارت کے مقابلے میں بہت پیچھے ہیں۔ میں بزنس کے سلسلے میں تیس سال سے یورپ' امریکہ' جاپان جاتا رہا ہوں' آج تیس سال بعد اور اپنے ایٹمی دھماکہ کے بعد مجھے یورپ جانا پڑا۔ اس دوران جرمنی' فرانس' انگلینڈ' سوئٹزرلینڈ' اٹلی وغیرہ میں پاکستانی اور غیر ملکی دوستوں سے ملاقات ہوئی۔ یورپ میں رہنے والے پاکستانی اس ایٹمی دھماکہ سے نہ صرف خوش ہیں بلکہ اپنے آپ کو ایک آزاد قوم کا فرد سمجھ کر یورپ کے رہنے والوں سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے ہیں اور ان کو سپورٹ کرنے کے لئے ہمارے ترک' سعودی' بنگلہ دیشی مسلمان بھائی بھی بہت آگے ہیں کیونکہ پاکستان پہلا اسلامی ملک ہے جس نے سپر پاور کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے بجائے انہی کی طرح بحیثیت

آزاد قوم کے ایٹمی دھماکہ کیا۔

وہ ایک الگ سانحہ ہے کہ ہمارے سائنس دانوں کے کارنامے سے ہمارے سیاست دانوں نے فائدہ اٹھانے کے بجائے قوم کو ایک نئے امتحان میں ڈال دیا ہے جس کو ہماری قوم نے بری طرح محسوس کیا ہے اور وہ اب کسی رہنما پر اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ایٹمی قوت بن جانے کا جشن منانے والے ملک میں مایوسی کی خاموشی چھا چکی ہے مگر میں اپنی قوم کو بتانا چاہتا ہوں کہ تیس سال پہلے یہ یورپ بھی تقریباً ہماری طرح تھا۔ میں جب سوئٹزرلینڈ کے زیورچ ایئرپورٹ پر اترا تھا تو وہ کراچی سے چھوٹا تھا۔ فرینکفرٹ جرمنی کے ایئرپورٹ پر لکڑی کی بینچیں تھیں۔ فرانس کا پیرس ایئرپورٹ اس وقت کراچی کے ایئرپورٹ کی طرح خوبصورت نہیں تھا۔ حالانکہ موجودہ کراچی کا ایئرپورٹ انہی فرانس کے انجینئروں نے بنایا ہے۔ اگر آج بھی پیرس کی پرانی گلیوں میں جائیں تو آپ کو فرانس کی اصلی حالت مل جائے گی کہ تیس سال میں انہوں نے کتنی ترقی کی ہے۔ برطانیہ کے ایئرپورٹ بے شک بڑے تھے مگر جب چلتے تھے تو لکڑی کی چرمر کی آوازیں آتی تھیں۔ اتنی تمام خرابیوں کے باوجود اگر کسی پاکستانی کا ایمان تازہ کرنا ہو تو اس کو ایک ماہ کے لئے یورپ بھیج کر دیکھ لیں' جو کہتے ہیں کہ ہمیں پاکستان نہیں چاہئے ان کی اطلاع کے لئے بتادوں کہ یورپ کے کسی بھی شہر میں چلے جائیں اور وہاں کسی ہندوستانی' پاکستانی ریسٹورنٹ میں کھانے کا اتفاق ہوا تو ایک روٹی سو روپے میں ملے گی جبکہ کوئی بھی معمولی سے معمولی کھانا یورپ میں آٹھ سو روپے فی پلیٹ ملے گا۔ اگر آپ دو سمو سے آرڈر کریں گے تو وہ بھی سو روپے سے کم نہیں ملیں گے۔ چاول یا بریانی کی پلیٹ ان ریسٹورنٹس میں آٹھ سو سے ہزار روپے فی پلیٹ ملے گی۔ یہ مہنگائی صرف ہمیں محسوس ہوگی کیونکہ ہم نے پاکستان کی قدر نہیں کی اور نہ پاکستان کے لئے کچھ کیا۔ ہم اسلام کو بھول کر نئی نئی راہوں پر چل نکلے ہیں' اس سے یورپ اور دوسری قوموں نے فائدہ اٹھایا۔ ہمیں ایک دوسرے سے لڑا کر ہمیں اور ہماری معیشت کو کمزور کر دیا ہے اور یہ یہودی اور عیسائی حکمران صرف اور صرف مسلمانوں کے ابدی دشمن ہیں۔ اس کی زندہ مثال یہ ہے کہ جب انڈونیشیا اور ملائیشیا نے ایشین ٹائیگر بننے کی کوشش کی اور نعرہ لگایا کہ ہم یورپ اور امریکہ کا مقابلہ کریں گے تو صرف ایک دن میں انڈونیشیا کی کرنسی کو دو ہزار سے گرا کر سولہ ہزار روپے کر کے ڈالر کی حکمرانی قائم کر دی اور ملائیشیا کی

معیشت کے بانی وزیراعظم مہاتر محمد کو انور ابراہیم کے مقابل لا کھڑا کیا۔ جبکہ انور ابراہیم کو مہاتر محمد خود اپنا جانشین بنا چکے تھے ملائیشیا نے آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے نہ صرف قرضہ لینے سے انکار کیا تھا بلکہ ان کے قرضوں سے بچنے کے لئے ان کے خلاف ایشیائی محاذ بنایا تھا اور اب خود مہاتر محمد کی حکومت خطرے میں ہے۔ میرے اس تجزیے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت اچھا ملک پاکستان دیا ہے۔ خدارا اس کی قدر کریں اور تمام پاکستانی مل کر ایک مرتبہ پھر اس کی معیشت کو بحال کرنے کے لئے اپنے اپنے اختلافات بھلا کر دن رات ایک کر کے محنت کریں اور قومی معیشت بحال کر کے تیس سال پہلے والی سطح پر لے آئیں اور یہودی اور عیسائی سازش کو ناکام بنادیں۔

امریکی مفادات کی کہانی

آج میں لندن میں ہوں' تمام اخبارات میں صدر کلنٹن نے صدام حسین کو آخری وارننگ دی ہوئی ہے کہ اگر یو این او کے انسپکٹروں کو عراق کے ممنوعہ ہتھیاروں کا معائنہ نہیں کرایا گیا تو امریکہ عراق کے خلاف جنگی کارروائی کرے گا۔ ابھی اس دھمکی کو ایک دن بھی نہیں گزرا تھا کہ صدام حسین نے رضامندی ظاہر کردی کہ وہ یو این او سے تعاون کرنے کے لئے تیار ہے مگر برطانیہ کے وزیراعظم ٹونی بلیئر نے امریکی دھمکی سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر اعلان کیا کہ ہمیں خلیج میں امن قائم کرنے کے لئے صدام حسین کو ہر حالت میں ہٹانا ہے اور اگر آئندہ صدام حسین نے کوئی گڑبڑ کی تو بغیر اعلان جنگ برطانیہ عراق پر حملہ کر کے صدام حسین کو ایسا مزہ چکھائے گا کہ اس کو وہ یاد رکھے گا برطانیہ کے وزیراعظم نے کلنٹن کے سارے اقدامات کا خیر مقدم کرتے ہوئے کلنٹن کو مشورہ دیا کہ وہ عراق کے ساتھ فیصلہ کن معاملات کرنے کے لئے سب سے پہلے صدام حسین کو ہٹانے کا بندوبست کریں۔

میں نے اپنے گزشتہ کالموں میں امریکی قوم اور صدور کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ امریکہ کے جب تک جس جس سے مفادات وابستہ ہوتے ہیں وہ اس کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہوتا ہے مثلاً افغانستان میں اسامہ بن لادن روسیوں سے جنگ کر رہے تھے تو وہ امریکہ کے ہیرو تھے مگر جب جنگ ختم

ہوگئی اور انہوں نے امریکی مفادات کا خیال نہیں رکھا تو آج وہ سب سے بڑے دہشت گرد بلکہ دہشت گردوں کے گاڈ فادر ہیں۔ اسی طرح جب ایران عراق جنگ ہوئی تو چونکہ ایران کی امریکہ کے ساتھ ناراضگی تھی تو یہی امریکہ صدر صدام حسین کو آٹھ سال تک اسلحہ' دوائیں مالی امداد دیتا رہا اور صدام حسین امریکہ کے ہیرو ٹھہرے' مگر جب سے کویت عراق جنگ ہوئی ہے یہی صدام حسین امریکہ کی آنکھوں میں کھٹک رہے ہیں۔ امریکہ ان کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ صدام حسین ہمیشہ امریکہ اور سی آئی اے کے ایجنٹ رہے ہیں' امریکہ ہی کے کہنے پر انہوں نے ایران سے جنگ کی اور میرے خیال میں امریکہ کی رضامندی نہ سہی مگر امریکہ کے علم میں ضرور تھا کہ عراق کویت پر حملہ کرنے والا ہے کیونکہ امریکہ کو خلیج میں اترنے کا بہانہ چاہئے تھا اور امریکہ سمیت یورپی ممالک کے مشترکہ مفادات تھے اور وہ صدام حسین سے حملہ کرا کے' عربوں کو بے وقوف بنا کر دہرے فائدے اٹھانا چاہتے تھے۔ اور یہ بات بعد ازاں ثابت ہوگئی کہ جنگ خلیج کا سب سے زیادہ فائدہ امریکہ کو پہنچا ہے۔ یعنی ایک طرف تو خلیج میں امریکن اڈے مفت میں مل گئے دوسرے ان کا پرانا اور بیکار اسلحہ اور فوج جو بیٹھی کھا رہی تھی' عربوں سے اس کی تمام قیمت وصول کرلی اور آج تک وصول کر رہے ہیں آج سعودی عرب و کویت اسی صدام حسین کی وجہ سے امریکی فوج اور اڈہ کو برداشت کر رہے ہیں اور امریکہ کو اپنا دوست سمجھتے ہیں۔ اس موقع پر ایک حکایت یاد آرہی ہے وہ یہ کہ ایک چرواہے کے پاس بہت سی بھیڑیں تھیں' اس کا گھر جنگل کے پاس تھا تو ہر پندرہ بیس دن کے بعد ایک بھیڑیا آتا تھا اور ایک بھیڑ کو رات کے اندھیرے میں اٹھا کر لے جاتا تھا جس کی وجہ سے چرواہا پریشان رہتا تھا اور راتوں کو جاگتا تھا مگر پھر بھی بھیڑیا اس کی بھیڑ کو اٹھا کر لے جاتا تھا۔ ایک دن اس کا ایک دوست ملنے آیا تو چرواہے نے اس سے اپنی مصیبت کا ذکر کیا۔ اس کے دوست نے کہا اب وہ فکر نہ کرے اس کے پاس ایک زبردست امریکن نسل کا بلڈوگ ہے وہ بھیڑیے کو مار ڈالے گا اور اس کی بھیڑ' بکریوں کی حفاظت بھی کرے گا۔ چرواہا بڑا خوش ہوا کہ چلو اس کو اس مصیبت سے نجات مل جائے گی۔ چند روز بعد اس کا دوست ایک بڑا خونخوار بلڈوگ چھوڑ کر چلا گیا مگر چند دن بعد پھر بھیڑیا آیا اور اس کی بھیڑ اٹھا کر لے گیا پہلے چونکہ چرواہا جاگتا رہتا تھا تو بھیڑیے کو پندرہ بیس دنوں کے بعد موقع لگتا تھا مگر اب چونکہ چرواہا بھی سو گیا اور رات کو اکثر بلڈوگ بھی سو جاتا تھا لہٰذا بھیڑیے کو اور آسانی ہوگئی اور اب وہ ہر دو چار روز بعد بھیڑ اٹھانے لگا۔ چرواہا پریشان

ہوا اور اپنے دوست کے پاس جا کر بتایا کہ بھیڑیا تو اب بھی بھیڑ اٹھا کر لے جا رہا ہے اور تمہارا بلڈوگ کچھ نہیں کرتا اور رات کو سو جاتا ہے۔ دوست نے چرواہے سے پوچھا کہ تم میرے بلڈوگ کو کیا کھلاتے ہو۔ چرواہے نے کہا گھر میں جو روٹی سالن میں کھاتا ہوں وہی اس بلڈوگ کو بھی کھلاتا ہوں۔ اس نے کہا بیوقوف' یہ اعلیٰ نسل کا بلڈوگ ہے اس کی غذا روزانہ آدھی بھیڑ صبح اور آدھی بھیڑ رات ہے' اگر تم نے اس کو بھیڑیں کھلائی ہوتیں تو یہ ہرگز رات کو نہیں سوتا مگر چونکہ تم نے اس کو اناج کھلا دیا ہے اس لئے وہ رات کو سو گیا۔ چرواہے نے دوست سے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ مجھے ایسے رکھوالے کی ضرورت نہیں جس کو روز میں ایک بھیڑ کھلاؤں اس سے تو وہ بھیڑیا اچھا کہ پندرہ بیس دن میں ایک بھیڑ کھا جاتا تھا بابا تم اس رکھوالے کو لے جاؤ مجھے نہیں چاہئے۔

بعینہ اب امریکہ اس چرواہے کے دوست کا کردار ادا کر رہا ہے کیونکہ صدام حسین نے بھی تو کویت سے تیل کی آمدنی کا حصہ مانگا تھا۔ اگر تمام عرب ممالک مل کر اپنے اپنے اختلافات بھلا کر صدام حسین سے بات کریں تو میرے خیال میں صدام حسین کو اور عراقی قوم کو اتنی سزا مل چکی ہے کہ اب وہ دوبارہ یہ غلطی نہیں دہرائے گا اور امریکی افواج کے اخراجات سے بھی نجات مل جائے گی اور اس طرح صدام حسین کا ڈر بھی ختم ہو جائے گا کیونکہ میرے خیال میں ابھی تک امریکی صدر پر مونیکا کی تلوار لٹک رہی ہے اور صدر کلنٹن امریکی قوم کی توجہ ہٹانے کے لئے کوئی بھی بڑا اقدام کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ اگر مونیکا کا کیس چلا تو ان کا اقتدار خطرہ میں پڑ جائے گا اور رہا عزت کا معاملہ تو وہ تو آنی جانی چیز ہے۔

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

پچھلے ہفتے یورپ کے دورے میں فرانس جانے کا بھی اتفاق ہوا۔ پیرس میں وہ ٹنل (سرنگ) دیکھنے کا اتفاق ہوا جس میں گزشتہ سال لیڈی ڈیانا کی کار کا حادثہ ہوا تھا جس میں ان کی اور ان کے ہونے والے شوہر ڈوڈی فائد کے علاوہ ان کے ڈرائیور کی موت واقع ہو گئی تھی۔ فرانس کی پولیس ابھی تک اس حادثہ کی تحقیقات کر رہی ہے کہ حادثہ کیوں اور کیسے ہوا۔

پیرس سے جب لندن پہنچا تو سخت سردی تھی۔ صبح کا اخبار "ڈیلی میل" جو لندن سے شائع ہوتا ہے ۱۹ نومبر ۱۹۹۸ء کی اشاعت کی صفحہ اول کی ہیڈ لائن پڑھ کر پسینہ آ گیا۔ خبر یہ تھی کہ لیڈی ڈیانا کی موت ڈرائیور ہنری پال کے غلط گیر لگانے سے واقع ہوئی تھی کیونکہ جب گاڑی سرنگ میں داخل ہوئی اس وقت گاڑی کی رفتار ۶۵ میل فی گھنٹہ تھی' چونکہ ڈرائیور نے زیادہ شراب پی تھی اس لیے نشے میں اس نے مرسیڈیز لیموزین کی رفتار کم کرنے کے لئے بریک لگانے کے بجائے اس آٹومیٹک گاڑی کو نیوٹرل میں ڈال دیا تاکہ رفتار کم ہو سکے۔ رفتار کم ہونے کے بجائے گاڑی کی رفتار بڑھ گئی جس کی وجہ سے وہ سرنگ کے پول سے ٹکرا کر دوسری دیوار سے ٹکرائی اور آناً فاناً اس حادثہ میں تین موتیں واقع ہو گئیں اور صرف باڈی گارڈ زندہ بچا۔ جس نے حادثہ کا موقع پر تجزیہ کیا اس کا نام مائیکل نی بودہ ہے۔ اس نے اپنی رپورٹ

میں لکھا ہے چونکہ شہزادی ڈیانا کو رٹز ہوٹل والوں نے غلط ڈرائیور فراہم کیا تھا کیونکہ اس کے خیال میں مرنے والا ڈرائیور پہلی بات تو یہ کہ وہ نشہ میں تھا دوسرے وہ اتنی بھاری گاڑی چلانے کا تجربہ نہیں رکھتا تھا لہٰذا ہوٹل کے مالک محمد الفائد کے خلاف تینوں کے قتل کا مقدمہ درج کر کے سزا دی جائے۔ یعنی مقتول کے باپ کو جو اس وقت پیرس سے دور لندن میں سو رہا تھا اس پر قتل کا مقدمہ چلایا جائے کہ اس کے ہوٹل کی انتظامیہ نے غلط ڈرائیور کیوں فراہم کیا جبکہ یہ گاڑی بھی کرایہ پر رینٹ اے کار والوں سے لی گئی تھی۔

اس موقع پر فرانس والوں نے انگلستان والوں کے ساتھ جس طرح دوستی نبھائی ہے اس پر داد دینے کو دل چاہتا ہے کہ کتنی صفائی سے شہزادی ڈیانا کے قتل کے اصلی مجرموں کو پکڑنے کے بجائے فرانس اور ملکہ برطانیہ دونوں کو نکال کر حادثہ کا ذمہ دار خود مقتول کے باپ کو ٹھہرا دیا تاکہ دونوں ممالک دنیا کی نگاہوں میں کافی مشکوک سمجھے جا رہے تھے' شکوک و شبہات سے بچ جائیں۔ انگریزوں پر سے الزام ہٹا کر اور مسلمانوں پر ڈال کر دراصل ان شاطروں نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔ دنیا جانتی ہے کہ شہزادی ڈیانا کچھ ہی دن بعد مسلمان ہو کر محمد الفائد کے بیٹے سے شادی کرنے والی تھی جو کہ ملکہ برطانیہ کو سخت ناپسند تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس شادی کے بعد ڈوڈی الفائد کے ہونے والے مسلمان بچے شہزادہ چارلس کے عیسائی بیٹوں کے سوتیلے بھائی کہلائیں شاید ایک برطانوی شہزادی کے بطن سے جنم لینے والے یہ عیسائی اور مسلمان بچے انگریزوں کی تاریخ بدل دیتے اور تخت برطانیہ ہل جاتا لہٰذا انگریزوں نے فرانس کے کندھے پر بندوق رکھ کر اتنی خوبصورتی سے چلائی کہ شہزادی ڈیانا بھی مر گئی اور ملکہ برطانیہ کا تخت بھی محفوظ ہو گیا۔

"ڈیلی میل" نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آگے لکھتا ہے کہ جو باڈی گارڈ زندہ بچا وہ بھی رٹز ہوٹل والوں پر کروڑوں ڈالر ہرجانے کا دعویٰ کرے گا کیونکہ وہ اب جسمانی اور ذہنی طور پر ناکارہ ہو چکا ہے۔ یعنی ایک طرف اس کا اکلوتا بیٹا مرا دوسری طرف اس کو تین افراد کے قتل کے مقدمہ کا سامنا کرنا پڑے گا اور تیسری طرف کروڑوں ڈالر ہرجانے کے طور پر ادا کرنا ہوں گے تاکہ وہ معاشی طور پر ختم ہو جائے۔ یہاں قارئین کو بتاتا چلوں کہ لندن میں انگریزوں کا ایک بہت بڑا اور عالی شان ڈیپارٹمنٹل اسٹور ہے اس کا نام ہیرالڈ ہے۔ یہ بہت قدیم دور کے انگریزوں کی نشانی سمجھا جاتا تھا جس کو کافی عرصہ

پہلے مصری نژاد مسلمان پرنس محمد الفائد نے خرید لیا تھا' اس سودے کو روکنے کے لئے لندن کی انتظامیہ نے بھرپور کوشش کی کہ یہ اسٹور مسلمانوں کے بجائے کسی بھی طریقہ سے کوئی دوسرا انگریز خرید لے مگر چونکہ محمد الفائد اس اسٹور کی پوری رقم پہلے ہی ادا کر چکا تھا لہٰذا عدالت نے محمد الفائد کے حق میں فیصلہ دیا جس کا ملکہ برطانیہ سمیت تمام قدامت پسند انگریزوں کو دلی طور پر صدمہ تھا۔ وہ ابھی تک اس صدمے سے ہی باہر نہیں آئے تھے کہ شہزادی ڈیانا نے اس اسٹور کے مالک کے اکلوتے بیٹے کے ساتھ شادی پر رضامندی ظاہر کر کے ملکہ برطانیہ کی راتوں کی نیند اڑا دی ان کو مسلمان کے ساتھ شادی ہرگز ہرگز پسند نہیں تھی اسی وجہ سے برطانیہ کی انٹیلی جنس شہزادی ڈیانا سے ہر قیمت پر چھٹکارا پانا چاہتی تھی وہ شہزادی کے پیچھے سایہ کی طرح لگی رہتی تھی اور اس منحوس رات کو اخباری فوٹوگرافروں کو پیچھے لگا کر وہ اپنا کام کر گئی۔ اس رات جب دنیا شہزادی ڈیانا کی اچانک موت پر سکتے میں تھی' ملکہ برطانیہ کو عین الزبتھ کو واقعی سکون کی نیند آ گئی تھی کیونکہ تاج برطانیہ یہ خطرہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹل گیا تھا۔ اب آنے والا وقت بتائے گا کہ شہزادی ڈیانا کے اصل قاتل کون تھے اور اگر اس رپورٹ کو صحیح مان لیا گیا تو فرانس کی عدالت کیا فیصلہ کرے گی۔ کیونکہ یہ دس صفحوں کی رپورٹ مفروضوں پر مشتمل ہے اس کا کوئی بھی چشم دید گواہ نہیں اور جو باڈی گارڈ زندہ بچا ہے اسے خفیہ طور پر خاموش کر دیا گیا ہے اور وہ اس قابل ہی نہیں ہے کہ کچھ بتا سکے۔

جنرل راج سے جنرل سیلز ٹیکس تک

ایک ماہ بعد یورپ سے پاکستان واپس آیا تو سندھ میں گورنر راج کو بھی ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا تھا۔ صبح کے اخبارات سے پتہ چلا کہ کراچی میں حالات کافی بہتر ہو رہے ہیں۔ گاڑیاں چھیننے کی وارداتوں میں کافی کمی ہو رہی ہے۔ دہشت گردی اور قتل کی وارداتوں میں بھی نمایاں کمی واقع ہوئی ہے صنعتکار اور تاجروں میں پائے جانے والے خوف اور خدشات کم ہو رہے ہیں۔ ریستورانوں میں ایک دفعہ پھر راتوں کو گہما گہمی ہوتی ہے' پولیس دہشت گردوں کو گرفتار کرنے میں مصروف ہے' کراچی کے مضافاتی علاقوں سے ہر رات سینکڑوں نوجوانوں کو گرفتار کیا جاتا ہے اور پھر مک مکا بھی ہوتا ہے اور یقیناً ان میں بے قصور بھی گرفتار ہوتے ہیں جن کے غریب والدین اپنے بچوں کو پولیس کے روایتی تشدد سے بچانے کے لیے اپنی جمع پونجی سے یا ادھار روپیہ لے کر اپنے بچوں کو آزاد کراتے ہیں یہ سراسر زیادتی ہے کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس رہا ہے۔ گورنر صاحب کو اس پر خصوصی توجہ دینی چاہئے کہ کوئی بھی مظلوم پولیس کے ہاتھ نہ مارا جائے اور نہ ہی مک مکا کا سلسلہ جاری رہے اس کے لئے سی پی ایل سی میں ایک خصوصی سیل بنا دیا جائے اور دہشت گردی کے شبہ میں لائے جانے والے تمام ملزموں کو ایک جگہ رکھا جائے اور بغیر تشدد کئے ان سے پوچھ گچھ کی جائے اور جو بے قصور ہوں ان کو بلا تاخیر رہا کیا جائے اور جلد از جلد فوجی عدالتیں لگائی جائیں تاکہ دہشت گردی میں ملوث افراد کو عبرت ناک سزائیں دی جائیں

اور کسی کو بھی دوبارہ غنڈہ گردی' بھتہ خوری' دہشت گردی کرنے کی جرات نہ ہو۔ اگر اس میں دیر کی گئی یا پھر انصاف فراہم نہ کیا گیا تو اس سے فوج کی بھی بدنامی ہو گی اور حالات بھی قابو سے باہر ہو جائیں گے۔

گورنر سندھ کو میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ بے داغ شخصیتوں پر مشتمل ایک گروپ تشکیل دیں جو مختلف علاقوں میں جا کر یہ معلومات کریں کہ کسی تھانے میں کوئی بے گناہ گرفتار تو نہیں ہے یا کسی پر بے جا تشدد کر کے اپنی مرضی کے بیانات تو نہیں لئے جا رہے ہیں فوج اور رینجرز کے خلاف نفرت تو نہیں پائی جاتی ہے' صنعتکاروں اور تاجروں سے در پردہ پھر سے بھتہ تو نہیں لیا جا رہا ہے۔ کیونکہ ہماری پولیس شاہ سے زیادہ شاہ کی وفاداری میں بھی بہت شہرت رکھتی ہے اور اس وفاداری کو نبھانے میں کئی اخباری نمائندوں کے ساتھ اپنا روایتی سلوک کر چکی ہے چونکہ وہ چند صحافی تھے جن کا عوام کو فوری طور پر پتہ چل گیا اور انتظامیہ نے معذرت کر لی مگر ان بے چارے غریب مظلوموں کی کون دادرسی کرے گا جو خاموشی ہی خاموشی میں پولیس کے ہاتھوں تشدد کا شکار ہوں گے کیونکہ ان کے والدین کے پاس پولیس کو دینے کے لئے پیسہ ہے اور نہ ہی وہ کوئی پہنچ رکھتے ہیں۔۔

اس ہفتہ کی دوسری اہم خبر شادی کے کھانوں پر تین سال کے لئے مزید پابندی لگا دینے کی ہے۔ راقم الحروف نے اپنے پچھلے کالم میں لکھا تھا کہ اس پابندی کا مقصد فوت ہو چکا ہے کیونکہ علاقہ پولیس سے مل کر بہت سے شادی ہال کھلم کھلا کھانے کھلا رہے ہیں اور زائد رقم وصول کر کے ایک طرف اپنے شادی ہال سجا رہے ہیں اور دوسری طرف علاقہ پولیس کو بھتہ فراہم کر رہے ہیں۔ یا پھر عقیقہ' مہندی' محفل غزل اور رسم بسم اللہ کے نام سے اجازت لے کر کھلے عام کھانے کھلائے جا رہے ہیں اور اب تو فائیو اسٹار ہوٹل میں بھی ٹوکن سسٹم سے بوفے کھلائے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے اس کی افادیت ختم ہو چکی ہے۔ کم از کم صوبہ سندھ میں تو دعوت طعام اب دوبارہ ضروری ہو گئی ہے میرے خیال میں اگر ایک ڈش کی اجازت دیدی جاتی تو یہ کامیاب بھی ہوتی اور قابل قبول بھی۔ اسلام میں ولیمہ کی دعوت کو سنت کا درجہ حاصل ہے۔ البتہ اسراف سے بچنا چاہئے۔ جب تک پابندی نہیں تھی تو اس وقت تک شادی ہالوں میں دعوت طعام غیر قانونی نہیں تھی لیکن قانون بھی ایسا ہونا چاہئے جو قابل قبول اور قابل عمل ہو لہٰذا کابینہ کو چاہئے کہ وہ اس کو انا کا مسئلہ نہ بنائے کیونکہ پابندی لگنے سے یا نہ لگنے سے گوشت اور آٹے کی قیمتوں میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی آئندہ کمی ہونے کا امکان ہے۔ لہٰذا یہ فیصلہ واپس لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے یا پھر اس پر سختی سے عمل درآمد کرایا جائے تاکہ جو لوگ اس کی

استطاعت نہیں رکھتے ان پر کوئی انگلی نہ اٹھائے۔

اس ہفتہ کی آخری اور اہم خبر جنرل سیلز ٹیکس میں اضافے کی ہے۔ میں نے پچھلے کالموں میں جی ایس ٹی اور ٹیکسوں میں اضافہ کے خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ اور اب پھر ایک مرتبہ اس کا تفصیل سے ذکر کروں گا۔ ہمارے ملک میں آپ جتنا ٹیکس بڑھائیں گے اتنی ہی بڑی چوری کا راستہ پیدا ہو گا۔ اور آپ ٹیکس دینے والے بنانے کے بجائے ٹیکس کھانے والے بنائیں گے۔ بالخصوص ہمارے نئے وزیر خزانہ نے چند دن پہلے اعلان کیا تھا کہ ہم نہ ڈالر کی قیمت میں اضافہ کریں گے اور نہ ہی کوئی نیا ٹیکس لگائیں گے۔ مگر ابھی ان کے اعلان کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ سیلز ٹیکس 12½ فیصد سے 15% کر دیا گیا جبکہ وزیر اعظم صاحب نے پچھلے ماہ بجلی کے نرخ کم کر کے جو ریلیف دیا تھا اس سے کہیں زیادہ جنرل سیلز ٹیکس کے نام پر واپس لے لیا ہے۔ ایسے نام نہاد وعدوں سے قوم بیزار ہو چکی ہے۔ ہمارے پڑوسی ملک میں بی جے پی کی حکومت ایسی ہی مہنگائی کے ہاتھوں ختم ہو گئی ہے۔ عوام اب ایسے کھوکھلے وعدوں پر یقین کرنے کے بجائے اٹھا کر باہر کر دیتے ہیں۔ یقیناً بھارت میں ہونے والی اس تبدیلی کا اثر پاکستان میں آئے گا۔ ٹیکس بڑھانے کے بجائے ٹیکس کم کر کے اس سطح پر لے آئیں کہ لوگ ٹیکس ادا کریں نہ کہ ٹیکس چوری کریں۔ ٹیکس وصول کرنے والے اداروں کے سمجھنے کے لئے یہ واقعہ بہت کافی ہو سکتا ہے۔

ایک زمیندار کی عادت تھی کہ آدھی رات کو سونے کے بعد اٹھ کر ایک گلاس دودھ کا پیتا تھا' اس کو شک ہوا کہ اس کا ملازم دودھ میں پانی ملاتا ہے لہٰذا اس نے اس کو چیک کرنے کے لئے ایک اور ملازم رکھا کہ وہ اس کے دودھ میں پانی نہ ملائے اور ساتھ ساتھ پرانے ملازم پر بھی نگاہ رکھے۔ رات ہوئی تو پہلے ملازم نے دوسرے ملازم سے کہا کہ یار میں گلاس کا ایک حصہ پانی ملاتا تھا اب چونکہ تم میرے سپروائزر ہو تو ایک حصہ اور پانی کا بڑھا دیتا ہوں تاکہ تم بھی دودھ پی سکو۔ سپروائزر راضی ہو گیا۔ پہلے تو ایک چوتھائی پانی تھا مگر اب آدھا پانی اور آدھا دودھ رہ گیا۔ رات جب زمیندار نے دودھ پیا تو اس نے سپروائزر سے شکایت کی کہ آج تو دودھ کل سے بھی پتلا ہے۔ اس نے اس سپروائزر پر منیجر مقرر کر دیا کہ وہ دیکھے کہ کون دودھ میں پانی ملا رہا ہے اس منیجر نے ملازم اور سپروائزر کو بلا کر پوچھا' دونوں نے بتایا کہ وہ دودھ میں دو حصے پانی ملاتے ہیں۔ اب چونکہ آج آپ آگئے ہیں لہٰذا آپ کے حصہ کا دودھ الگ کر کے اس میں پانی ملا دیا جائے گا چنانچہ جب آدھی رات کو زمیندار نیند سے اٹھا اب چونکہ تین حصے پانی تھا اور ایک حصہ دودھ رہ گیا تھا لہٰذا اس کو اور بھی پتلا لگا صبح کو اس نے پھر شکایت کی کہ دودھ دن بدن پتلا ہو رہا

ہے لہٰذا اس نے فیصلہ کیا ہے کہ ان تمام پر ایک جنرل منیجر مقرر کر دیا جائے تاکہ پھر کوئی دودھ میں پانی نہ ملائے۔ رات ہوئی جنرل منیجر صاحب نے سب کو طلب کیا تو انہیں بتایا گیا کہ گزشتہ شب چونکہ تین افراد ڈیوٹی دے رہے تھے لہٰذا تین حصے پانی اور ایک حصہ دودھ دیا گیا تھا اب چونکہ آپ آگئے ہیں تو آپ کا حصہ بھی نکالا جائے گا۔ یعنی چاروں نے مل کر دودھ پی لیا اور سوئے ہوئے زمیندار کی مونچھوں پر دودھ کی بالائی لگا دی اور خالی گلاس سرہانے رکھ دیا۔ رات کو زمیندار جاگا اس نے دودھ طلب کیا تو جنرل منیجر نے بتایا کہ سرکار آپ تو پہلے ہی دودھ پی کر سو گئے تھے۔ زمیندار نے اصرار کیا کہ میں نے دودھ نہیں پیا۔ جنرل منیجر ایک آئینہ لے آیا اور دکھایا کہ دودھ آپ ہی نے پیا ہے' اس کی نشانی یہ ہے کہ دودھ کی بالائی آپ کی مونچھوں پر لگی ہوئی ہے زمیندار نے آئینہ دیکھا تو واقعی بالائی لگی ہوئی تھی۔ اس نے کہا ہو سکتا ہے کہ واقعی میں دودھ پی کر سو گیا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ بستر پر دراز ہو گیا تو یہی حالت ہمارے ٹیکس گزاروں کی ہے' اگر آپ ٹیکس بڑھانے کے بجائے ٹیکس کم کریں تو ٹیکس دینے کا رجحان فروغ پائے گا نہ کہ ٹیکس چوری کا۔ دوسری بات یہ کہ مغربی ممالک اگر ایک ہاتھ سے ٹیکس وصول کرتے ہیں تو دوسرے ہاتھ سے وہ انہیں عوام پر بے تحاشا خرچ بھی کرتے ہیں یعنی اگر کوئی بے روزگار ہو جائے تو اس کو گھر بیٹھے تنخواہ بھیج دیتے ہیں۔ اسی طرح ان کے آرام کے لئے سڑکیں باغات تفریح گاہیں بناتے ہیں۔ گھر رہنے کو نہ ہو تو مفت گھر دیتے ہیں۔ علاج معالجہ حکومت کے ذمہ ہوتا ہے۔ بڑھاپے میں آرام گاہیں' پنشن اور مفت سفر کی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ کیا ہم یہ مراعات دے رہے ہیں جبکہ ٹیکس وصول کرنے کا تناسب ان مغربی ممالک کے مقابلے میں سب سے زیادہ اور دینے کا صفر ہے تو کون خوشی سے ٹیکس دے گا۔ آخر میں چونکہ وزیر خزانہ صاحب نے فرمایا کہ ہم روپے کی قیمت کم نہیں کریں گے یعنی ڈالر چھیالیس روپے کا ہی رہے گا مجھے خدشہ ہے کہ ڈالر ایک مرتبہ پھر آفیشل چھیالیس روپے سے بڑھا کر روپے کو ڈی ویلیو کر دیا جائے گا۔ قوم اس کے لئے بھی تیار ہے۔ پنجابی کا محاورہ ہے اللہ خیر کرسی۔

حضور گئے کیوں تھے؟

آج کل وزیراعظم جناب نواز شریف کے دورہ امریکہ کا بڑا چرچا ہے۔ اگر اخبارات کا مطالعہ کیا جائے تو حزب اختلاف کی تمام پارٹیاں متفقہ طور پر اس دورے کو ناکام ترین دورہ قرار دیتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس اہم دورے میں، جس میں کشمیر، سی ٹی بی ٹی، F-16 جہازوں کی ادا کی ہوئی رقم کی واپسی کی بات چیت ہونا تھی، ان خواتین کا کیا کردار تھا جن کی ایک نمایاں تعداد دورے پر جانے والے سو سے زائد افراد کے وفد میں شامل تھی۔ اور ان تینوں اہم باتوں میں سے ایک بات بھی نواز شریف صدر کلنٹن سے نہیں منوا سکے اور نہ ہی لگی ہوئی پابندیاں ختم کروا سکے۔ دوسری طرف اس دورے سے پاکستان کے عوام کی سبکی ہوئی ہے۔ دورے پر کروڑوں روپے خرچ کئے گئے۔ بڑی بڑی لموزین گاڑیوں کا قافلہ کرایے پر لیا گیا۔ مہنگے ترین ہوٹلوں میں قیام کیا گیا۔ پی آئی اے کا طیارہ چوبیس گھنٹے روکا گیا جس سے نہ صرف پی آئی اے کی پروازوں کا نظام خراب ہوا۔ بلکہ بھاری مقدار میں زر مبادلہ بھی ضائع ہوا اور حاصل اس کے سوا کچھ نہیں ہوا کہ پاکستانی عوام کو دنیا کا سب سے بڑا بھیک مانگنے والا بنا کر ہماری قومی غیرت کو صدر کلنٹن کی جھولی میں ڈال دیا گیا۔ زی ٹی وی نے بڑی بڑی خبروں میں کشمیر کے موقف پر صدر کلنٹن کی ثالثی قبول نہ کرنے پر ہمارا مذاق اڑایا۔ جبکہ دوسری طرف مسلم لیگ والے اور حکومتی ادارے اس کو دوسرے معنی پہنا رہے ہیں، وہ کہہ رہے ہیں کہ نواز شریف نے کشمیر کا سودا نہیں کیا، سی ٹی بی ٹی پر دستخط نہیں کئے،

اقتصادی پابندی پر اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور واپس آ گئے اور صدر کلنٹن سے تنہائی میں ون ٹو ون بات چیت میں بھی امریکی صدر کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے، جس سے پاکستان کا وقار بلند ہوا ہے۔ عوام یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اگر یہ بات تھی تو حضور آپ گئے کیوں تھے۔ پاکستان سے ہی ٹیلی فون سے صدر کلنٹن سے بات چیت کر کے پہلے اپنے آنے کا مقصد بتاتے، اگر صدر ان باتوں پر رضامندی یا نیم رضامندی ظاہر کرتے، تب یہ دورہ کرتے، کیونکہ امریکی صدر کو تو یہ بات یاد تھی کہ ایٹمی دھماکہ کے دوسرے دن وزیراعظم نے قوم سے خطاب میں واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ ہم نے کشکول توڑ دیا ہے، ہم کسی سے ڈکٹیشن نہیں لیں گے اور اپنے مفادات کا سودا نہیں کریں گے۔ اگر ایک وقت بھوکا رہنا پڑے گا تو میں اور میری قوم اس قربانی کے لئے تیار ہے اور اسی دن فارن کرنسی اکاؤنٹ منجمد کر کے قوم سے تو اسی وقت قربانی لے لی۔ قوم بلبلا کر رہ گئی جبکہ اس رات حکمران جماعت سے تعلق رکھنے والے چند افراد نے خاموشی سے اپنے اپنے ڈالر بیرون ملک منتقل کر دیئے۔ اس افراتفری میں پاکستانی روپے کی قدر و قیمت ہل کر رہ گئی اور ڈالر مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا اور ایک مرحلے پر تو 64 روپے تک پہنچ گیا۔ جس پر اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے فوری اقدام کیا اور منی ایکسچینجروں پر دباؤ ڈال کر ڈالر کی قیمت 55 روپے پر واپس لائی گئیں۔

میں اکثر سوچتا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ دنیا کی دوسری بڑی طاقتوں میں جن میں چین، روس، برطانیہ، فرانس اور جرمنی شامل ہے کرنسیاں مستحکم کیوں رہتی ہیں اور یہ کہ امریکی ڈالر ہمیشہ تمام کرنسیوں پر چھایا رہتا ہے اور امریکہ اتنی بڑی بڑی امداد دینے کے باوجود روزانہ مالدار سے مالدار تر کیوں ہوتا جا رہا ہے، اس کی قوم اقتصادی ترقی میں سب سے آگے کیوں ہے؟ اس کا جواب مجھے ڈالر نوٹ پر لکھے ہوئے ایک جملے نے دیدیا۔ یہ جملہ انگریزی زبان میں ہر نوٹ پر لکھا ہوتا ہے وہ یہ ہے "We believe in God" یعنی ہمیں خدا پر بھروسہ ہے اور چودہ سو سال پہلے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "اے مسلمانو! خوشی اور مصیبت میں صرف اور صرف خدا پر بھروسہ کرنا اور جو لوگ خدا پر بھروسہ کریں گے خدا ان کو کبھی مایوس نہیں کرے گا۔" مگر ہم نے خدا پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیا اور امریکہ، آئی ایم ایف، ورلڈ بینک، پیرس کلب پر بھروسہ کرنا شروع کر دیا۔ تو خدا نے کہا جاؤ اپنے بھروسہ کرنے والوں کو آزماؤ، یہ یہود اور نصاریٰ کبھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے۔ وہ تو خدا پر بھروسہ کر رہے ہیں اور ہم ان

پر بھروسہ کررہے ہیں۔ یعنی مسلمانوں والے کام وہ کررہے ہیں اور ان کے کام ہم کررہے ہیں کیونکہ خدا پر بھروسہ کرنے والے خدا کے علاوہ نہ کسی کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور نہ کسی سے کچھ طلب کرتے ہیں۔ دوسری بات جو اسلام نے بار بار سود اور قرض لینے سے تنبیہہ کی ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں کام کرنے والے ہمیشہ تباہی اور بربادی والے راستہ پر چلتے ہیں۔ اس کی زندہ مثال ہماری ہے۔ ہم نے ہر ایک سے بھاری بھاری سود پر قرض لے رکھا ہے اور پوری قوم کو گروی رکھ دیا ہے۔ اپنے شاہانہ اخراجات کم کرنے کے بجائے کھوکھلے نعرے دیئے اور قرض کو فیشن سمجھ کر اپنی عیاشیوں اور شاہ خرچیوں پر قربان کردیا اور اب پہلا قرض اتارنے کے لئے نئے نئے قرض لے رہے ہیں اور اپنی بگڑی ہوئی عادتوں کو سنبھالنے کے بجائے اور بگاڑ رہے ہیں اپنی چادر کے باہر چھلانگیں لگا رہے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ ہم نے صدر کلنٹن کی باتیں ماننے کے بجائے اپنی قومی غیرت کا سودا نہیں کیا اور واپس آگئے۔ اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آرہا ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔ ایک فلم میں ایک کامیڈین اپنی محبوبہ کو گھوڑے پر بیٹھ کر کرتب دکھا کر مرعوب کررہا تھا تاکہ اس کی محبوبہ اس سے متاثر ہو کر اس سے شادی کرلے' باوجود اس حقیقت کے کہ وہ اچھا گھڑسوار نہیں تھا اس کے کرتب دکھانے کے دوران اچانک گھوڑا زور سے ہوا میں اچھلا اور وہ کامیڈین گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ مگر وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھا اور بجائے شرمندہ ہونے کے ہنس کر اپنی محبوبہ سے بولا دیکھا میرے اترنے کا اسٹائل' کہو کیسا لگا۔ شاید یہی کچھ عوام اس موجودہ امریکہ کے دورے سے سمجھ پائے ہیں یا پھر ان کو سمجھائیں کہ حضور گئے کیوں تھے کیونکہ پاکستان ٹیلی ویژن روزانہ جس انداز سے دورہ امریکہ کی کامیابیاں بتا رہا ہے وہ عوام کو گمراہ کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ پی ٹی وی قومی ادارہ ہے عام آدمی اخبارات نہیں پڑھ سکتا ملک کی آبادی کے دس فیصد عوام اخبارات کا مطالعہ کرتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ اخبارات آزاد ہیں۔ لہٰذا وہ اس دورہ کو ناکام ترین دوروں میں شمار کرتے ہیں جبکہ نوے فیصد عوام ٹی وی دیکھتے ہیں وہ یہ تاثر لے رہے ہیں کہ نواز شریف کا دورہ امریکہ کامیاب ترین دورہ تھا جس میں ہم نے کشمیر کے موقف پر امریکہ کو ثالثی کا کردار ادا کرنے کے لئے تیار کرلیا ہے جبکہ معاملہ اس کے برعکس ہے امریکہ نے ثالثی قبول کرنے سے انکار کردیا ہے۔ پی ٹی وی یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش میں ہے کہ ہمیں F-16 طیارے مل جائیں گے۔ یا اس کی رقم واپس مل جائے گی۔ اس طرح اقتصادی پابندیاں بھی ختم ہونے والی ہیں۔ جبکہ قرض دینے والے اداروں کی پاکستان کو ڈیفالٹر قرار دینے کی کارروائیاں آخری مراحل میں ہیں لہٰذا پی ٹی وی پر نام نہاد ماہرین کو بٹھا کر ان سے اپنے مطلب

کے فوائد گنوائے جارہے ہیں۔ اس کو روکا جائے کیونکہ دنیا بھر کے اخبارات' ٹیلی ویژن' جریدے متفقہ طور پر یہ نشاندہی کرچکے ہیں کہ وزیراعظم نواز شریف کا دورہ امریکہ ناکام رہا ہے اگرچہ یہ پاکستانی عوام کے لئے افسوسناک ہے' معاشی اعتبار سے نقصان دہ رہا ہے لہٰذا آئندہ کسی دورے پر جانے سے پہلے اس پر حکمت عملی طے ہونی چاہئے اور صرف متعلقہ افراد کو ہی لے جانا چاہئے۔ دورے میں سادگی اپنانا چاہئے۔ قومی خزانے کو عوام کی امانت سمجھ کر خرچ کرنا چاہئے۔

بدحواس لوگ غیر یقینی پرواز

حکومتی اداروں کی کوتاہیاں اور نااہلیاں تو سب کے سامنے ہیں اور عوام ان سے اچھی امیدیں نہیں رکھتے۔ مگر اب نیم سرکاری ادارے بھی ان خرافات میں ملوث ہو رہے ہیں۔ اس ہفتہ اسلام آباد اور لاہور جانے کا اتفاق ہوا تو پاکستان کے قومی ادارے پی آئی اے کی کارکردگی دیکھنے کا موقعہ ملا۔ یہاں یہ بتاتا چلوں کہ ان دنوں لاہور' اسلام آباد' ملتان اور پشاور میں بالخصوص بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے صبح سے دوپہر تک دھند اور کہر سے ڈھکا ہوتا ہے اور شام سے دوبارہ دھند اور کہر چھا جاتی ہے۔ میں اسلام آباد جانے کے لئے کراچی ایئرپورٹ پہنچا تو معلوم ہوا کہ ہماری فلائٹ جو سات بجے جانا تھی وہ اسلام آباد ایئرپورٹ پر کہر کی وجہ سے دو گھنٹے لیٹ ہے حالانکہ ایئرپورٹ روانہ ہونے سے پہلے حسب عادت ایئرپورٹ فلائٹ انکوائری سے فلائٹ کے بارے میں معلومات کرنے کے بعد ہی روانہ ہوا تھا اور مجھے یہ بتایا گیا کہ تمام فلائٹس ان ٹائم ہیں۔ یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ اول تو فلائٹ انکوائری کا نمبر 114 ملتا ہی نہیں اکثر انگیج ہوتا ہے اگر خدانخواستہ جلدی مل جائے تو ریکارڈنگ سنائی جاتی ہے کہ اس وقت فلائٹ انکوائری کی تمام لائنیں Busy ہیں۔ آپ اپنی باری کا انتظار کریں اور یہ سلسلہ تقریباً دس سے پندرہ منٹ تک جاری رہتا ہے اور پھر کہیں جاکر کوئی خاتون یا مرد اٹینڈ کرتے ہیں اور وہ اتنی عجلت میں ہوتے ہیں کہ صرف ایک جواب دے کر ٹیلی فون بند کر دیتے ہیں جس سے ہماری سول ایوی ایشن اور ایئرپورٹ انکوائری کی کارکردگی صاف ظاہر ہوتی ہے۔ ایئرپورٹ پر عجیب افراتفری مچی ہوئی تھی کیونکہ دوسری فلائٹیں لیٹ ہونے کی وجہ سے ایئرپورٹ مسافروں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ان مسافروں کو پی آئی اے کا

عملہ فلائٹ کے بارے میں صحیح معلومات فراہم کرنے سے قاصر تھا اور پھر آہستہ آہستہ پی آئی اے کے عملہ کے افراد مسافروں کو تسلی بخش جواب دینے کے بجائے وہاں سے کھسک گئے۔ بین الاقوامی ایاٹا کے رولز کے مطابق اگر جہاز دو گھنٹے یا اس سے زیادہ لیٹ ہو تو مسافروں کو ریفریشمنٹ دیا جاتا ہے' عملہ کے لوگ آکر مسافروں کو حالات سے آگاہ کرتے ہیں۔ مگر یہاں تو خود عملہ اتنی بدحواسی کا شکار ہوتا ہے اتنا تو شاید پسنجر بھی نہیں ہوتا۔ اللہ اللہ کر کے جہاز چار گھنٹے لیٹ روانہ ہوا اور رات بارہ بجے پہنچا۔ اس دوران ایئرپورٹ پر تمام مسافر پی آئی اے کے عملہ کو برا بھلا کہتے رہے مگر ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی اور نہ ہی کسی افسر نے آکر ان مسافروں کی دیکھ بھال کی' ان میں بچے اور خواتین سب سے زیادہ متاثر تھیں۔ یہی کچھ اسلام آباد سے لاہور آتے ہوئے ایئرپورٹ پر دیکھا کہ چھ چھ فلائٹس لیٹ ہیں۔ ایئرپورٹ کے اندر اور باہر مسافر اور ان کے رشتہ دار پریشانی کے عالم میں ادھر سے ادھر آجا رہے ہیں۔ لاہور ایئرپورٹ روانگی سے پہلے جب میں نے فلائٹ انکوائری سے اپنی فلائٹ کے بارے میں پوچھا تو مجھے بتایا کہ فلائٹ دو گھنٹے لیٹ ہے آپ بعد میں پتہ کریں۔ دو گھنٹے بعد پتہ کرنے پر بتایا کہ جہاز دو گھنٹے اور لیٹ ہے یعنی گیارہ بجے والی فلائٹ تین بجے جائے گی اور تمام فلائٹس فل ہیں۔ میں احتیاطاً دو گھنٹے پہلے یعنی ایک بجے پہنچا تو اول تو فرسٹ کلاس کے کاؤنٹر پر کوئی نہیں تھا۔ اکانومی کے کاؤنٹر پر عوام کا ہجوم تھا بڑی مشکل سے سپروائزر کے کہنے پر انہوں نے ایک خاتون کو فرسٹ کلاس کے کاؤنٹر پر بلایا اس خاتون نے فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لے کر کمپیوٹر دیکھ کر کہا کہ آپ کی سیٹ کسی اور کو دیدی گئی ہے کیونکہ آپ دیر سے آئے ہیں۔ فلائٹ کلوز ہو چکی ہے میں نے اس پر احتجاج کیا اور بتایا کہ میں صبح سے ایئرپورٹ رابطہ کرتا رہا وہاں مجھے تو یہ بتایا کہ فلائٹ تین بجے جا رہی ہے اور ابھی تو ایک بجا ہے اور جہاز روانہ بھی نہیں ہوا ہے بہرحال ایک سپروائزر آئے اور ازراہ ہمدردی اگلی جانے والی فلائٹ میں مجھے ایک سیٹ دے دی اندر پہنچا تو برا حال تھا لوگوں نے بتایا گیا کہ گزشتہ رات سے کوئی فلائٹ نہیں گئی ہے اور تمام مسافر ساری رات ایئرپورٹ پر پڑے رہے ہیں۔ ہر دو گھنٹے کے بعد دو دو گھنٹے کا اعلان کر دیا جاتا ہے لاہور ایئرپورٹ پر کوئی فرسٹ کلاس ویٹنگ روم نہیں ہے۔ اکانومی سے دوگنا کرایہ لے کر پی آئی اے ویٹنگ روم تک فراہم نہیں کرتی اور تو اور سول ایوی ایشن کا ادارہ اربوں روپے سالانہ وصول کرتا ہے وہ بھی مسافروں کے آرام کے لئے کچھ نہیں کرتا۔ اب ہر مسافر پر 25 روپے پنجاب ٹیکس اور عائد کر دیا گیا ہے جو کسی بھی طرح درست اقدام نہیں ہے' یہ صوبائیت کو ہوا دینے کے برابر ہے۔ ایک زمانہ تھا جب پی آئی اے کا شمار

دنیا کی چند بہترین ایئر لائنوں میں ہوتا تھا اور وقت کی پابندی تو پی آئی اے کا طرہ امتیاز تھی اسی لئے کہا جاتا تھا کہ باکمال لوگ لاجواب پرواز۔ اب جی چاہتا ہے کہ کہوں "بدحواس لوگ اور غیر یقینی پرواز" آج سے بارہ پندرہ سال پہلے گلف ایئرویز اور امارات کی حکومت میں فضائی تنازع ہوا۔ پی آئی اے نے امارات کو ایک نئی ایئر لائن بنا کر دی یہ وہی پاکستانی عملہ تھا جس کی وجہ سے پی آئی اے نے ترقی کی اور آج امارات کی ایمریٹس ایئر لائنز کا شمار دنیا کی پانچ اچھی اور بڑی ایئر لائنوں میں ہوتا ہے۔ وہ ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچی ہے کہ اپنی معیاری سروس کی وجہ سے ہر سال کوئی نہ کوئی بڑا ایوارڈ لیتی ہے جبکہ ہم تنزلی کی طرف گامزن ہیں اور ہمارا شمار گھٹیا سروس کی وجہ سے دن بدن خراب سے خراب تر ہو رہا ہے۔ کوئی پوچھ گچھ نہیں ہے مسافروں سے عملہ کا رویہ غیر دوستانہ اور روکھا ہوتا ہے شاذونادر کوئی اچھی طرح پیش آئے۔ کھانے کا معیار دن بدن گرتا جا رہا ہے۔ آج سے چالیس سال پہلے جو کھانا دیا جاتا تھا اتنی ترقی اور کرائے میں زبردست اضافے کے باوجود وہی کھانا کھلایا جاتا ہے کبھی کبھی تو باسی اور جلا ہوا بھی کھانا پیش کیا جاتا ہے کرپشن اور اقربا پروری عام ہے' ایئر ہوسٹس اپنی اپنی مرضی کی ڈیوٹیاں لگواتی ہیں ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ غیر ملکی لمبی لمبی پروازوں پر جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ الاؤنس وصول کرے۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہیں ان پروازوں سے روکا جائے بلکہ جن کی شکایتیں عام ہوں کم از کم ان کو ہرگز بین الاقوامی پروازوں پر نہ بھیجا جائے' اس سے ہمارے ملک کی بدنامی ہوتی ہے اور ان شکایتوں کے سلسلے میں یونین کا دباؤ ہرگز قبول نہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاکستان کے شمال میں پہاڑوں جھیلوں اور قدرتی مناظر سے بھرپور ایک طویل علاقہ دیا ہے جو کسی بھی طرح جنت سے کم نہیں ہے۔ مجھے دس سال پہلے نینی تال دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اپنے بزرگوں سے بڑی تعریفیں سنی تھیں مگر جب میں نے نینی تال دیکھا تو بڑی مایوسی ہوئی۔ جھیلیں جن میں چودھویں کی رات کو اپنا چہرہ نظر آتا تھا اب گندگی سے بھری پڑی تھیں۔ نینی تال تک سڑکیں ٹوٹی پڑی تھیں۔ البتہ سکھوں کے نوبیاہتا جوڑے ہنی مون منانے نینی تال جاتے ہیں۔ معمولی قسم کے ہوٹل تھے جبکہ ہمارے علاقے جس میں اسکردو' سوات' کالام' گلگت' ہنزہ' چترال کی پہاڑیاں جھیلیں اور وادیاں کسی بھی طرح سوئٹزرلینڈ سے کم نہیں ہیں مگر ہماری ٹورزم کارپوریشن بیرون ملک لوگوں کو اس سے آگاہ کرنے میں ناکام رہی ہے صرف اگر کے ٹو اور نانگا پربت کی معلوماتی فلمیں غیر ممالک میں دکھائیں تو یہی پہاڑ ہمارے لئے سونے سے زیادہ قیمتی زرمبادلہ پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں مگر کوئی حکومت اس طرف

توجہ نہیں دیتی اور ہمارے سفارت خانے بھی غیر ملکی سیاحوں کو پاکستان کے متعلق لٹریچر تک فراہم نہیں کرتے۔ ہمارے پڑوسی ممالک بھارت' نیپال اور تھائی لینڈ اربوں ڈالر صرف انہی سیاحوں سے کما رہے ہیں جبکہ ان کے پاس پاکستان جیسے خوبصورت علاقے برائے نام ہیں' رہی سہی کسر ہماری سول ایوی ایشن نے اپنی من مانی شرائط رکھ کر پوری کر دی ہے۔ پہلے دنیا کی تمام ایئر لائنز کراچی سے ڈائریکٹ یورپ کے لئے آتی جاتی تھیں۔ اب کوئی بھی غیر ملکی ایئر لائن ڈائریکٹ یورپ امریکہ نہیں جاتی وہ آتے اور جاتے وقت دبئی' ابوظہبی' بمبئی' بحرین' قطر' دوحہ یعنی نزدیکی گلف ریاستوں میں رکتی ہوئی جاتی ہیں کیونکہ ہماری سول ایوی ایشن کا رویہ ان غیر ملکی ایئر لائنوں کے ساتھ وہی بیوروکریٹ ٹائپ کا تھا اور لینڈنگ اور فیول کے داموں میں گلف ریاستوں سے زیادہ دام وصول کر رہے تھے جس کی وجہ سے جاپان' ترکی' برطانیہ' امریکہ' فلپائن' فرانس اور دیگر بڑی بڑی ایئر لائنوں نے کراچی سے اپنی فلائٹس ختم کر دیں۔ حال ہی میں لفتھنسا جرمن ایئر لائن نے بھی اسی سول ایوی ایشن کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے تمام پاکستان سے اپنی فلائٹیں بند کر کے یو اے ای میں اپنا دفتر قائم کر دیا ہے' وہ کب تک ان کی من مانی شرائط پوری کریں گے۔ گزشتہ بیس سال میں کوئی نئی ایئر لائن پاکستان میں نہیں آئی۔ البتہ بڑی بڑی ایئر لائنیں اپنا کاروبار بند کر کے ہندوستان یا پھر یو اے ای میں منتقل ہو چکی ہیں۔ اور جو ایئر لائنیں رہ گئی ہیں وہ بھی اپنا کاروبار ختم کرنے کی تیاری میں مصروف ہیں۔ ایک وقت آئے گا جب صرف اور صرف پاکستان سے پی آئی اے اور امارات کی پروازیں رہ جائیں گی۔ تعجب کا مقام ہے کہ اتنے بڑے ادارے میں کوئی سیل پروموشن کا عملی دفتر نہیں ہے اور نہ کوئی محکمہ ہے جو یہ دیکھے کہ ہم کیوں پیچھے جا رہے ہیں' وہ پی آئی اے جو اربوں غیر ملکی زرمبادلہ مہیا کرتی تھی آج اس کے اپنے جہاز غیر ملکی زرمبادلہ نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان کے ایئرپورٹوں پر کھڑے ہیں۔ جس کی وجہ سے ایک طرف فلائٹس کینسل ہوتی ہیں دوسری طرف مسافروں کو پریشانی ہوتی ہے۔ دو سال سے موجودہ حکومت کے رکن قومی اسمبلی خاقان عباسی صاحب نے چارج سنبھالتے وقت کہا تھا کہ میں پی آئی اے کو دوبارہ نفع بخش ایئر لائن کے ساتھ ساتھ ماضی والا جملہ باکمال لوگ لاجواب پرواز واپس دلا دوں گا۔ ان کی طرف سے تو یہی کہا جاتا ہے کہ پی آئی اے ٹھیک ہو گئی ہے' باقی سب خیریت ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ ایک شخص کا تکیہ کلام تھا باقی سب خیریت ہے اس نے اپنی ماں کو خط لکھا کہ اماں میں یہاں آ کر بیمار ہو گیا ہوں باقی سب خیریت ہے' بیماری کی وجہ سے میرا کاروبار ختم ہو گیا ہے۔ باقی سب خیریت ہے کاروبار ختم ہونے سے کرایہ دار نے مجھے گھر

سے نکال دیا ہے' باقی سب خیریت ہے گھر سے نکالنے کی وجہ سے میں سڑک پر رات سو گیا تھا چور تمام سامان لے کر چلا گیا باقی سب خیریت ہے اب میں کوشش کر رہا ہوں کہ کسی طرح پاکستان واپس آجاؤں باقی سب خیریت ہے۔ بالکل اسی طرح ہماری پی آئی اے کا حال ہے Revenue کم ہو گیا۔ ملازمین بڑھ گئے۔ زر مبادلہ ختم ہو گیا' سروس اور کھانے کا معیار گر گیا۔ دیر سے جانے کے واقعات بڑھ گئے۔ پرزے ختم ہو گئے۔ جہاز پرانے ہو گئے۔ باقی سب خیریت ہے جو نئے چیئرمین سے امیدیں وابستہ تھیں وہ تقریباً ختم ہو چکی ہیں۔ باقی سب خیریت ہے۔

قارئین کرام! میری ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ معاشرے کی برائیوں کی طرف توجہ دلاؤں اور تجاویز دوں تاکہ جس مقصد کے لئے پاکستان بنا تھا وہ حاصل ہو سکے۔ مجھے اس بات کا بھی احساس ہے کہ میرے قلم میں اثر نہیں ہے۔ معاشرے میں برائی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ کبھی سوچتا ہوں کہ اس قلم کو بند کر کے رکھ دوں۔ مگر پھر مجھے حضرت نوح کا واقعہ یاد آجاتا ہے جو اپنی قوم کو اور خاص کر اپنے بیٹے کو برائی سے نہ روک سکے تو میں کہاں ایک ادنیٰ حقیر فقیر انسان ہوں۔ میرا کام نشاندہی کرنا ہے۔ وہ مجھے کرتے رہنا چاہئے۔ ہدایت دینا میرا کام نہیں ہے اور نہ میرے بس میں ہے' یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے وہ جب چاہتا ہے جس قوم کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے جب چاہتا ہے اس قوم میں کوئی مسیحا پیدا کر کے اس قوم کو اچھائی کی طرف گامزن کر دیتا ہے۔ کاش جلد ہی قائداعظم کی شکل میں ایک مرتبہ پھر کوئی مسیحا آجائے اور قوم کو اس بڑھتے ہوئے کرپشن سے نجات مل جائے۔

کاش ایسا ہو جائے

22 نومبر 1998ء کے کالم میں' میں نے امریکی مفادات کی کہانی کے عنوان سے آگاہ کیا تھا کہ امریکی صدر کلنٹن اپنے مواخذے سے بچنے کے لئے ہر بڑے سے بڑا کام کر گزریں گے اس میں عراق اور لیبیا پر حملہ سرفہرست ہو گا۔ یہی ہوا' جب کانگریس میں مواخذہ کی قرارداد پیش ہوئی' صدر کلنٹن نے بغیر اعلان جنگ عراق پر برطانیہ سے مل کر حملہ کر دیا۔ بیچاری مونیکا کا بدلہ مسلمانوں سے لے کر اپنے غصہ کو کم کر لیا مگر جیسا کہ میں نے اپنے کالم مورخہ 25 اگست میں لکھا تھا کہ امریکی صدر کسی بھی طرح اس جھوٹ بولنے پر مواخذے سے نہیں بچ سکیں گے وہی ہوا کہ کانگریس نے امریکی صدر کے جھوٹ بولنے پر ان کے خلاف قرارداد پاس کر دی اس طرح چار دن تک دن رات بمباری کر کے عراق میں ہزاروں بے گناہ شہریوں کو شہید کر دیا گیا کئی عمارتیں تباہ کر دی گئیں' ہزاروں زخمی ہسپتال میں بے کسی سے پڑے ہوئے ہیں۔ ہسپتالوں میں ادویات پہلے ہی نہیں تھیں جس کی وجہ سے سینکڑوں بچے پہلے ہی مر چکے ہیں اور دنیا کی تمام عدالتیں یا نام نہاد ہیومن رائٹ تنظیمیں خاموش ہیں اور امریکہ اور برطانیہ کی اس ننگی جارحیت کا کھلا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ نہ مسلمان تنظیمیں اور نہ ہی خلیجی ریاستیں کھل کر اس کی مذمت کر رہی ہیں۔ وہ تو کانگریس کا دباؤ تھا جس کی وجہ سے امریکی صدر اپنی خفت مٹانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ ورنہ چار دن چار ماہ بھی ہو سکتے تھے۔ دنیا میں طاقت کا توازن بگڑ چکا ہے ہر طرف امریکہ ہی امریکہ ہے تمام حکمران' بالخصوص مسلمان حکمران تو امریکی صدر کے گن گا کر ہی اپنی حکومت بچا رہے

ہیں اور جو بھی امریکہ سے ٹکر لیتا ہے یا امریکی صدر کی بات نہیں مانتا وہ یا تو دوسری دنیا پہنچ جاتا ہے یا پھر اس کی حکومت ختم کر دی جاتی ہے۔ امریکی وزارت خارجہ اور امریکن قونصل جنرل کے لئے ہر ملک میں حکمرانوں کو اپنی مرضی اور من مانی کی کھلی اجازت ہوتی ہے اور کبھی کبھی امریکن قونصل جنرل دھمکیوں سے بھی باز نہیں آتے۔ اگر ان کی کسی بات پر عمل نہ ہو یا اس کی خلاف ورزی کی جائے تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلم امہ کو کیا ہو گیا ہے جو امریکہ کو اپنا کعبہ سمجھنے لگی ہے۔ ہر مسلمان، خواہ وہ کسی بھی ملک سے ہو، دل میں امریکہ سے سخت ناراض ہے اس حملہ نے امریکہ کے وقار کو بری طرح مجروح کیا ہے اور امریکہ اس دھبہ کو سو سال تک بھی نہیں دھو سکے گا۔ مسلمان ملکوں میں چونکہ جمہوریت نہیں ہے اس لئے عوام خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں اندر ہی اندر مسلمانوں میں امریکہ اور برطانیہ کے خلاف لاوا پک رہا ہے۔ خلیج کی ریاستوں کے حکمرانوں کی خاموشی اس پر تیل کا کام کر رہی ہے ان امریکن اور مغربی ممالک کے چہرے مسلمانوں اور عیسائیوں کے معاملات میں کھل کر سامنے آ چکے ہیں۔ چیک، یوگوسلاویہ، کروشیا اور کوسووو کے معاملے میں یکطرفہ مظالم کھلی کتاب کی طرح مسلمانوں کے سامنے ہیں مگر کسی کو مسلمانوں کی حمایت کی توفیق نہیں ہوتی اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا یعنی اگر مسلمانوں نے یہی عمل عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ دہرایا ہوتا تو یہی نام نہاد جمہوریت پسند مغربی ممالک امریکہ کے ساتھ مل کر یلغار کرتے اور مسلمانوں کی حکومت کو تہس نہس کر دیتے اور یہی ہیومن رائٹ تنظیمیں میدان میں آ کر مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتیں۔ مگر کیا کریں مسلمانوں کو ہمیشہ زیادہ نقصان مسلمانوں ہی سے ہوا ہے۔ مگر کلنٹن کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ فرعون اور نمرود اس وقت امریکہ سے زیادہ طاقتور تھے ان کی مرضی کے بغیر پتا نہیں ہل سکتا تھا اور جب قدرت نے اپنا ہاتھ دکھایا تو وہ ریت کی دیوار کی طرح بیٹھ گئے اور تاریخ میں اپنے بدترین کردار چھوڑ گئے۔ آج ان کا کوئی نام لیوا نہیں رہا۔ ہٹلر اور مسولینی تو اسی صدی کی پیداوار تھے۔ کہاں گم ہو گئے۔ قدرت کا انتقام اور مکافات عمل ہمیشہ، ہر دور میں رہا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ہر گلی میں ایک فرعون اور ہر بازار کا ایک نمرود ہوتا تو اللہ کا نظام پھر کیسے چلتا۔ روس کی ریاستیں اس کی زندہ مثال ہیں چند سال پہلے سپر پاور آج نہ وہ سپر پاور رہا اور نہ ہی اس میں اب پاور ہے وہ اپنے سکے روبل کو بچانے کے لئے ملک ملک بھیک مانگ رہا ہے جو کل تک شیر بن کر دوسروں کو دھمکایا کرتا تھا آج بلی کی طرح دم دبائے کونے میں بیٹھا ہے، جس خدا نے سوویت یونین کو پاش پاش کر دیا اور آج درجن بھر سے زائد ریاستیں، روس کے پنجہ استبداد سے رہائی پا کر

آزاد ہو چکی ہیں۔

امریکہ کی باون ریاستیں الگ کرنے میں بھی اب تاخیر نہیں کرے گا امریکن قوم اور صدر کا ظلم اب تمام حدیں توڑ چکا ہے وہ مسلمان ریاستوں کو ذلیل کرنے میں سب سے آگے ہیں۔ صدر کلنٹن کو شاید صدر نکسن کا حشر یاد نہیں ہے مجھے اللہ سے امید ہے کہ صدر کلنٹن کا حشر بھی صدر نکسن سے مختلف نہیں ہو گا۔ قدرت نے مونیکا کی شکل میں صدر کلنٹن پر عذاب مسلط کر دیا ہے۔ جس طرح نمرود کا ایک مچھر نے رات اور دن کا چین چھین رکھا تھا۔ بالکل اسی طرح مونیکا نے صدر کلنٹن کا دن اور رات کا چین چھین رکھا ہے۔ جس طرح دن اور رات نمرود کے سر پر جوتے برسائے جاتے تھے اسی طرح صدر کلنٹن کے سر پر دن اور رات اخبارات، ٹیلی ویژن سے مونیکا کے کارنامے تازیانے بن کر برستے ہیں اور جو بے عزتی ہو رہی ہے وہ سب کے سامنے ہے اور اتنی بڑی سپر پاور ملک کا صدر خاموشی سے ٹی وی پر دیکھتا اور سنتا ہے۔ اس سے زیادہ اس کی اللہ تعالیٰ اور کیا بے عزتی کروائے گا کہ خود اس کے عوام اس پر لعنت بھیج رہے ہیں۔ اخبارات صبح شام مونیکا مواخذہ کے جلد از جلد کروانے پر زور دے رہے ہیں۔ باوجود اس کے کہ کلنٹن اب بھی یہ سمجھ رہے ہیں کہ کوئی بھی ان کو صدارت سے نہیں ہٹا سکتا۔ مگر اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے، کلنٹن کو جانا پڑے گا۔ عراق، ایران جنگ کے شہداء، کویت عراق جنگ کے حالیہ عراق پر حملہ کے شہداء کا خون یقیناً رائیگاں نہیں جائے گا۔ قدرت نے ہمیشہ سپر پاورز کو عبرت ناک انجام سے دوچار کیا ہے تاکہ کوئی بھی قوت اللہ کے سامنے سینہ سپر نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کو چیلنج نہ کرے اور اب بھی اگر مسلم امہ ایک نہ ہوئی تو ان کی تباہی بھی کوئی نہیں روک سکے گا کیونکہ امریکہ اور مغربی ممالک اگر کسی سے خائف ہیں تو وہ صرف اور صرف مسلمانوں سے ہیں۔ کاش تمام مسلمان ممالک اپنے اپنے اختلافات بھلا کر اللہ کی رسی کو ایک مرتبہ پھر مضبوطی سے پکڑ لیں تو پھر یہی امریکہ ان کے قدموں میں آ گرے گا۔ کاش کہ ایسا ہو جائے۔

ہمارا پاکستان کب بنے گا

ہمارے ایک نوجوان پاکستانی دوست جو چند سال پہلے اپنا کاروبار ہانگ کانگ' یورپ اور خلیج سے سمیٹ کر پاکستان تشریف لائے۔ ان سے ایک افطار پارٹی میں ملاقات ہو گئی۔ اس نوجوان نے جو دیار غیر میں رہتا تھا اور پاکستانی اخبارات پڑھتا تھا۔ پاکستان سے بڑا خائف تھا کہ نہ جانے پاکستان کیسا ہو۔ اس کے ساتھ اس کے بھائی کیسا سلوک کریں۔ کراچی کا بھیانک نقشہ جو امریکیوں نے کھینچا ہوا تھا۔ وہ اس کے دماغ میں سمانے کے باوجود پاکستان کی محبت آخر کار اسے کراچی لے آئی۔ آج اس کا اسی کراچی میں کاروبار بھی سیٹ ہے اور سرمایہ بھی محفوظ ہے۔ اس کی زبانی آپ پاکستان کے بارے میں سنئے کہ وہ پاکستان کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ اس نے اپنا صرف دو سال کا تجربہ جو "پاکستان آنے کے بعد پاکستانیوں کو کیسا پایا" کہتا ہے کہ ہم پاکستانیوں کے لئے پاکستان دنیا میں جنت سے کم نہیں ہے۔ خدارا پاکستان کو برا مت کہو اس کی قدر کرو' اس ملک میں جس کے چار صوبے ہیں' ہر صوبہ اپنی جگہ قدرتی دولت سے مالا مال ہے ایک طرف تین صوبے دنیا میں پیدا ہونے والے تمام پھل اپنے اپنے موسم کے لحاظ سے بھرپور طریقے سے پیدا کر رہے ہیں۔ کون سی سبزی ہے جو ہمارے ملک میں پیدا نہیں ہوتی' کون سا اناج ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی سرزمین میں نہیں پیدا کیا۔ یعنی فار ایسٹ' خلیج اور یورپ میں کوئی ایک ملک تمام اناج پیدا نہیں کر سکتا یعنی اگر کوئی چاول پیدا کر رہا ہے تو وہ گیہوں نہیں پیدا کر سکتا' جو گیہوں پیدا

کر رہا ہے وہ مکئی جوار نہیں پیدا کر سکتا جو مکئی پیدا کر رہا ہے وہ دالیں نہیں پیدا کر سکتا یہی سبزیوں اور پھلوں کا حال ہے۔ مگر ہمارا ملک خدا کے فضل سے ہر پھل تمام سبزیاں اور تمام اناج پیدا کر رہا ہے اس ملک کو اللہ تعالیٰ نے قحط سے بھی محفوظ کر رکھا ہے کیونکہ تمام اناج الگ الگ موسم میں بوئے جاتے ہیں اور الگ الگ موسم میں کاٹے جاتے ہیں لہٰذا اگر ایک فصل خراب ہو تو اس کی جگہ دوسری فصل لے لیتی ہے۔ ہر چیز ہماری ضرورت سے زیادہ پیدا ہو رہی ہے بلکہ زیادتی کی وجہ سے اور ہمارے پاکستان میں اس کو صحیح طریقہ سے محفوظ رکھنے کے طریقہ کار اور ذرائع دستیاب نہ ہونے کے باعث یہ فاضل پھل سبزیاں اور اناج سڑ جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارے چوتھے صوبے بلوچستان میں زمین کے اندر اور باہر قدرت نے انمول پتھر' کوئلہ' پیٹرول اور گیس کے ذخائر کے ساتھ ساتھ سیب' بادام' خوبانی' انجیر' شہتوت' اخروٹ' اسٹابری' کھجوریں وافر مقدار میں پیدا کیں تاکہ پاکستان کسی بھی ملک کا دست نگر نہ ہو۔ بلوچستان کی بندرگاہ خلیجی ملکوں کے رابطہ کے علاوہ سمندری پیداوار میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ بہترین جھینگے اور مچھلیاں تو اپنا جواب نہیں رکھتیں' اس صوبے میں پیٹرول کے بھاری ذخائر ہیں مگر ہم نے ابھی تک صحیح منصوبہ بندی نہیں کی۔ ہماری اسی سرزمین سے پیٹرول گزر کر ایران جا رہا ہے اسی طرح گیس کے بھی ذخائر وافر مقدار میں ہیں مگر ہمیں اس کی قدر نہیں ہے۔ کراچی کی بندرگاہ یورپ اور فار ایسٹ کے درمیان رابطہ کا کردار ادا کرنے کے ساتھ ساتھ پورے ملک کے لئے تجارتی گزرگاہ ہے اور پاکستان کی معیشت میں 65 سے 70 فیصد اخراجات کا بوجھ برداشت کرتی ہے۔ الغرض اس ملک کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے البتہ اتنی خوبیوں کو ہمارے سیاستدان گھن کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ ہمارا بنیادی ڈھانچہ کونسلر سے لے کر ایم پی اے' ایم این اے سینیٹر تک کروڑوں روپے خرچ کر کے اربوں روپے وصول کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ آنے والی حکومت صرف جانے والی حکومت کا احتساب کرنے اور آپس میں بیان بازی میں وقت گزار دیتی ہے۔ منصوبہ بندی کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ شہروں اور دیہات میں سڑکوں اور بجلی کا نظام بہت خراب ہے مگر ہائی ویز اور موٹرویز بن رہے ہیں۔ عام شہری بنیادی ضرورتوں سے محروم ہیں۔

ہسپتالوں میں مریض دوائیں اور دیگر سہولتیں نہ ہونے کی وجہ سے سسک سسک کر جان دے دیتے ہیں' ان سیاستدانوں نے اربوں روپیہ قوم کا دبایا ہوا ہے ان کا کوئی احتساب کرنے والا نہیں ہے اور

یہی اس ملک کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ ہر شخص ملک کو برا بھلا کہتا ہے حالانکہ ہمارے عوام بڑے جفاکش ہیں۔ بغیر حکومت کی مدد اور حوصلہ شکنی کے باوجود تمام نجی سرمایہ کاری ہے اور ترقی میں صرف اور صرف عوام کی انتھک محنت کا دخل ہے' ایکسپورٹر کو حکومت کی طرف سے کوئی مراعات میسر نہیں ہیں۔ مگر وہ پھر بھی اپنے بل بوتے پر غیر ملکی کرنسی لا رہا ہے۔ ہماری بیوروکریسی اس میں مدد کرنے کے بجائے طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ اسی وجہ سے کرپشن کا بازار گرم ہے۔ بھاری بھاری درآمدی ڈیوٹیاں لگا کر برآمد کے راستے بند کئے جاتے ہیں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کو خوش کرنے کے لئے ان کے پروگراموں پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ اسٹیٹ بینک اور سی بی آر میں ان کو مستقل دفاتر مہیا کئے جا چکے ہیں جو ہماری تمام معیشت پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ ان سے پوچھ کر ہم اپنے روپے کی قیمت مقرر کرتے ہیں غیر ملکی زرمبادلہ نہ ہونے کے باوجود ان کے کہنے پر اشیاء تعیش اور ملک میں بننے والی ہر چیز درآمد کر رہے ہیں جس سے ہمارا ملک ڈیفالٹر ہونے کی طرف گامزن ہے پاکستان کو قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود بیرون ملک پاکستان کو غیر محفوظ اور سرمایہ کاری کے لئے غیر موزوں بتایا جاتا ہے تاکہ بیرون ملک سے کوئی سرمایہ کاری کے لئے نہ آئے حالانکہ پورے پاکستان میں جتنے قتل اور جرائم ہوتے ہیں اس سے کہیں زیادہ صرف امریکہ کے نیویارک سٹی میں ہوتے ہیں۔ وہاں صرف بیس ڈالر میں غیر ملکی کو یہی کالے اور گورے مار ڈالتے ہیں مگر امریکہ کو کوئی برا نہیں کہتا۔ کوئی غیر محفوظ نہیں سمجھتا۔ جبکہ خود امریکن رات گئے نیویارک شہر کے بھرے بازار میں اپنی خواتین کو اکیلے نہیں جانے دیتے۔ ایک واقعہ تو میرے ایک دوست نے سنایا کہ وہ ایک دن گرمی سے گھبرا کر نیویارک کے ایک پارک کے کونے میں درخت کے نیچے لیٹا ہوا تھا کہ ایک کالا آیا۔ اس نے ٹانگ مار کر میرے دوست کو جگایا' وہ ہڑبڑا کر اٹھا تو اس کالے نے اس سے پرس مانگا چونکہ میرا دوست کمزور تھا اور کالا کافی بھاری بھرکم تھا تو اس نے خاموشی سے اپنا پرس دے دیا اس کالے نے جب پرس کھولا تو اس میں صرف تیس ڈالر تھے وہ بڑا خفا ہوا اور اس نے میرے دوست کو ایک زوردار لات ماری اور کہا کہ حرام زادے' اس میں صرف تیس ڈالر ہیں۔ میرا وقت اس سے زیادہ قیمتی تھا۔ آئندہ جب گھر سے چلو تو پرس میں زیادہ سے زیادہ ڈالر رکھا کرو۔ یہ کہہ کر ایک اور زوردار لات ماری اور خالی پرس منہ پر مار کر چلا گیا۔

میرا اپنے اس نوجوان دوست کا تجربہ لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم سب اس آنے والے نئے

سال 1999ء کو خوش آمدید کہتے ہوئے یہ دعا کریں کہ اے خدا تو ہمارے ملک سے اس سیاسی گندگی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دے۔ یا تو ہمارے سیاست دانوں کو نیک ہدایت دے یا پھر ہمیں ایسا رہبر دے جو صحیح معنوں میں پاکستان کو اس گندے ماحول سے نجات دلا دے۔ یہ رمضان المبارک کا مہینہ ہے اسی مہینہ میں پاکستان وجود میں آیا تھا اس مہینہ کی برکت اور متبرک رات یعنی ستائیسویں شب کے صدقہ ہم تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایک کر دے۔ اور پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنا دے اور اس ملک کو اتنی ترقی عطا کر دے کہ یہ دوسروں سے قرضے مانگنے کے بجائے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے۔ اور اس پاکستان کو برا کہنے والے خود اپنے منہ کی کھائیں۔ اور اگر ہم نے اپنی اب بھی اصلاح نہ کی تو ایک سال اور ہم گنوا دیں گے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہم نے اکیاون سال گنوا دیئے ہیں۔ ہماری نئی نسل پوچھتی ہے کہ جس پاکستان کا خواب علامہ اقبالؒ نے دیکھا تھا وہ ہمارا پاکستان کب بنے گا؟!؟

تین عورتیں چار کہانیاں

گزشتہ ہفتہ کو اگر ہم ہفتہ خواتین کہیں تو غلط نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن بے نظیر بھٹو صاحبہ نے قومی اسمبلی میں وزیر اعظم نواز شریف پر کرپشن اور احتساب کے نام پر اپوزیشن کی کردار کشی والی پالیسی پر زبردست تنقید کی تو احتساب کمیشن کے سربراہ نے' جن کو یار لوگ اب احتساب الرحمان کہتے ہیں فوراً ہی ایکشن لیا اور بے نظیر صاحبہ کا نام' جو اپنے بچوں کے ساتھ عید منانے دبئی جارہی تھیں۔ ایئرپورٹ پر ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل کروادیا اور کہا کہ اگر وہ باہر گئیں تو احتساب کے عمل میں رکاوٹ پڑے گی۔ مگر قائد حزب اختلاف نے اپنا ارادہ ملتوی نہیں کیا اور پی پی پی کے عہدیداروں نے اعلان کردیا کہ اگر بے نظیر بھٹو کو روکا گیا تو کارکن زبردست مزاحمت کریں گے۔ اور پھر وہی ہوا جیسے ہی بے نظیر بھٹو صاحبہ ایئرپورٹ پہنچیں کارکنوں کی ایک بڑی تعداد پہلے ہی سے ایئرپورٹ پر موجود تھی اور اخباری نمائندے بشمول غیر ملکی ٹی وی اور دیگر میڈیا کے نمائندے یہ تماشہ دیکھنے کے لئے پہنچے ہوئے تھے تو ایف آئی اے نے ان کو کسٹم اور بورڈنگ کے تمام مراحل مکمل ہونے کے بعد آف لوڈ کی مہر ان کے پاسپورٹ پر لگا کر واپس کردیا۔ اس پر قائد حزب اختلاف نے اخباری نمائندوں سے کہا کہ چونکہ انہوں نے قومی اسمبلی میں حکومت کی کرپشن کا پردہ چاک کیا ہے اس وجہ سے حکومت بوکھلا کر ان کو ان کے بچوں سے دور رکھنا چاہتی ہے تاکہ وہ بچوں کے ساتھ عید نہ منا سکیں اور نہ ہی وہ اپنی والدہ سے مل سکیں اور ساتھ ساتھ ان کے وکیلوں نے ہائی کورٹ میں ان کے روکے جانے کے

خلاف رٹ داخل کی اور تب جا کر ان کو ہائی کورٹ کی وجہ سے دبئی جانے کی اجازت ملی اور وہ فوراً ہی دبئی روانہ ہوگئیں۔ عوام یہ جاننے سے قاصر ہیں کہ ہر حکومت برسر اقتدار آکر حزب اختلاف پر کیوں ایسی آنے اور جانے پر پابندیاں عائد کرتی ہے جس سے ایک طرف اخبارات اس جنگ کو ہوا دیتے ہیں اور دوسری طرف پوری دنیا کے اخبارات' ٹی وی سے ہماری جمہوریت پسندی پر کیچڑ اچھالی جاتی ہے۔ خاص طور پر ہمارے پڑوسی ملک کے ایک درجن ٹیلی ویژن نیٹ ورک کے لوگ اس کو بڑھا چڑھا کر مرچ مسالہ لگا کر دنیا کو دکھاتے ہیں اور پھر جا کر ہماری عدلیہ اس کی گلو خلاصی کراتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ دو سال میں بے نظیر بھٹو ایک درجن سے زیادہ مرتبہ گئیں اور واپس آگئیں۔ اس مرتبہ پھر اگر وہ چلی جاتیں تو کونسی قیامت ٹوٹ پڑتی۔ جب دو سال میں بھی ان کے اور ان کے شوہر کے ایک مقدمے کا بھی فیصلہ نہیں ہوسکا تھا تو دو ہفتہ میں کون سا عمل پھونکا جاتا جو ان کے مقدمات کا فیصلہ ہو جاتا۔ اس میں حکومت کی جو سبکی ہوئی وہ الگ ہوئی۔

دوسری خاتون بھی قائد حزب اختلاف کی سیکریٹری ناہید خان تھیں جنہوں نے پی پی پی ورکرز کی موجودگی میں مقدمہ کی سماعت کے دوران ہنگامہ آرائی میں حصہ لیا اور کسی نے آوازیں کسیں۔ کسی نے دوات الٹ دی تو مقدمات میں ناہید خان کا نام بھی آگیا' وہ اپنے اسلام آباد والے زرداری ہاؤس میں خود مقید ہوگئیں۔ ساری اسلام آباد کی پولیس اس روز جب بے نظیر بھٹو اسلام آباد سے کراچی جارہی تھیں تمام ایئرپورٹ کے راستے اور ایئرپورٹ پر پولیس کی یلغار سے عوام تک بیزار ہوگئے تھے۔ ہر گاڑی روک کر ناہید خان کی تلاش جاری تھی مگر تمام دن گزرنے کے باوجود ناہید خان زرداری ہاؤس سے ہی اعلانات کرتی رہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان خاتون کو گرفتار کرنے سے کونسا معرکہ سر ہوتا اور پولیس کو کون سا تمغہ مل جاتا۔ اتنے بڑے بڑے دہشت گرد اسلام آباد میں آزادانہ گھوم رہے ہیں انہیں تو پکڑنے کے لئے انتظامیہ کے پاس وقت نہیں ہے مگر ایک خاتون کو پکڑنے کے لئے پوری مشینری لگادی گئی اور وہی ہوا کہ ناہید خان کے وکیل نے عدالت سے ان کی گرفتاری کے خلاف ضمانت کروا کر پولیس اور انتظامیہ کی اس کوشش کو ناکام بنادیا اور پھر وہی اخبارات بڑی بڑی خبروں سے بھر گئے اور اس ڈرامہ کا بھی وہی ڈراپ سین ہوا۔

تیسری خاتون حمیرا کھوکھر ہیں۔ انہوں نے خاندان سے بغاوت کر کے اپنی مرضی سے شادی کرلی چونکہ ان کے والد پنجاب اسمبلی کے رکن ہیں اس وجہ سے پنجاب پولیس حرکت میں آگئی۔ حمیرا کھوکھر

کسی طرح کراچی پہنچ گئی اور ستار ایدھی کے ایدھی ہوم میں پناہ لے لی۔ مگر پنجاب پولیس اور حمیرا کے خاندان کے لوگ سونگھتے سونگھتے ایدھی ہوم پہنچ گئے۔ پولیس نے حمیرا کو برآمد کرلیا اور وہ پنجاب لے جانے لگے تھے کہ ہیومن رائٹ اور خواتین کی تنظیمیں حرکت میں آئیں اور انہوں نے گورنر سندھ معین الدین حیدر سے ملاقات کر کے حمیرا کھوکھر کو پنجاب جانے رکوایا۔ اگر گورنر سندھ نہ رکواتے تو نہ جانے سے اس بے چاری خاتون کا آج کیا حال ہوتا۔ اگرچہ پنجاب کی صوبائی حکومت نے کوئی مداخلت نہیں کی مگر پھر بھی اندرونی طور پر وہ گورنر سندھ کی مداخلت سے خوش نظر نہیں آتی۔ اگر اسی قسم کا کوئی واقعہ سندھ سے بھاگ کر جانے والی خاتون کے ساتھ پنجاب میں پیش آیا تو قیاس یہی ہے کہ پنجاب کی حکومت اس کو سندھ واپس نہیں جانے دے گی اور اس طرح صوبائی حکومتوں میں سٹہ بٹہ کا یہ رواج پا جائے گا جس سے نظریاتی جنگ چھڑ سکتی ہے انتظامیہ کو اس سلسلے میں بردباری سے کام لینا چاہئے اور دونوں فریقین کی رضامندی سے اس مسئلہ کو حل کرنا چاہئے۔ اتنی معمولی معمولی بات پر ایگزٹ کنٹرول لسٹ کا استعمال ایک مذاق بن جائے گا اور دو خاندان تباہ ہو جائیں گے اور دو صوبائی حکومتیں ایک دوسرے سے شاکی رہیں گی۔

قارئین چونکہ رمضان کا آخری عشرہ آنے کو ہے۔ میں عمرہ کی سعادت کے لئے سعودی عرب روانہ ہو رہا ہوں۔ انشاءاللہ عید کے بعد حجاز مقدس میں ہونے والے مشاہدات سے آپ کو آگاہ کروں گا اور کعبہ مقدس کی چادر پکڑ کر اپنے اس خوبصورت ملک پاکستان کی سرزمین' جس کو خود ہمارے بدخواہوں کی نظر لگ گئی ہے دعا کروں گا کہ اس کو مذہبی' لسانی' علاقائی فتنوں سے محفوظ رکھے اور آنے والا سال کسی بھی مسلمان بھائی کے خون سے رنگین نہ ہو اور خدا ہر مسلمان کو عقل سلیم عطا فرمائے وہ کسی کو بھی نقصان نہ پہنچائے۔ آمین۔

عمرہ کی تکالیف و تجاویز

رمضان کے آخری عشرہ میں عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے سعودی عرب روانہ ہوا۔ لیکن ویزے اور سیٹوں کے حصول میں جن دشواریوں کا سامنا ہوا اور جو تلخ تجربات ہوئے بحیثیت ایک مسلمان کے وہ انتہائی تکلیف دہ اور باعث ندامت تھے اور ان مسائل و مشکلات کا سامنا ان تمام عازمین کو ہوتا ہے جو خصوصاً ماہ رمضان المبارک میں عمرے کی سعادت کے حصول کے خواہش مند ہوتے ہیں ضروری سمجھتا ہوں کہ محکمہ حج و اوقاف کی توجہ اس جانب مبذول کراؤں۔

میری معلومات کے مطابق سعودی قونصلیٹ سے رمضان المبارک کے لیے عمرے کے ویزوں کا اجراء شعبان ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ویزے صرف پی آئی اے اور سعودی ایئر لائنز کو ہی جاری کئے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے رش لگ جاتا ہے اور لوگوں کو ایک ایک ہفتہ دھکے کھانے کے بعد ویزے ملتے ہیں۔ میرے خیال میں اگر جدہ جانے والی تمام ایئر لائنز یعنی امارات اور گلف وغیرہ کو بھی عمرے کے ویزے جاری کیے جائیں تو لوگوں کی تکالیف میں کمی واقع ہو گی۔ ایک بات جو ہر سال شدت سے محسوس کی جاتی ہے اور نہایت افسوسناک ہے' وہ یہ کہ ہر سال رمضان میں کراچی جدہ کا کرایہ بڑھا دیا جاتا ہے۔ دنیا میں تمام مذاہب اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لیے اور مذہبی تہواروں پر کرایوں میں خصوصی کمی کر دیتے ہیں یعنی کرسمس اور نیو ایئر کے موقع پر خصوصی رعایت دیتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اپنے اپنے رشتہ داروں سے مل سکیں۔ مگر ہماری حکومت اس اہم ترین مذہبی فریضہ کے موقع پر ہر سال

کرایوں میں اضافہ کردیتی ہے اور عام آدمی کے لیے سہولت کے بجائے پریشانی پیدا کردیتی ہے۔اور یہ اضافے بھی نہایت غیر معمولی ہوتا ہے۔یعنی اس سال اٹھارہ ہزار روپے سے بڑھا کر 23000 روپے کردیا گیا پاکستان کی نئی ایئر لائنز' جن میں ایروایشیاء سب سے زیادہ فعال ہے' اس کی انتظامیہ صرف بارہ ہزار روپے میں لانے اور لے جانے کے لئے تیار ہے' یعنی صرف نصف خرچ پر۔میرے خیال میں دوسری ایئر لائنز سے بھی اگر کھلا کمپٹیشن کیا جائے' تو کرایے میں نمایاں کمی ہوگی اور زیادہ سے زیادہ لوگ عمرے کی سعادت حاصل کرسکیں گے۔اس سے حکومت کی نیک نامی میں اضافہ ہوگا اور لوگوں کی دعائیں بھی ملیں گی۔میری سعودی قونصلیٹ سے گزارش ہے کہ وہ حج کی طرح پہلے سے اعلان کردیں کہ وہ اس سال عمرے کے کتنے ویزے جاری کریں گے۔دوسرے ایئر لائنز کی اجارہ داری ختم کردی جائے کیونکہ پی آئی اے اور سعودی ایئر لائنز کے پاس نشستیں کم ہیں۔اگر ویزا مل جائے تو نشستیں نہیں ملتیں اور اگر نشستیں ہوں تو ویزا بروقت نہیں ملتا۔تیسری اہم بات عمرے کی درخواست کے ساتھ گردن توڑ بخار کا انجکشن لگانے کے لئے صرف ایک ہی لیبارٹری کی مونوپولی ختم ہونی چاہئے۔پہلے یہ ٹیکے حکومت پاکستان مفت فراہم کرتی تھی۔اب یہ معمولی ٹیکے لگانے کی چونکہ سعودی قونصلیٹ نے صرف ایک لیبارٹری کو اجازت دی ہے اس لیے وہ تین سو سے پانچ سو روپے تک وصول کررہے ہیں' اگر کسی کو صرف سرٹیفکیٹ چاہئے تو وہ بغیر ٹیکہ لگائے پانچ سو روپے میں جاری کردیتے ہیں۔لہٰذا سعودی حکومت کا مقصد فوت ہوجاتا ہے اور میری معلومات کے مطابق یہ شرط کسی اور ملک میں نہیں لگائی جاتی تو صرف پاکستانیوں کے لیے اسے کیوں ضروری قرار دیا گیا ہے۔اس نامعقول شرط سے ایک طرف تین کروڑ روپے ضائع ہوتے ہیں اور دوسری طرف ہر شخص کا آدھا دن ضایع ہوتا ہے اور یہ لیبارٹری اپنی اجارہ داری کی وجہ سے بدنام ہے اس نامناسب شرط سے سعودی قونصلیٹ کی بھی بدنامی ہوتی ہے کیونکہ اکثریت کا کہنا ہے کہ لیبارٹری اجارہ داری میں قونصلیٹ کا عملہ ملوث ہے۔

ایک بات جو قابل ستائش ہے وہ یہ کہ جب سے سعودی فرماں روا جناب فہد بن عبدالعزیز برسر اقتدار آئے ہیں' خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کی آرائش اور توسیع پر زبردست اور خصوصی توجہ دی گئی ہے جس کی وجہ سے لاکھوں زائرین اب آسانی سے حرم میں نماز ادا کرسکتے ہیں۔ایک محتاط اندازے کے مطابق حرم شریف کے اندر اور باہر تقریباً 20 لاکھ افراد بیک وقت نماز ادا کرسکتے ہیں۔اس جدید دور میں بھی اس سے بڑا اجتماع ناممکن ہے اور سعودی حکومت کو یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ صرف چند سو پولیس

اور انتظامیہ سے یہ پنج وقتہ کی نماز اور خصوصاً حج اور رمضان المبارک کے اجتماع کو اتنی خوش اسلوبی سے ہر سال مینیج (Manage) کرتے ہیں کہ دل سے دعا نکلتی ہے۔اندرونی اور بیرونی حرم کی آرائش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی ہے اور یقیناً یہ تعمیراتی حسن کا ایک شاہکار ہے۔دونوں حرموں میں آج بھی توسیع جاری ہے اور ہر سال اس میں اضافہ ہورہا ہے۔اس کے لئے شاہ فہد اور ان کے رفقاء مبارک باد کے مستحق ہیں۔مسجد نبوی اور خانہ کعبہ کی اس انتھک خدمت ہی کی وجہ سے سعودی عرب نے دنیا اور آخرت دونوں کمالی ہیں اور گلف کے دیگر ممالک کے مقابلے میں صنعتی ترقی بھی سب سے زیادہ کی ہے۔

میری سعودی حکومت سے گزارش ہے کہ مسجد نبوی اور حرم شریف میں جس طرح توسیع کی ہے اسی طرح عمرے اور حج کے لئے آنے اور جانے کے لئے جدہ اور مدینہ کے ایئرپورٹس میں بھی توسیع کی جائے۔کیونکہ ان زائرین کو آنے اور جانے میں چار سے آٹھ آٹھ گھنٹے لگ جاتے ہیں وقت کا یہ ضیاع بہت گراں گزرتا ہے اور خصوصاً اس صورت میں جبکہ یہ سعودی حکومت کے لیے یہ کوئی بہت بڑا کام نہیں اگر ان ایئرپورٹس پر خصوصی توجہ دی جائے تو وہ یقیناً قابل ستائش ہوگی اور زائرین مملکت سعودی عربیہ کی ترقی و خوشحالی کے لیے دعائیں کریں گے۔امریکہ اور برطانیہ میں جہاں ہر دس پندرہ سیکنڈ کے بعد جہاز اترتا اور چڑھتا ہے' وہاں زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے میں مسافر تمام مراحل سے فارغ ہوجاتا ہے کیونکہ ہر ایئرپورٹ پر سو سے زیادہ کاؤنٹر ہوتے ہیں جبکہ سعودی ایئرپورٹ پر زیادہ سے زیادہ ایک امیگریشن ہال میں آٹھ دس کاؤنٹر ہوتے ہیں اور اس کا عملہ بھی اتنا مستعد نہیں ہے جتنا دوسرے ممالک میں ہوتا ہے۔اس پر بھی خصوصی توجہ کی ضرورت ہے' کیونکہ جتنی سہولتیں میسر ہوں گی اتنی ہی نیک نامی ہوگی اور یقیناً لاکھوں زائرین کی وجہ سے سعودی معیشت مضبوط ہوگی اور صنعتی ترقی میں بھی اضافہ ہوگا کیونکہ صرف تیل کی پیداوار پر اب انحصار نہیں کیا جاسکتا۔امید ہے کہ سعودی حکام اس پر خاص توجہ دیں گے۔آخر میں سعودی حکام کی توجہ آنے والے زائرین کے لئے ہوٹلوں کی سہولت اور کرایہ کی طرف دلانا ضروری ہے شعبان اور رمضان المبارک میں ہوٹل اور ٹیکسیوں کے کرایے اتنے زیادہ بڑھا دیئے جاتے ہیں جو ایک عام مسافر کے لئے ناقابل برداشت ہوتے ہیں' اور خصوصاً آخری عشرہ رمضان میں ہوٹل اور ٹیکسیوں کے کرایوں میں دس دس گناہ اضافہ عازمین میں غم و غصے کا باعث بنتا ہے سعودی حکام کو اس طرف فوری توجہ دے کر ناجائز منافع خوری کرنے والوں کے خلاف ضروری کارروائی کرنا چاہئے کیونکہ اب تمام سال ہی لوگ عمرے پر آتے جاتے رہتے ہیں لہٰذا اب یہ کہنا کہ حج اور رمضان

کے دو سیزن رہ گئے ہیں' وہ غلط ہے۔

حرمین شریفین 'جس میں دنیا بھر کے سو سے زائد ممالک کے لاکھوں عازمین' بلا تفریق رنگ و نسل 'امیر غریب کے ایک امام کے پیچھے نمازیں ادا کرتے ہیں' ان میں اہل سنت' اہل تشیع' مالکی' شافعی' اہلحدیث' حنبلی' بوہری' اسماعیلی غرض کہ تمام فقہ کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ کوئی ہاتھ چھوڑ کر نمازیں پڑھ رہا ہے تو کوئی ہاتھ باندھ کر نماز پڑھ رہا ہے' کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے' ڈسپلن کا یہ نمونہ ان دونوں حرموں کے علاوہ کہیں اور دیکھنے میں نہیں آتا۔ تعجب ہوتا ہے کہ ہمارے پاکستان کے علمائے کرام' جو خود بھی ان روح پرور اجتماعات میں شریک ہوتے ہیں' اس جذبہ اخوت اور رواداری کا مظاہرہ کرنے اور اپنے اپنے زیر اثر طبقات میں اس کا پرچار کرنے کی ضرورت کا احساس کیوں نہیں کرتے۔ ان کی اسی کمزوری اور عدم توجہی کا نتیجہ ہے کہ مختلف فقہوں اور مسالک کے نام پر' بھائی کے ہاتھوں بھائی کا خون بہہ رہا ہے اور اکثر اوقات ملک اور اسلام دشمن عناصر' اس آڑ میں اپنا وار کر جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مختلف فقہوں کے ماننے والے مسلمان اسلام کے گلدستے کے وہ رنگا رنگ پھول ہیں جس کی خوشبوؤں سے گلشن اسلام مہک رہا ہے۔ اور اس کا مثالی مشاہدہ حجاز مقدس میں ہوتا ہے۔ یہاں کوئی ہری' کالی' لال' سفید کھدر کی ٹوپی کا ترجمان نہیں ملتا صرف اور صرف مسلمان نظر آتا ہے اور اسی جذبہ کی وجہ سے اس حرم کی حرمت برقرار ہے اسلام نے جو مذہب امن و آشتی ہے۔ ہم کو امن کے ساتھ رہنے کی تعلیم دی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے ہی مسلمان بھائی کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ ہم کو یہود و نصاریٰ دشمن نہیں لگتے بلکہ اپنے ہی مسلمان بھائی دشمن نظر آتے ہیں۔ مگر جب ہم اس حرم میں آتے ہیں تو ہمیں پنجابی' سندھی' بلوچی' پٹھان' مہاجر نظر نہیں آتا۔ ہم سب مسلمان بن جاتے ہیں مگر جیسے ہی اپنے ملک کی دہلیز پر قدم رکھتے ہیں تو لسانی و فقہی طبقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ ہماری سوچیں کیوں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ ایک چیز جس نے مجھے اس مرتبہ سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ تھی کہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو جب صلوٰۃ اللیل یعنی آخری شب کی نماز ادا کی جا رہی تھی تو مقامی اخبارات کے مطابق اس وقت تقریباً بیس لاکھ افراد نماز ادا کر رہے تھے۔ جیسے ہی امام کعبہ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے' بارش بھی شروع ہو گئی اور ایک گھنٹہ سے زیادہ موسلا دھار بارش ہوتی رہی مگر کوئی شخص 'عورت' بچہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا اور تمام جائے نمازوں اور کپڑوں کے بری طرح بھیگنے کے باوجود دعا جاری رہی دینی جذبے کی یہ ایک ایسی مثال تھی جو بھلا کے نہ بھول سکے گی۔ کاش مسلمان زندگی کے

ہر شعبے میں اسی طرح منظم و متحد ہو جائیں اور ناقابل شکست جذبے کا مظاہرہ کریں۔ اور اگر انہیں دنیا میں عزت و وقار کے ساتھ جینا ہے تو اس کا واحد راستہ ہی یہ ہے کہ وہ سیسہ پلائی دیوار کی طرح دشمنوں کے سامنے کھڑے ہو جائیں۔ ہم ایسا کریں گے تو کشمیر' فلسطین اور عالمی یہودی ساہوکار ہم پر اقتصادی پابندیاں لگانے کے بجائے اقتصادی اور معاشی طور پر ہمارے دست نگر اسرائیل اور بھارت منہ کی کھائیں گے امریکہ' برطانیہ اور فرانس کی معیشت زمیں بوس ہو جائے گی۔ کیونکہ ہم مسلمانوں کی دولت آج ان کے بینکوں میں محفوظ ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اگلے مضمون میں پاکستانی سفارتخانے اور حج کے حکام کی کارگزاری پر اپنی گزارشات اور مشاہدات پیش کروں گا کیونکہ تین ماہ بعد حج کا سیزن شروع ہو گا۔

حج کے مقدس کام میں بھی کمیشن

پچھلے ہفتے میں نے اپنے کالم میں عمرے کی تکالیف اور تجاویز لکھی تھیں آج میں نے پورے ہفتے حج پر آنے والے پاکستانی حاجیوں کی تکالیف اور پاکستانی سفارت خانہ' حج ڈائریکٹر جنرل اور پاکستان ہاؤس کے بارے میں معلومات جمع کیں جو مجھے سعودی عرب میں رہنے والے پاکستانی تاجر' ڈاکٹر' ملازم اور ٹیکسی ڈرائیوروں نے فراہم کی ہیں۔ یہ پاکستانی گزشتہ 10 سے 25 سال سے سعودی عرب میں مقیم ہیں اور انہوں نے ایسے انکشافات کئے ہیں اور ایسی باتیں بتائی ہیں جو شاید ہمارے سابق اور موجودہ وزراء حج اور اوقاف والوں کے علم میں بھی نہیں ہوں گی۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہو گا کہ پاکستان سے ہر سال تقریباً 60 ہزار حاجی قرعہ اندازی سے اور 40 ہزار حاجی اسپانسر شپ اسکیم کے تحت حج پر جاتے ہیں۔ قرعہ اندازی سے جانے والے تمام حاجیوں کے مکہ اور مدینہ میں ٹھہرنے کا انتظام حکومت پاکستان کے ذمہ ہوتا ہے۔ ان حاجی صاحبان سے چھ ماہ پہلے ہی ان کی قرعہ اندازی سے قبل کرایہ وصول کر لیا جاتا ہے۔ ان حاجی صاحبان کو مکہ اور مدینہ میں الگ الگ عمارتوں میں ٹھہرایا جاتا ہے۔ رمضان المبارک کے فوراً بعد ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے جس میں پاکستانی سفیر ہوتے ہیں اور اراکین میں کونسل جنرل' ڈائریکٹر جنرل حج' ڈائریکٹر مدینہ اور ڈائریکٹر فنانس ہوتے ہیں۔ یہ سب مل کر عمارتیں دیکھتے ہیں اور کرایہ پر لیتے ہیں۔ ان عمارتوں کے حصول میں بڑی سودے بازی ہوتی ہے اور اس سودے بازی میں درمیان کے لوگ خاصا

کمیشن رکھتے ہیں' جسے کمیٹی کے اراکین آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔ اگر یہ بلڈنگیں براہ راست مالکان سے کرایہ پر لی جائیں تو 30 سے 50 فیصد کم کرایہ پر مل جاتی ہیں مگر پھر پاکستانی سفارت خانے اور حج ڈائریکٹر صاحبان کو کروڑوں روپے کا کمیشن کیوں کر مل سکے گا۔ یہ بروکر گزشتہ دس سال سے حکومت پاکستان کی نام نہاد کمیٹی کے لئے معقول آمدنی کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں جن میں خاص طور پر نوبہار خان' ڈاکٹر گھیسم' قاری شکیل' شاہ نواز اور چند پاکستانی مولوی حضرات پیش پیش ہیں جنہوں نے اب سعودی عرب میں مستقل سکونت اختیار کر لی ہے' ہر سال پاکستانی حاجی صاحبان شکایت کرتے ہیں کہ انہیں پہاڑیوں پر دور دور ٹھہرایا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کی نمازیں قضا ہو جاتی ہیں۔ دراصل ان پہاڑیوں پر ان مولوی صاحبان نے سستی اور پرانی بلڈنگیں خرید رکھی ہیں۔ وہ سفارت خانے والوں کو دھمکی دیتے ہیں کہ اگر ان کی بلڈنگیں کرایہ پر نہیں لگائی گئیں تو وہ ان کا بھانڈا پھوڑ دیں گے۔ ان بلڈنگوں میں رہنے والے حاجی صاحبان کو ہر نماز کے لئے چڑھنا اترنا پڑتا ہے' ایک ایک بلڈنگ میں 500 سے 1000 حاجی بھرے جاتے ہیں اور حاجی کی حیثیت دیکھ کر ان سے 700 سے 1500 ریال تک کرایہ وصول کیا جاتا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ گزشتہ بیس سال سے ایک بھی ایماندار ڈائریکٹر جنرل حج نہیں آیا' اکثر سعودی عرب میں ہمارے ہی سفارت خانے کے افراد گھوم گھما کر واپس سعودی عرب میں اپنا تبادلہ کرا لیتے ہیں کیونکہ ان کو ہر سال کروڑوں روپے کمیشن ملتا ہے جو کسی اور ملک میں ممکن نہیں۔ موجودہ حج ڈائریکٹر جنرل بھی پہلے سفارت خانہ میں ملازمت کرتے تھے یقیناً انہوں نے ہماری وزارت امور خارجہ اور وزارت حج کے متعلقہ افسران سے مل کر اپنے آپ کو حج ڈائریکٹر لگوایا ہو گا اور ہمارے کونسل جنرل صاحب بھی پہلے صرف پاسپورٹ آفیسر تھے' اب ان کے ٹھاٹھ دیکھنے کے قابل ہیں۔ صرف اس بات سے اندازہ لگائیں کہ حکومت پاکستان 140 ریال (ایک سو چالیس ریال) فی حاجی ان بلڈنگوں میں ٹھہرائے جانے والوں کی مذمت کے لیے اضافی دیتی ہے یعنی اگر 60 ہزار حاجی صاحبان پر 140 ریال سے حساب لگایا جائے تو صرف اضافی خدمات کے عوض ساڑھے بارہ کروڑ روپے اوپر ہی اوپر ہضم کر لئے جاتے ہیں۔ مذکورہ رقم حاجیوں کو زم زم کا ٹھنڈا پانی اور چائے وغیرہ کے لئے دی جاتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ جن بلڈنگوں میں حاجی صاحبان ٹھہرتے ہیں ان کا ایک کمرہ کینٹین بنا کر کرایہ پر اٹھا دیا جاتا ہے' اس طرح سینکڑوں کینٹین کرایہ پر اٹھائی جاتی ہیں جس کا کوئی حساب نہیں رکھا جاتا۔ ان کینٹین کا ٹھیکہ سفارت خانے والے اپنے اپنے

دوستوں اور رشتہ داروں کو دیتے ہیں' اس میں مسلم لیگ' پیپلز پارٹی' ختم نبوت انٹرنیشنل کے ورکر اور عہدیداران شامل ہیں جو درمیانی بروکر کا بھی کردار ادا کرتے ہیں غرضیکہ ہر شخص اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کا خواہش مند نظر آتا ہے۔

عازمین حج کی سہولت کے لئے تقریباً 250 خدام بھیجے جاتے ہیں' یہ سب سفارشی ہوتے ہیں' ان کی دو ماہ کی تنخواہ اور ٹکٹ ملا کر حکومت پاکستان تقریباً چار کروڑ روپے خرچ کرتی ہے۔ اول تو یہ خدام خود سب سے پہلے عمرے کرنے میں لگ جاتے ہیں اور پھر حج کرنے میں سب سے آگے ہوتے ہیں۔ ان کا کام دراصل بھولے بھٹکے حاجیوں کو ان کی منزل تک پہنچانا ہوتا ہے۔ یہ خود بیچارے لوگوں سے پتہ پوچھتے رہتے ہیں کیونکہ ان خدام کو خود مکہ اور مدینہ کا راستہ معلوم نہیں ہوتا۔ دو سال قبل جب میں حج پر گیا تھا تو آخری دن مجھے حرم شریف کے باہر کونے میں دو خدام حضرات نظر آئے' وہ پاکستان کا جھنڈا پکڑے ہوئے تھے میں نے ان سے اپنے ہوٹل کا پتہ معلوم کیا تاکہ یہ جان سکوں کہ واقعی ان کو مکہ کے بارے میں بھی معلومات ہیں یا نہیں تو انہوں نے بتایا کہ وہ بالکل نئے ہیں اور انہیں پتہ معلوم نہیں۔ میں نے ان کے ہاتھ چومے تو وہ گھبرا گئے۔ مجھ سے پوچھنے لگے کہ آپ ہمارے ہاتھ کیوں چوم رہے ہو۔ میں نے کہا کہ ایک تو آپ ایک ماہ کے بعد نظر آئے ہیں اور اب نہ جانے کب نظر آئیں گے لہٰذا تبرکاً میں ہاتھ چوم رہا ہوں۔ میرے خیال میں پاکستان سے خدام بھیجنے کے بجائے اگر صرف پندرہ بیس' پاکستانیوں کو' جو جدہ میں رہتے ہیں یا مکہ اور مدینہ میں رہتے ہیں' اگر ہم دو ماہ کے لئے خدام بنا کر دونوں حرموں کے پاس کھڑا کر دیں تو ہمارے اخراجات میں کافی بچت ہو گی اور دوسری طرف وہ حجاج کرام کی خدمت بھی کر سکیں گے' انہیں مکہ اور مدینہ کا جغرافیہ معلوم ہو گا حکومت پاکستان ہر سال عازمین کے لئے تین ٹن دوائیں اور 200 افراد' جن میں سرجن' ڈاکٹر اور کمپاؤنڈر شامل ہوتے ہیں حج مشن پر بھیجتی ہے جو آدھے پاکستان ہاؤس مکہ کی بلڈنگ پر قابض ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی اسلام آباد کے سفارشی ہوتے ہیں' ان پر بھی تنخواہ اور ٹکٹوں وغیرہ کی مد میں چار کروڑ روپے خرچ ہوتے ہیں۔ اول تو اس مشن کا کوئی خاص فائدہ نہیں کیونکہ معمولی شربت اور گولیوں کے علاوہ ان کے پاس کوئی دوا ہوتی ہی نہیں' لہٰذا حاجی صاحبان سرکاری ہسپتالوں سے علاج کرواتے ہیں۔ سعودی حکومت نے دنیا بھر کے حاجی صاحبان کے لئے ڈاکٹروں' نرسوں اور ہسپتالوں کا جال بچھا رکھا ہے لہٰذا ان ڈاکٹروں کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا اس

خصوصی حج مشن کو ختم کر کے چار کروڑ روپے کی بچت کی جا سکتی ہے اور تین ٹن دوا بھی بچے گی۔ میری وزیر حج اور اوقاف جناب راجہ ظفر الحق صاحب سے گزارش ہے کہ وہ خود جا کر ان حالات کا جائزہ لیں۔ حاجی صاحبان کو دور دور اور الگ الگ بلڈنگوں میں رکھنے کے بجائے قریب قریب کی بلڈنگوں میں ٹھہرانے کا اہتمام کرائیں' درمیان سے ان بروکر حضرات کو نکال کر براہ راست عمارات کے مالکان سے عمارتیں حاصل کریں' حج ڈائریکٹر اور راشی عملہ کو برطرف کر کے ایماندار افراد کو بھیجیں یہ ان کے فرائض میں شامل ہے کیونکہ اگر حاجی صاحبان کو آرام کے بجائے تکلیف ہو گی تو دنیا اور آخرت دونوں میں ان سے پوچھ گچھ ہو گی۔ حاجی جب اللہ کے گھر جاتا ہے تو وہ اللہ کا مہمان ہوتا ہے۔ اگر کوئی آپ کے مہمان کو تکلیف دے تو کیا آپ اس سے درگزر کریں گے' نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اللہ کے مہمان کو ان قصابوں کے حوالے کیوں کرتے ہیں جبکہ آپ ان سے تمام معاوضہ پیشگی لے چکے ہوتے ہیں۔ ان میں بوڑھے بچے عورتیں سب ہی شامل ہیں ان کی صحیح خدمت کر کے دعائیں کیوں نہیں لیتے۔!

آخر میں آپ کی توجہ معلم حضرات کی کارگزاری کی طرف بھی مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

پاکستانی حاجیوں کے لئے سعودی عرب میں سعودی معلم ہوتے ہیں جو ہماری زبان سے نابلد ہوتے ہیں' جبکہ ایران' انڈونیشیا اور ترکی کے معلم خود ان کے اپنے ممالک کے ہوتے ہیں۔ یہ گروپ کی شکل میں عمرہ اور حج کرواتے ہیں جبکہ سعودی معلم صرف پاسپورٹ لے کر مکہ۔ رمدینہ میں اتار دیتا ہے اس کے دفتر میں پاسپورٹوں کی گڈیاں جمع ہوتی ہیں۔ وہ ایک ہی لکڑی سے تمام حاجیوں کو ہانکتا ہے۔ پاسپورٹ کی واپسی اور مدینہ کی روانگی میں بڑے تاخیری حربے استعمال ہوتے ہیں۔ سعودی حکومت ان سے اچھی اچھی بسوں کے لئے کہتی ہے مگر ہمارے حج اور سفارت خانے کے افراد ان سے بھی کمیشن وصول کر کے انہیں کھلی چھوٹ دے دیتے ہیں۔ وہ پاکستانی عازمین حج کو پرانی بسوں میں بھر کر منیٰ اور مدینہ لے جاتے ہیں۔ راستے میں کھانے پینے یا چائے وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ اس خدمت کے لئے 140 ریال الگ سے دیئے جاتے ہیں۔ پھر ان حاجی صاحبان کو بھوکا پیاسا رکھا جاتا ہے۔ اس کا بھی حساب ہونا چاہئے کہ پاکستان ہاؤس جس کی عمارت کا کرایہ دو کروڑ روپے سالانہ ہے حج اور رمضان میں بھی ان سفارشی لوگوں سے بھرا ہوتا ہے یہی حال ہماری ایئر لائنز کا ہے۔ دفتر کے باہر اور اندر لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ سیٹیں کنفرم کروانے کے لئے کئی کئی دن ان کو پی آئی اے کے دفتر کے چکر

لگانے پڑتے ہیں' ٹریول ایجنٹ صاحبان 100 ریال سے 500 ریال تک وصول کر کے سیٹیں کنفرم کراتے ہیں جس میں پی آئی اے کا عملہ بھی ملوث ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ریگولر فلائٹس خالی ہوتی ہیں' اس میں سیٹیں دینے کے بجائے صرف حج فلائٹ سے ہی حاجیوں کو واپس لایا جاتا ہے جبکہ سعودی ایئرلائنز والے ریگولر فلائٹس میں اگر جگہ ہوتی ہے تو واپسی کی سیٹ دے دیتے ہیں۔ ریگولر فلائٹس میں حجاج کرام کو نشستیں فراہم کر دی جائیں تو ایک طرف حاجیوں کو سہولت ہو گی تو دوسری طرف پی آئی اے خالی فلائٹس کی صورت میں ہونے والے نقصان سے بچ سکے گی۔ اس جانب بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

حکومت نے اس دفعہ حج کی مدت 35 دن کر دی ہے کیونکہ مجھے حج کی سعادت کئی مرتبہ نصیب ہو چکی ہے۔ میرے خیال میں حج کے لئے آٹھ دن اور مدینہ کے ملا کر زیادہ سے زیادہ 25 دن کافی ہیں۔ دوسرے مسلمان ملکوں سے آنے والے حاجی 20 دن میں واپس چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا دس دن زیادہ حاجیوں کو رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ حج کے تیسرے دن حرم میں آ کر حاجیوں کو ان کے ملک واپسی پر زور دیتے تھے تاکہ خانہ کعبہ کی حرمت متاثر نہ ہو۔ اور حاجی کے اپنے گھر والے ان کی واپسی کی جلد خوشی پا سکیں۔ دس دن کم کرنے کا دوہرا فائدہ ہے' ایک تو دس دن کا اضافی کرایہ بلڈنگ بچ سکے گا اور دوسرے حاجی صاحبان اپنے اپنے گھروں کو جلدی واپس جا سکیں گے۔ امید ہے کہ میری مندرجہ بالا گزارشات پر عمل کر کے ہمارے حاجی صاحبان کی تکالیف کے ازالے کو ممکن بنایا جائے گا۔

سیاسی میدان

وزیراعظم محمد نواز شریف میدان سیاست کے بڑے کامیاب شہسوار ہیں ان سے جو بھی ٹکرایا وہ گھاٹے میں رہا۔ سب سے پہلے صدر غلام اسحاق خان نے ان کی حکومت ختم کی تو سپریم کورٹ نے اس کو بحال کر دیا۔ اس طرح صدر اسحاق خان کو رخصت ہونا پڑا۔ پھر الیکشن ہوئے اور پی پی پی کی حکومت آئی۔ بے نظیر صاحبہ نے نواز شریف سے ٹکر لی اور ان کی حکومت کو ان کے اپنے صدر فاروق لغاری نے برطرف کر دیا اور نواز شریف تیسری مرتبہ وزیراعظم بنے تو انہیں اتنی بڑی اکثریت ملی کہ اب انہوں نے خود ہی سب سے ٹکر لینی شروع کر دی ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے صدر فاروق لغاری سے ٹکر لی اور اس کی ابتدا 258 بی والے حقوق ختم کر کے کی۔ اس سے فارغ ہو کر عدلیہ سے دو دو ہاتھ کر کے چیف جسٹس سجاد علی شاہ کو فارغ کر دیا۔ عدلیہ سے فارغ ہو کر صدر فاروق لغاری سے نبرد آزما ہوئے نتیجتاً صدر فاروق لغاری کو بھی صدارت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ چیف آف اسٹاف جنرل کرامت بھی ایک بیان دینے کی پاداش میں پاکستان کی تاریخ میں قبل از وقت استعفیٰ دے کر نواز شریف کے حریف بنتے بنتے فارغ ہو گئے۔ اب وزیراعظم نواز شریف اپنے مطلب کا صدر اور چیف آف آرمی اسٹاف بنا کر اطمینان سے حکومت کرنے لگے۔ مگر ان کی طبعیت کی جولانیوں میں کمی نہیں آئی۔ اور کوئی حریف سامنے نہ رہا تو اپنی حلیف جماعتوں سے ہی دو دو ہاتھ کرنے کی ٹھانی۔ پہلے اے این پی سے علیحدگی کی اور ولی خان اور اجمل خٹک کو ناراض کر دیا پھر اکبر بگٹی سے بھی ٹکرا گئے اور بلوچستان میں سردار عطاء اللہ مینگل کے صاحبزادے کی حکومت میں دراڑیں ڈال دیں اور ان کی حکومت کو مستعفی

ہونے پر مجبور کر دیا۔ آخر میں سندھ میں اپنے سب سے بڑے سیاسی حلیف اور حکومت کے شریک یعنی ایم کیو ایم سے بھی ٹکر لی اور گورنر راج نافذ کر کے اپنی سیاسی چیمپئن شپ برقرار رکھی مگر آخری دوستوں سے یہ بے وفائی ان کو ہلانے کے لئے پہلا جھٹکا ثابت ہوئی کیونکہ انہوں نے نہ تو سندھ اسمبلی ختم کی اور نہ ہی قانونی طور پر معطل کی اس طرح عدالت عالیہ نے اس کو بحال کرنے کا حکم صادر کر دیا اور اب سندھ میں گورنر راج اور صوبائی راج ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ نہ تو سندھ میں کوئی وزیر اعلیٰ ہے اور نہ ہی صوبائی اسپیکر۔ انتظامیہ مفلوج ہے ادھر پی پی بھی اپنے نئے پارٹنر کی تلاش میں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا مکمل گورنر راج رہتا ہے یا پھر صوبائی حکومت بنتی ہے۔ البتہ اب عدلیہ نے اپنا صحیح کردار ادا کرنا شروع کر دیا ہے۔ ایٹمی دھماکہ کی آڑ میں منجمد فارن بینک اکاؤنٹس بحال کر دیئے ہیں۔ اس سے حکومت کی بہت بڑی سبکی ہوئی ہے' دوسری طرف سینیٹ میں شریعت بل اس کے گلے میں اٹکا ہوا ہے' نہ اسے واپس لیا جا سکتا ہے اور نہ وہ منظور ہوتا نظر آتا ہے۔ یہ بھی حکومت کی بدنامی کا سبب ہے کیونکہ تمام حلیف سیاسی جماعتیں اب حریف بن چکی ہیں' اکیلی مسلم لیگ ایک طرف ہے اور باقی دوسری سیاسی جماعتیں دوسری جانب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو رہی ہیں۔ نوابزادہ نصر اللہ خان شاید ایک مرتبہ پھر سب کو اکٹھا کر رہے ہیں۔ حکومت نے دوسری جانب ایک جنرل سیلز ٹیکس کو' جسے اس نے اپنی انا کا مسئلہ بنا رکھا تھا ختم کر کے آئی ایم ایف کو آگاہ کر دیا ہے کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ اگر تاجر برادری نے اس ضمن میں ہڑتالیں شروع کرائیں تو اپوزیشن اس کو ہوا دے گی جو حکومت کو ہلانے میں مددگار ثابت ہو سکتی تھی اور ویسے بھی اب بجٹ کو آٹھ مہینے ہو چکے ہیں تو حکومت کا اس جنرل سیلز ٹیکس پر اصرار کرنا بے سود ثابت ہو گا۔ رائے ونڈ کے محلات پر تو حکومت اور نواز شریف دونوں کی بدنامی ہو چکی ہے کیونکہ اس منصوبے پر صوبائی انتظامیہ نے قومی خزانے سے بھاری رقوم بے دریغ خرچ کرنے کی بدترین مثال قائم کی تھی جو اخبارات کی زینت بنی اور حکومت کو پسپائی ہوئی مگر نواز شریف صاحب نے ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے صحافتی طبقے سے بھی دشمنی مول لی اور بڑے اور چھوٹے اخبارات جو حکومت کے کارناموں کو اجاگر کر رہے تھے ان پر شب خون مارا جس کی وجہ سے ان اداروں کو عدالت عالیہ سے رجوع کرنا پڑا اور تمام اخبارات ان پر پڑنے والے انکم ٹیکس اور ایف آئی اے والوں کے چھاپوں کی کہانیاں صفحہ اول پر چھاپ رہے ہیں جس سے عوام بھی بددل ہو گئے ہیں خود مسلم لیگ کے کارکن اس صورت حال سے مایوس ہیں اور نواز شریف کے مشیروں کو الزام دیتے ہیں علاوہ ازیں مسلم لیگ کا ووٹ بینک بھی متاثر ہوا ہے۔ ادھر حکومت برطانیہ نے متحدہ قومی موومنٹ کے جناب الطاف حسین کی برطانیہ میں مستقل رہائش کی درخواست منظور کر لی

ہے۔ اب مسلم لیگ کراچی میں کس طرح سے ان پر الزامات ثابت کر سکے گی؟

مہنگائی عروج پر ہے۔ قانون کی حکمرانی ملک بھر میں کہیں نظر نہیں آئی۔ پولیس اور انتظامیہ کرپٹ ہے خواتین اور بے گناہ نوجوانوں پر ہونے والے مظالم اور عصمت دریوں کی وجہ سے خودسوزی کے واقعات نے عوام کو ہلا کر رکھ دیا ہے' مگر حکمراں ٹولہ اس سے سبق سیکھنے کے بجائے نت نئے محاذ کھولنے پر لگا ہوا ہے قوم کے اربوں روپے کھانے والوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی کیونکہ اس میں خود حکمران ٹولہ کے بڑے بڑے افراد ملوث ہیں۔ اور خود وزیر اعظم بھی اس الزام سے مبرا نہیں ہیں۔ بجلی کے نادہندگان سے تو فوج سے وصولی کا کام لیا جا رہا ہے مگر اس بے ایمان ٹولہ کو جو اربوں روپے ہضم کر چکا ہے' کھلی چھوٹ ہے' اگر فوج کے ذریعے ان نادہندگان سے بھی ہضم شدہ روپیہ نکالا جاتا تو عوام کا حکومت پر کچھ اعتماد بحال ہوتا۔ مگر انصاف غریبوں کے نصیب میں نہیں ہے چوریوں' ڈکیتیوں' دہشت گردی میں اضافہ ہو رہا ہے احتساب کی کارکردگی صفر کے برابر ہے ایسے میں یہ ہیبت ناک خاموشی کسی طوفان کا اشارہ دے رہی ہے۔ غریب اور مظلوم کی خودسوزی نہ جانے کیا رنگ لائے گی کیونکہ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔

اردن کا مستقبل

گزشتہ ہفتے اردن کے شاہ حسین تقریباً نصف صدی تک شاہی اقتدار میں رہ کر اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ مگر جاتے جاتے ایک شہزادے کو جو ان کا بھائی تھا اقتدار کا مستحق کہہ کر دوسرے کو 'جو ان کا بیٹا تھا' اچانک اقتدار سونپ گئے۔ یعنی ایک شہزادہ بادشاہ بنتے بنتے رہ گیا اور دوسرا شہزادہ راتوں رات بادشاہ بن گیا۔ یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ اردن کے عوام ہی نہیں' دنیا بھر کے مسلمان ممالک کے سربراہ اور عوام دم بخود رہ گئے اور یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ اتنی بڑی تبدیلی کیسے اور کیوں ہوئی۔؟؟

اگر اس کی تفصیل میں جائیں تو اس تبدیلی میں امریکہ کا ہاتھ لگتا ہے کیونکہ بستر مرگ سے اچانک ان کو صحتیاب بتا کر امریکہ نے ان کے جانشین کا اعلان کرانا تھا کیونکہ جس دن وہ نام نہاد صحت یابی پا کر چھ ماہ بعد اچانک اردن پہنچے تو اردن کے عوام کو یہ احساس تک نہیں تھا کہ وہ چند دن کے مہمان کا استقبال کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ طے شدہ پلان تھا کیونکہ شاہ اردن نے سینتالیس دن قبل ہی اپنے بھائی شہزادہ حسن کو ولی عہد نامزد کر دیا تھا یہ بات قابل ذکر ہے کہ شہزادہ حسن نے شاہ حسین کے اقتدار کے پورے عرصے میں اپنے بڑے بھائی کی گدی کی طرف دیکھا تک نہیں بلکہ ہمیشہ ان کے بہترین دست راست بنے رہے اور بہت سے اصلاحی کام کروائے جو اردن کی تاریخ میں سنہرے باب کی حیثیت رکھتے ہیں اور جب شاہ حسین چھ ماہ قبل کینسر کے علاج کے لئے امریکہ جا رہے تھے تو یہی بھائی تھا جس نے شاہ حسین کو تسلی دی کہ بھائی آپ فکر نہ کریں' انشاءاللہ آپ جلد ہی صحتیاب ہو کر ہمارے درمیان واپس آ جائیں

گے۔ اور اس چھ ماہ کے دوران انہوں نے شاہ حسین کی کمی نہ عوام کو اور نہ ہی ان کے خاندان کو محسوس ہونے دی۔ مگر جب یہی بھائی شاہ حسین امریکہ سے اچانک لوٹے تو ان کا چہرہ عجیب ہو چکا تھا حتیٰ کہ سر کے ساتھ ساتھ ان کی پلکوں کے بال بھی غائب ہو چکے تھے اور عجیب طرح کی ہیبت طاری تھی۔ ایئرپورٹ سے شاہی محل تک وہ کھڑے ہو کر بظاہر اپنے عوام کے والہانہ استقبالی نعروں کا جواب دے رہے تھے مگر یہ فاصلہ بڑی تیزی سے طے کیا گیا اور عوام سے ان کی لاغری کو چھپائے رکھا گیا۔ شاہ حسین جب محل پہنچے تو بہت تھکے ہوئے تھے' ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی مشن پر بھیجے گئے ہوں اور وہ اس کو جلد از جلد مکمل کر لینا چاہئے تاکہ بیماری کا باقی علاج بھی ہو سکے۔ شاہ حسین نے آتے ہی پہلے یہ عندیہ دیا کہ وہ اپنی جانشینی میں کچھ تبدیلی چاہتے ہیں۔ قریبی ذرائع کے مطابق پہلے انہوں نے شہزادہ حسن کو کہا کہ تم میرے جانشین ہی رہو گے لہٰذا حمزہ کو' جو ان کا چھوٹا بیٹا تھا اور موجودہ ملکہ نور کے بطن سے پیدا ہوا تھا اس کو ولی عہد نامزد کر دو۔ شہزادہ حسن نے غالباً اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانے کا سوچ رکھا تھا' انہوں نے کہا کہ جب میں شاہ بنوں گا تب ولی عہد کا معاملہ طے ہو جائے گا۔ مگر شاہ حسین نے اس میں جلدی کا عندیہ دیا جسے شہزادہ حسن نے ٹال دیا۔ جس پر شاہ حسین نے انہیں سخت سست کہا اور اس کے فوراً بعد انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ جو حیرت انگیز بھی تھا اور قبل از وقت بھی کیونکہ عبداللہ ابھی نا تجربہ کار ہی نہیں بلکہ امور اقتدار سے ناواقف تھا اور عوام میں بھی شہزادہ حسن بے حد مقبول تھے۔ اس اچانک اعلان سے اردن کے عوام بالخصوص چونک گئے کیونکہ وہ شہزادہ حسن کو ہی اقتدار کا اہل سمجھتے تھے۔ شاہ حسین نے اس پر بس نہیں کیا بلکہ اپنے دوسرے بیٹے حمزہ کو جو ملکہ نور کے بطن سے ہے جس کی عمر ابھی صرف اٹھارہ بیس برس ہے۔ موجودہ ملکہ نور کو خوش اور خاموش کرنے کے لئے ولی عہد نامزد کر دیا۔ جس سے شہزادہ حسن کی زبردست سبکی ہوئی' وہ اس صدمہ کے لئے قطعی تیار نہیں تھے۔ شاہ حسین نے چار شادیاں کیں اور ان کی چاروں بیویاں غیر ملکی تھیں۔ جبکہ شہزادہ حسن نے صرف ایک شادی کی جس کا تعلق پاکستان سے ہے' اگر شہزادہ حسن شاہ اردن بنتے تو یقیناً اردن اور پاکستان دونوں کے تعلقات مزید خوشگوار ہوتے اور دونوں ملکوں کے عوام ایک دوسرے کے اور قریب آ جاتے۔ اس اعلان کے بعد شاہ حسین نے سی این این کو ایک طویل انٹرویو دیا جس میں انہوں نے کہا کہ وہ بالکل صحت مند ہیں اور شہزادہ حسن ان کے قابل اعتماد بھائی ہیں مگر انہوں نے میری بیماری کے دوران اقتدار پر قبضہ

کرنے کے لئے چند بڑے بڑے اقدام کرنے شروع کر دیئے تھے جو قبل از وقت تھے' اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ میری زندگی میں اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ حالانکہ جو بھائی سینتالیس سال سے ان کے ساتھ رہ رہا ہو اور ان کے برے سے برے وقت میں بھی ساتھ دیتا رہا ہو وہ چند ماہ میں کیسے اقتدار کا بھوکا ہو سکتا ہے۔ مگر تجزیہ نگاروں کے مطابق شاہ عبداللہ کے اسرائیل کے جرنیلوں اور سیاستدانوں سے خوشگوار تعلقات تھے جبکہ شاہ حسین کی طرح' شہزادہ حسن کا امریکہ اور اسرائیل کی طرف جھکاؤ نہیں تھا لہٰذا امریکہ نے شاہ حسین کو بیماری میں اٹھا کر اردن بھیجا اور آناً فاناً یہ فیصلہ اپنے حق میں تبدیل کروا دیا اور یہ کڑی اس وقت کھلی جب اچانک شاہی محل سے اعلان ہوا کہ شاہ حسین کی طبعیت اچانک خراب ہو گئی ہے اور ان کی ہڈی کا آپریشن ناکام ہو گیا ہے لہٰذا پھر سے انہیں امریکہ لے جایا جا رہا ہے۔ پھر تیسرے دن یہ اعلان کر دیا گیا کہ شاہ حسین کی طبعیت اچانک بگڑ گئی ہے ان کو واپس اردن لایا جا رہا ہے کیونکہ ان کی خواہش تھی کہ ان کی موت اردن میں ہو' وہ باہر نہیں مرنا چاہتے تھے۔ اگر ان کو باہر سے اتنی ہی نفرت تھی تو پھر شادیاں باہر کیوں کیں اور اردن کی اولاد کے بجائے امریکن اور برٹش خواتین کی اولاد کو شاہ اور ولی عہد کیوں نامزد کیا گیا!؟

شاہ حسین کی واپسی پر اردن کے عوام میں ایک مرتبہ پھر شدید ردعمل ہوا مگر ان کو شاہ کی موت سے بے خبر رکھا گیا کیونکہ جس جہاز سے ان کو لایا گیا تھا کسی کو نہیں بتایا گیا بلکہ سیدھا ہسپتال لے جا کر کہا گیا کہ وہ ہوش میں ہیں حالانکہ وہ اس وقت تک انتقال کر چکے تھے پھر ان کو مصنوعی سانس پر زندہ رکھ کر لایا گیا اور رسمی طور پر ان کے آخری وقت کا اشارہ دیا گیا اور پلاننگ یہ کی گئی کہ چند روز بعد ان کی موت کا اعلان کر دیا جائے مگر جس دن ان کو اردن لایا گیا عوام نے اردنی سکہ سے ڈالر خریدنا شروع کر دیا۔ ایک رات میں امریکہ نے پانچ سو ملین ڈالر امداد کا فوری اعلان کر دیا اور تین ملین ڈالر نقد یو اے ای کے صدر النہیان نے اپنے خصوصی بینک سے اردن منتقل کر دیئے تا کہ لوگ ڈالر خریدنے سے رک جائیں۔ مگر ایسا نہیں ہو رہا تھا لوگ اپنے سکے ڈالر میں تبدیل کرنے میں لگے ہوئے تھے لہٰذا ان کو روکنے کے لئے شاہ حسین کو مصنوعی سانس کی مشین سے ہٹا کر ان کی موت کا اعلان کر دیا گیا۔ شاہ حسین کے سوگ میں چالیس دن کے لئے سرکاری ادارے بند کر دیئے گئے اور اس طرح ان کی امریکن بیوی کے بیٹے شاہ عبداللہ نے اردن کے نئے بادشاہ کا حلف اٹھا لیا اور اپنی انگلش نژاد والدہ کے بیٹے کو ولی عہد نامزد کر دیا اس

طرح ایک رات میں ایک مستحق شہزادے کے بجائے غیر مستحق شہزادہ بادشاہ بن گیا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ شاہ حسین کی وفات کے بعد اردن کے شاہی خاندان کا مستقبل کیا ہو گا اور شہزادہ حسن اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافی پر کوئی اقدام کریں گے یا خاموش تھے' خاموش ہیں' خاموش رہیں گے۔

کشمیر کا غیر جذباتی حل

نصف صدی قبل جب انگریز برصغیر سے رخصت ہوا اور ہندوستان اور پاکستان وجود میں آئے تو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جاتے جاتے ایک ایشو ایسا چھوڑا جو ہندوستان اور پاکستان دونوں کے لئے عزت کا مسئلہ بن گیا مقصد یہ تھا کہ یہ دونوں ممالک ہمیشہ ایک دوسرے کے دشمن رہیں اور دو سو سالہ برطانوی راج کو خراج تحسین پیش کرتے رہیں۔ وہ ایشو تھا کشمیر کا۔ اس طرح اس نے ایک تیر سے دو شکار کئے یعنی ایک طرف دونوں پڑوسیوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا دوسری طرف یورپ کے لیے سو کروڑ انسانوں کی منڈی کے دروازے کھول دیے۔

کشمیر کی وجہ سے پاکستان اور بھارت کے درمیان دو جنگیں ہوئیں اور ان باون سالوں میں کھربوں روپیہ ہندوستان اور پاکستان دونوں نے ہر سال فوجوں پر خرچ کیا۔ دونوں ممالک اس روپے کو بچاتے اور صرف معمول کی فوج رکھتے تو آج ہندوستان اور پاکستان دونوں میں یورپ اور امریکہ کی طرح کوئی بھکاری نہیں ملتا بلکہ محنت اور ایشیائی ثقافت کی بدولت آج ہر شخص خود کفیل ہوتا۔ دراصل ہم دونوں ہی نے اپنے مشترکہ دشمنوں کو پہچاننے میں عقل سے کام نہیں لیا۔ ایک بات یاد رکھیں کہ غریب کبھی غریب کا دشمن نہیں ہوتا یا تو امیر امیر کا دشمن ہوتا ہے یا پھر امیر غریب کا دشمن ہوتا ہے۔ یہی حال ہندوستان اور پاکستان کے عوام کا ہے' دونوں غریب ملک ہیں۔ اتنی بڑی فوج کے اخراجات برداشت کرنا دونوں کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ باون (52) سال سے مسلمانوں کے ازلی دشمن یہودی اور نصاریٰ یعنی یہودی امریکن لابی اور عیسائی لابی نے ہندوستان اور پاکستان کو ایک دوسرے سے دور کر رکھا ہے' اگر اس کا عملی تجزیہ کیا جائے تو ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو نقصان پہنچا کر خوش ہو رہے ہیں۔ ٹھنڈے دل

سے سوچیں تو معلوم ہوگا کہ دونوں ملک اب تک کتنا اسلحہ گولہ بارود ان مغربی ممالک سے خرید چکے ہیں اور یہ سب کا سب آؤٹ ڈیٹڈ اور غیر معیاری ہوتا ہے' وہ ممالک نئے نئے اسلحے بناتے ہیں اور ہم جیسے ممالک کو کچھ نقد اور کچھ امداد کے نام پر فروخت کر دیتے ہیں۔ آج ان کے عوام خوشحال اور امیر سے امیر تر ہو رہے ہیں جبکہ ہندوستان اور پاکستان کے عوام ان کے خریدے ہوئے اسلحے اور امداد کی وجہ سے غریب سے غریب تر ہو رہے ہیں مگر کوئی مفکر پیدا نہیں ہو رہا ہے جو ان کے سیاستدانوں کو سمجھائے کہ بھلا جنگ اور دشمنی سے بھی کوئی مسئلہ حل ہوا ہے اور عوام کو اس سے نجات دلوائے۔ آیئے دیکھیں مغربی ممالک نے اپنے جھگڑے کیسے نمٹائے۔ فرانس نے الجیریا کو' جو ان کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا اور کھربوں روپیہ فرانس اور الجیریا کی جنگوں پر خرچ ہو رہا تھا۔ جنرل ڈیگال نے جذباتی فیصلہ کرنے کے بجائے عقلی فیصلہ کیا اور اس کو آزاد کر دیا۔ خود برطانیہ کا سورج غروب نہ ہونے کا محاورہ آہستہ آہستہ ختم ہو گیا اور ان کے اقتدار میں رہنے والے ممالک ایک ایک کر کے آزاد ہو گئے۔ اور اب سورج صرف برطانیہ میں ہی طلوع ہوتا ہے اور اسی میں غروب ہوتا ہے۔ دیگر ملکوں یعنی آسٹریلیا' کینیڈا اور نیوزی لینڈ میں صرف ملکہ برطانیہ کی تصویر کی حد تک ان کی حکومت ہے ہانگ کانگ میں چند سال قبل ان کا آخری جھنڈا بھی چین نے اتروا دیا۔

رومن' پرتگیز' فرانس پہلے ہی اپنے اپنے مقبوضہ علاقے آزاد کر چکے ہیں۔ امریکن ویت نام اور سوویت افغان جنگوں نے ثابت کر دیا ہے کہ اب کوئی بھی ملک کسی دوسرے ملک پر حکومت نہیں کر سکتا اور اگر کوئی ایسی غلطی دہرائے گا تو وہ نقصان ہی اٹھائے گا۔ اسرائیل نے فلسطینیوں کو آہستہ آہستہ ان کے علاقے لوٹانے شروع کر دیئے ہیں۔ یہ سب کچھ امریکہ کی ہدایت پر ہو رہا ہے کیونکہ امریکن یہودی اور اسرائیلی یہودی یہ سمجھ چکے ہیں کہ اب جنگ کرنا عقلمندی نہیں ہے بلکہ بات چیت سے ہی مسائل حل ہوتے ہیں۔ تیس سال قبل تک فرانسیسی انگریزی پڑھنا اور بولنا اپنی توہین سمجھتے تھے کیونکہ تقریباً آدھی دنیا پر ان کی اجارہ داری تھی اور ان کی زبان بولی جاتی تھی۔ وہ انگریزوں کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو ان سے برتر قوم بتاتے تھے۔ مگر آج انہوں نے ان کی زبان نہ صرف سیکھی بلکہ ان کا اور اپنا سکہ ایک کر کے "یورو" نام کی نئی کرنسی نکالی اور یوروپارلیمنٹ بنائی۔ تمام تجارتی معاہدے اب صرف یورپین برادری کی بنیاد پر ہوں گے اور آئندہ برسوں میں انہوں نے بجائے مقابلہ کرنے کے یہ بھی طے کر لیا ہے کہ کونسا ملک کیا پیدا کرے گا اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے خرید لیں گے یعنی غلہ' پھل' ترکاری' زیتون اب یورپ میں ہر ملک نہیں پیدا کرے گا اسی وجہ سے ایک کرنسی بنائی گئی ہے۔ اب ذرا غور کریں

انگریز کا کھانا' رہنا' تہذیب و تمدن زبان فرانس اور رومیوں سے بالکل مختلف ہے' اٹلی میں سویاں اور پزا ان کی مرغوب غذا ہے' فرانس مچھلی اور گوشت خوری میں باربی کیو کرتا ہے' انگریز ابلے اور تلے ہوئے انڈے کے ساتھ روسٹ گوشت اور ٹوسٹ کھاتا ہے جرمن صرف آلوؤں کی طرح مرح کی ڈشیں تیار کرتے ہیں۔ پرتگالی مرچ اور گوشت کو پکا کر کھاتے ہیں' سخت جان ہیں مگر جب سے اس یورپی کمیونٹی میں آئے ہیں۔ غریب' امیر ہو رہے ہیں۔ میرے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے آپ کو اقتصادی طور پر رنگ برنگے ممالک' جن کی نہ تو زبان ایک ہے' نہ ہی کلچر ایک ہے اور نہ ہی سب کیتھولک ہیں' پھر کیوں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنے اپنے عوام کو خوشحال کر رہے ہیں۔ ان میں صرف ایک بات مشترک ہے۔ وہ ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ ان کی سرحدیں آپس میں ملی ہوئی ہیں۔ ہماری طرح یہ بھی پہلے ایک دوسرے سے لڑتے تھے اور اپنے عوام کی بھلائی کے بجائے اپنی اپنی انا پر اسلحوں کی زبان بولتے تھے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے سوچا کہ جنگ اور انا سے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ تو پھر اسلحہ اور بارود پر خرچہ کرنے کے بجائے اپنے عوام پر خرچ کیا جائے اور اپنی اپنی مصنوعات کو بشمول اسلحہ کے ہم جیسے جذباتی غریب ممالک کو فروخت کیا جائے تاکہ ان کی فیکٹریاں دن رات چلتی رہیں اور ہم اپنے عوام اور ملک کی خوشحالی کے بجائے اپنا سرمایہ ایک دوسرے سے دشمنی اور عداوت کے نام پر بارود پر اڑاتے رہیں اگر ہم دونوں ممالک اپنے اصلی دشمنوں کو پہچان لیں تو ہم کو ایک دوسرے سے جنگ کرنے کے بجائے جہالت' غربت' بیماری اور نفرت سے جنگ کرنی چاہئے اور دونوں ممالک کے ساتھ ساتھ کشمیری قیادت کو اپنے ساتھ ایک میز پر بٹھا کر اس مسئلہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے طے کرنا چاہئے کیونکہ نہ ہندوستان اور نہ ہی پاکستان اس مسئلہ کو حل کر سکتا ہے اور نہ کشمیری لیڈر کشمیر میں بہنے والے خون سے اس مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں کیونکہ امریکہ اور یورپ اس مسئلہ کو حل کرنا نہیں چاہتے۔ اسی وجہ سے یہ آج تک اٹکا ہوا ہے اور جس دن ان کے مفادات ختم ہونے لگیں گے تو وہ اس کے حل کے لئے یاسر عرفات' مرحوم شاہ حسین' اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو' مصر کے حکمرانوں کو ایک ٹیبل پر بٹھا کر کشمیر کے مسئلہ کو بھی حل کرا دیں گے۔ مگر نہیں معلوم' اس وقت تک کتنے مسلمان شہید ہوں گے اور کتنے بھارتی مریں گے۔

آخر میں صرف ایک بات بتاتا چلوں' یورپ اور امریکہ میں رہنے والے ہندوستانی اور پاکستانی ایک دوسرے کو اپنا ہمدرد نہ صرف بتاتے ہیں بلکہ واقعی ایک دوسرے کو انگریزوں کے مقابلہ میں بہترین دوست سمجھتے ہیں اور انگریزوں کے مقابلہ میں ایک دوسرے کو ترجیح دیتے ہیں۔ خود اپنے پاکستان میں ہی

دیکھ لیں ہمارے ملک میں ہندوستان کی بنی ہوئی چیزیں دبئی اور جرمنی سے ان ممالک کے نام سے ایکسپورٹ ہوتی ہیں یہ مشینریاں' جام مال پہلے دبئی یا کسی اور ملک ہانگ کانگ جاتا ہے اور پھر ان ممالک کا لیبل لگتا ہے اور واپس پاکستان آجاتا ہے اور کچھ قدم آگے بڑھیں' ان کے ملک کے ٹیلی ویژن' فلمیں اور پروگرام ہمارے ملک کے ہر گھر میں شوق سے دیکھے جاتے۔ ہندوستانی ہمارے ڈراموں کے بہت دلدادہ ہیں۔ ہمارے آرٹسٹ بشمول مرحوم استاد نصرت فتح علی خاں' میڈم نور جہاں' سلمٰی آغا' مہدی حسن اور بڑے بڑے شعرا ہندوستان میں اتنے ہی مقبول ہیں اور اپنی اپنی پرفارمنس دے چکے ہیں اور اپنا لوہا منوا چکے ہیں۔ تو پھر ہم ایک دوسرے سے دست و گریباں ہونے اور کالی جھنڈیوں سے ان کے وزیراعظم کا استقبال کرنے کے بجائے ہم مسلمانوں کی روایتی مہمان نوازی اور فتح مکہ پر دشمنوں سے حسن اخلاق والی شمع کو ایک مرتبہ پھر روشن کیوں نہیں کرتے۔ ضرورت اسی بات کی ہے کہ ہم مسئلہ کشمیر کو جوش کے بجائے ہوش سے حل کریں تاکہ ہم دونوں ملکوں کی اقتصادی ترقی ہو۔ ہم ایک دوسرے کے قریب آئیں۔ ایک دوسرے کے ملکوں میں آجا سکیں' ان کی پیدائش ہمارے ملک میں ہوئی ہے اور ہمارے لوگ وہاں پیدا ہوئے ہیں' دوریاں دور کیجئے اور ان کو اپنے ساتھ بٹھائیے۔ ان کو عزت دیجئے۔ ہندوستانی مسلمان ہماری اس خیر سگالی سے بہت خوش ہوں گے۔ وہ بھی اپنے آپ کو غیر محفوظ نہیں سمجھیں گے اور اس طرح ہمیں لڑا کر خود فائدہ اٹھانے والے یہودیوں اور نصرانیوں کو منہ کی کھانی پڑے گی اور ہم ایک دوسرے کے دشمن کے بجائے دوست بن جائیں گے۔ یاد رکھیے ہماری بے احتیاطی سے مسئلہ کشمیر کا حل نزدیک آنے کے بجائے دور ہو جائے گا لہٰذا اس سنہری موقع کو ضائع نہ ہونے دیں۔ ہندوستان کے وزیراعظم کو یہ سمجھائیں کہ باون سال میں آپ ہم سے دس گنا نقصان اٹھا چکے ہیں اگر اس مسئلہ کو اب بھی حل نہیں کریں گے تو آئندہ بھی آپ کا نقصان آپ کی آبادی کے لحاظ سے دس گنا ہو گا کیا آپ دونوں ملکوں کے عوام کے ساتھ دشمنی نہیں کر رہے ہیں۔ جنرل ڈیگال کی طرح ایک مرتبہ کڑوا گھونٹ پی لیجئے اور اس مسئلہ کو اپنے اور ہمارے عوام کی آنے والی خوشحالی کے لئے حل کر دیجئے اس میں دونوں کا فائدہ ہے اور دونوں وزیراعظم غیر جذباتی گفتگو کریں تجارت اور آمد و رفت کھولیں تاکہ دونوں ملک ترقی کریں اور تیسرے ملک کی معرفت کے بجائے ڈائریکٹ خرید و فروخت کریں۔ نفرت کے بجائے محبت سے اس مسئلہ کو حل کریں تاکہ یہ مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے۔

کلکتہ میچ اور نورا کرکٹ اب ناقابل برداشت ہیں

حالیہ کلکتہ ٹیسٹ میچ نے ایک مرتبہ پھر دنیا کو بھارتی عوام کی اصلیت دکھادی کہ وہ کھیل کو کھیل نہیں سمجھتے بلکہ کم از کم اپنے ملک میں جیت کو اپنا ہی حق سمجھتے ہیں اور کسی چھوٹی قوم 'سری لنکا' بنگلہ دیش اور پاکستان کی جیت کو وہ برداشت نہیں کرسکتے۔ خاص طور پر پچھلے ورلڈ کپ سے کرکٹ کے شائقین نے پاکستان کے ساتھ بنگلور اور پھر سری لنکا کے ساتھ کلکتہ میں غنڈہ گردی اور غیر مہذب سلوک کرکے پوری کرکٹ کی دنیا کے سامنے اپنے آپ کو بے نقاب کردیا ہے۔ اگر انٹرنیشنل کرکٹ کے کرتا دھرتا لوگوں نے ایسے اقدامات نہ کئے جن سے غنڈہ گردی کو لگام دی جائے تو پھر کرکٹ کا مستقبل ختم ہو جائے گا اس سلسلے میں سخت ترین قوانین بنانے چاہئیں۔ کوئی کھلاڑی امپائر کے ساتھ بدتمیزی نہیں کرسکتا کیونکہ پہلے بہت سے کھلاڑی آؤٹ ہونے کے باوجود کریز پر کھڑے رہتے تھے اور پھر جاتے جاتے امپائر پر کوئی جملہ چست کردیتے تھے مگر امپائر سے بدتمیزی کے خلاف قانون بننے اور نافذ ہونے کے بعد اگر کسی کھلاڑی کو امپائر کے فیصلے سے اتفاق نہیں ہوتا تو بھی وہ صرف دل میں برا سمجھتے ہوئے یا پھر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پویلین کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ مگر ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ امپائر حضرات نے بہت سے غلط فیصلے بھی دیئے۔ اور یہ فیصلے اکثر مقامی امپائروں نے دیئے جن کا نقصان اکثر مہمان ٹیم کو اٹھانا پڑا کیونکہ پہلے تو صرف ریڈیو سے کمنٹری ہوتی تھی لہٰذا میدان سے باہر اور اندر کچھ پتہ نہیں چلتا تھا' پھر ٹی وی آگیا۔ اس نے دکھانا شروع کردیا کہ کیسے آؤٹ ہوا پھر ری پلے کا سلسلہ شروع ہوا تو اب دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہو گیا اور اب فیلڈ امپائر فیصلہ نہ کرسکے تو ٹی وی امپائر کی مدد سے رن

آؤٹ کا فیصلہ آسان ہو گیا مگر جب تھرڈ امپائر یعنی نیوٹرل امپائر کرکٹ کو غیر متنازع بنانے کے لئے میدان میں آئے تو اس سے اصلی کرکٹروں کو سکون ہوا کیونکہ اچھے کرکٹر ہمیشہ مقامی امپائر کے غلط فیصلوں کی وجہ سے دباؤ میں کھیلتے تھے اور بعض اوقات اس سے بچنے کے لئے غلط شاٹ کھیل کر آؤٹ ہو جاتے تھے۔ ایسے متنازع فیصلوں کے لیے سری لنکا کے امپائر اور ویسٹ انڈیز کے عوام کافی شہرت رکھتے تھے۔ کیونکہ ماضی میں کرکٹ کی تاریخ میں ویسٹ انڈیز کے عوام جب یہ دیکھتے تھے کہ ویسٹ انڈیز کی ٹیم ہار رہی ہے تو وہ میدان میں غنڈہ گردی پر اتر آتے تھے اور کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ انہوں نے اپنے امپائروں کو بھی مارا۔ یہی وجہ تھی کہ ماضی میں کوئی بھی ملک ویسٹ انڈیز میں کرکٹ کھیلنے کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا اور اکثر ویسٹ انڈیز کی ٹیم دوسرے ممالک کے دورے کرتی رہتی تھی۔ اس غیر ذمہ دارانہ رویے کا عوام کو احساس ہوا کیونکہ ان کو صرف میچ سننے کو ملتے تھے' دیکھنے کو نہیں۔ تو ان میں تبدیلی آئی اس کا اچھا اثر ہوا پھر ویسٹ انڈیز کے عوام نے اپنی اصلاح کی' تب جا کر ان کے ملک میں دوسری ٹیموں نے آنا شروع کیا اور اچھی کرکٹ کو ان کے ملک میں فروغ ہوا اور ایک وقت ایسا بھی تھا جب ویسٹ انڈیز کی ٹیم دنیائے کرکٹ پر ناقابل شکست بن کر چھا گئی اور اس کو کالی آندھی کے ذو معنی نام سے یاد کیا جانے لگا اب جب سائنس اور میڈیا نے اتنی ترقی کرلی تو صرف ایک مسئلہ رہ گیا ہے کہ کرکٹ کے شائقین کو اس غنڈہ گردی سے کیسے روکا جائے۔ آئی سی سی کے عہدیداران کو اس کی روک تھام کے لئے بھی سخت اقدامات کرنے چاہئیں۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ جس ملک میں ایسے بدترین واقعات ہوں جیسا کہ ورلڈ کپ اور موجودہ کلکتہ ٹیسٹ میں عوام نے کھلاڑیوں پر بوتلیں' پتھر پھینکے اور ٹینٹ جلائے' اور امن پسند شائقین کو متاثر کیا۔ اس کی روک تھام کے لئے ضروری ہے کہ اس ملک میں کم از کم ایک سال کے لئے کرکٹ میچ پر پابندی عائد کردی جائے۔ یعنی پابندی صرف اس گراؤنڈ میں نہیں جس میں بدتمیزی ہوئی اور میچ ختم کرنا پڑے بلکہ پورے ملک کے لئے ہونی چاہئے تاکہ آئندہ کسی بھی ملک کے غیر مہذب عوام کے سامنے مہمان ٹیم کے کھلاڑی غیر محفوظ نہ رہیں اور نہ ہی دباؤ میں کھیلیں۔ اگر ورلڈ کپ کے فائنل میں سری لنکا کی ٹیم کو کپ دینے کے بعد آئی سی سی کے عہدیداران اس گراؤنڈ پر تین سال کی پابندی یا پورے بھارت میں ایک سال کی پابندی لگا دیتے تو پاکستان اور ہندوستان کے حالیہ ایشین کپ میں کلکتہ کے عوام کو یہ کھلی غنڈہ گری کرنے کی جرات نہ ہوتی مگر چونکہ انہوں نے دیکھا کہ کسی نے اس غنڈہ گردی کا کوئی نوٹس نہیں لیا تو ان کی ہمت اور بڑھی۔ اگرچہ انتظامیہ نے ماضی کا ہونے والا نقصان اور

ٹی وی پر دکھائی جانے والی آگ اور ہندوستان کو بدنامی سے بچانے کے لئے تین چار گھنٹے میچ روک کر تماشائیوں سے اسٹیڈیم خالی کروا کر میچ دوبارہ شروع کروایا اور پھر پاکستان جیت گیا مگر یہ بھی تو ممکن تھا کہ بنگلور ٹیسٹ کی طرح کھلاڑی دباؤ میں آجاتے اور پاکستان ہار جاتا۔ تماشائیوں کی جانب سے ہونے والی غنڈہ گردی کے پیش نظر ضرورت اس بات کی تھی کہ ہنگامہ آرائی کے بعد میچ کو ختم کر کے 'پاکستان کی جیت کا اعلان کیا جاتا۔ پاکستان کی جیت کا جس طرح ورلڈ کپ میں سری لنکا کو بغیر آخری اوور کھیلے ویسٹ انڈیز کے امپائر کلائیو لائیڈ نے ان کی فتح کا اعلان کر کے میچ ختم کروادیا تھا۔ آخر میں' میں آئی سی سی کے عہدیداران کو مشورہ دوں گا کہ وہ مقامی امپائرنگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کردیں کیونکہ پاکستان اور ہندوستان کے حالیہ میچوں میں یہ بات ثابت ہوئی کہ مقامی امپائر واقعی مقامی ہوتا ہے یا پھر اگر مقامی امپائر متنازع فیصلہ دے تو اس کو ایک وارننگ کے بعد دوبارہ امپائرنگ کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ کیونکہ ٹی وی کے ری پلے بتادیتے ہیں کہ امپائر کا فیصلہ صحیح ہے یا غلط اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو رن آؤٹ اور ایل بی ڈبلیو کے فیصلوں کے بارے میں کھلاڑیوں کو تھرڈ امپائر سے رجوع کرنے اور فیصلہ لینے کا حق دیا جانا چاہئے۔ اس طرح مقامی امپائروں کے غلط فیصلوں سے نجات مل جائے گی اور کھلاڑی آرام سے کھیل سکے گا۔ اور اس کو اطمینان ہوگا کہ اسے غلط آؤٹ نہیں دیا جاسکتا۔

ایک مسئلہ جو کھلاڑیوں اور تماشائیوں کے لیے بے حد اذیت ناک بنا ہوا ہے وہ ہے میچ فکسنگ کا۔ اس میں کچھ حقیقت بھی ہے اور کچھ مفروضات بھی جنم لیتے ہیں۔ دنیا میں تمام میچ بشمول 'فٹ بال' والی بال' آئس ہاکی' رگبی' گھوڑوں اور خود کرکٹ میچوں پر شرطیں لگتی ہیں اور اس کے لئے یورپ اور امریکہ میں گلی گلی دکانیں کھلی ہوتی ہیں۔ جہاں لوگ شرطیں لگاتے ہیں اور جیتتے اور ہارتے ہیں مگر کوئی بھی میچ یا نتیجہ پہلے سے طے نہیں ہوتا مگر اب زمانہ بدل رہا ہے۔ قدریں بدل رہی ہیں۔ تو بجائے شرطوں کے کھیلوں سے پہلے یہی لوگ کھلاڑیوں سے مل جاتے ہیں جب طے ہو جائے تو اسی لحاظ سے شرطیں لگتی ہیں۔ یہ بالکل غیر منصفانہ عمل ہے۔ اس سے کھلاڑی کھیل کے بجائے پیسوں پر نظر رکھتے ہیں جس سے دیکھنے والوں کو مایوسی ہوتی ہے۔ جس طرح آج کل یورپ اور امریکہ میں کشتی کے مقابلے نوے فیصد "نورا" بن چکے ہیں۔ اور ٹی وی پر لوگ دیکھ دیکھ کر اب بور ہونے لگے ہیں۔ اگر نورا کرکٹ کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا گیا تو لوگ کرکٹ سے بھی بیزار ہو جائیں گے اور ان کا شوق کرکٹ کے میدان میں جاکر میچ دیکھنے کے بجائے زیادہ سے زیادہ میچ کا اسکور پوچھ کر مایوسی یا اطمینان کے اظہار تک محدود ہو جائے

گا۔ لہٰذا کرکٹ کے مستقبل کو تابناک بنانے کے لئے آئی سی سی کو چاہئے کہ میچ فکسنگ کی روک تھام کرے کیونکہ حالیہ میچ فکسنگ میں آسٹریلیا نے تو اپنے کھلاڑیوں کو اس الزام سے بری کردیا مگر پاکستان کے کھلاڑی ابھی تک ان الزامات کا مقابلہ کر رہے ہیں اور اس میں کچھ نہ کچھ سیاست بھی اپنا کام کر رہی ہے آخر ہم کب تک کھلاڑیوں کے مستقبل کو داؤ پر لگاتے اور انہیں جاوید میانداد اور تسلیم عارف بناتے رہیں گے۔ اس لئے خود آئی سی سی کو آگے آنا چاہئے اور اس کا حل بھی خود نکالنا چاہئے۔

بسنت یا پتنگ بہار فیسٹیول

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ لاہوریوں کے پاس اپنے گھروں کو واپس جانے کا وقت نہیں ہے کیونکہ ہفتہ میں سات دن اور آٹھ تہوار ہوتے ہیں اور وہ اپنی روایات کا پاس کرتے ہوئے ہر تہوار پر جوش انداز میں مناتے ہیں۔

بسنت موسم بہار کے آغاز کو منانے کا ایک موقع ہے۔ انڈس کے علاقہ کے شدید موسم یہاں بسنے والے لوگوں کے مزاج پر شدت کے ساتھ اثرانداز ہوتے ہیں سرد موسم زندگی کو معطل کر دیتا ہے اور خزاں اس کو سست اور کاہل بنا دیتی ہے۔ جب کھیت پیلے رنگ کے پھولوں سے ڈھک جاتے ہیں اور درختوں کی شاخوں پر نئی کونپلیں پھوٹنے لگتی ہیں تو اس کا مطلب موسم بہار کی آمد آمد ہوتا ہے اور یہ بسنت منانے کا وقت ہے۔ بہار کا موسم لوگوں کے مزاجوں پر یکایک اثرانداز ہوتا ہے' ماحول پر لطف ہو جاتا ہے زندگی میں بھی زیادہ سرگرمی آجاتی ہے لاہوریوں کا امور کو انجام دینے کا اپنا طریقہ ہے اس لئے بسنت کیوں مستثنیٰ ہو' جب خدا زمین کو گلہائے رنگارنگ سے سجا دیتا ہے تو لاہوری رنگ برنگی پتنگوں سے آسمان کو آراستہ کر کے اس کا شکر بجالاتے ہیں۔ لاہور میں بسنت اور پتنگ بازی لازم و ملزوم ہیں حالانکہ پتنگ بازی کا آغاز بطور ایک کھیل کے چین سے ہوا مگر لاہوریوں نے اس کو ایک تہوار سے وابستہ

کر دیا اور آج صورت یہ ہے لاہور کو پتنگ بازی اور پتنگ بازی کو لاہور کے بغیر مکمل نہیں سمجھا جاتا۔ لاہور میں پتنگ بازی کے آغاز کا سراغ لگانا تو مشکل ہے لیکن اس کی وجہ سے بسنت کو ایک بڑے اور رنگا رنگ تہوار کا مقام مل گیا ہے۔ عام طور سے یہ تہوار فروری کے پہلے یا دوسرے ہفتہ میں منایا جاتا ہے' اس جشن کو منانے کے لئے ایک متعین تاریخ کا خصوصی اعلان کیا جاتا ہے۔ بسنت کی تقریبات اپنے عروج پر ہوتی ہیں اور خصوصی طور پر ہفتہ کے اختتام پر چھٹی والے دن جو لوگوں کی بھرپور شرکت کا موقع فراہم کرتا ہے' بس آپ لاہور میں موجود ہوں چاہے پتنگ اڑائیں یا نہیں' صرف رنگ برنگی پتنگوں سے بھرے ہوئے آسمان پر ایک نظر آپ کو اس جشن کا حصہ دار بنا دے گی' اس جشن کا منفرد تعارف شب بسنت ہے' جیسے ہی سورج غروب ہوتا ہے لوگ پتنگیں اڑانا شروع کر دیتے ہیں۔ بسنت کی رات سرچ لائٹس میں گزاری جاتی ہے اس رات صرف سفید رنگ کی پتنگیں اڑائی جاتی ہیں تاکہ وہ زیادہ اچھی طرح دیکھی جا سکیں۔ یہ اپنی نوع کا بالکل مختلف موقع ہوتا ہے' جو رات بھر جاری رہنے کے بعد دوسرے دن صبح اختتام پذیر ہوتا ہے۔ زیادہ تر علاقوں میں چھتوں پر خصوصی ضیافتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے یہ نکتہ قابل غور ہے کہ لاہور میں پتنگ بازی نے یہ شکل کیوں اختیار کر لی ہے ایک انفرادی عمل سے ایک سماجی ایونٹ کیوں بن گیا ہے؟ اور اب تو اس کی سیاسی نوعیت بھی ہو گئی ہے مختلف عوامل نے اس کو مقبول بنانے میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ لاہور اپنے باسیوں کے غیر معمولی جوش و ولولہ سے پہچانا جاتا ہے' انہیں تو ملنے جلنے اور محفلیں منعقد کرنے کا کوئی بہانہ چاہئے اور بسنت ان کو یہ موقع فراہم کرتا ہے۔ اس کھنچاؤ اور تناؤ کے ماحول میں پتنگ بازی ایک بڑی تفریح ہے اور بڑے لوگوں کے لئے اپنی دولت کی نمود و نمائش کا نادر موقع بھی۔ بایں ہمہ پرانے پتنگ باز اس کی قیادت کرتے ہیں آج کل خواتین کی شرکت نے اس کو زیادہ رنگین بنا دیا ہے حالانکہ یہ مردوں کا کھیل ہے لیکن خواتین کی شرکت نے اس کی ہیئت تبدیل کر کے بالکل مختلف تفریح بنا دیا ہے پتنگ بازی میں جگہوں کے لحاظ سے عدم مشابہت ہے چین' امریکہ' کینیڈا اور بہت سے دیگر ممالک میں دوسرے کھیلوں کی طرح یہ بھی ایک اسپورٹ ہے اور پتنگیں بڑے اور چوڑے میدانوں میں اڑائی جاتی ہیں لیکن لاہور میں یہ بسنت کی تقریبات میں مدغم ہو کر ایک مکمل تہوار کی شکل اختیار کر گئی ہیں اور میدانوں کے بجائے گھروں کی چھتوں پر اڑائی جاتی ہیں۔ یہ ایک بڑا سماجی

وسیاسی میلہ ہو گیا ہے۔ یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ پچھلے کچھ سالوں سے ملک کے اکثر ممتاز رہنما اس موقع پر لاہور میں موجود ہوتے ہیں اور بسنت کی تقریبات میں حصہ لیتے ہیں۔ کچھ سال قبل کرکٹ کے ورلڈ کپ کے انعقاد کے دوران کھلاڑیوں کو لاہور کے کثیر آبادی والے علاقوں میں بسنت کی تقریبات دکھانے کے لئے خصوصی انتظامات کئے گئے تھے۔ اس سال بھارتی وفد جشن بسنت دیکھنے کے لئے مدعو کیا گیا تھا جس سے وہ بلاشبہ خوب لطف اندوز ہوا۔ نامور شخصیات' اداکار اور اداکاراؤں نے بھی اس میں حصہ لیا۔ اس طرح بسنت کا تہوار سیاحوں کے لیے بھی بڑی کشش کا سبب بن رہا ہے یہ کہنا غلط ہے کہ بسنت ہندوؤں کا تہوار ہے اور مسلمانوں کو اس میں شرکت سے اجتناب کرنا چاہئے۔ حقائق سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ تو صرف ایک موسم کو خوش آمدید کہنے کا طریقہ ہے اور اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ یہ آپ کس طرح کرتے ہیں۔ بسنت آپ کو مل بیٹھنے کا موقع فراہم کرتا ہے اور پتنگ بازی دیگر تمام اسپورٹس کی طرح مقابلہ کا احساس پیدا کرتی ہے یہ کشیدہ ماحول اور ناگفتہ بہ حالات میں تفریح کے لئے ایک صحت مند اسپورٹ ہے یہ بچوں کو ہوا اور خلا کو مسخر کرنے کا گرویدہ بناتا ہے' یہ ان غریب لوگوں کے لئے' جنہوں نے اس کو پیشہ کے طور پر اپنایا ہے' روزی کمانے کا ذریعہ بن چکا ہے۔ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ بالائی طبقہ کے بے اندازہ اخراجات نے اس کو مہنگا اسپورٹ بنا دیا ہے' اب یہ عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہوتا جا رہا ہے جہاں پر یہ وجود میں آیا تھا۔ یہ اسپورٹ کم اور نمود و نمائش کا ذریعہ زیادہ ہو گیا ہے۔ پتنگ اڑانے میں تار کے استعمال اور فائرنگ کے باعث شرح اموات ہر سال مختلف ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ تیز دھار ڈوری (مانجھے) کے استعمال سے زخمی ہو جاتے ہیں' اس سال بندوق کے استعمال پر پابندی کی وجہ سے اموات اور شدید زخمیوں کی شرح پچھلے سال کے مقابلے میں بالترتیب سات اور دو سے گر کر تین رہ گئی ہے۔ گورنمنٹ نے اس کو مقامی تہوار کے طور پر اس سال تسلیم کیا اور مخالفت کے باوجود کوئی پابندی نہیں لگائی بلکہ سخت حفاظتی انتظامات کر کے اور ہتھیاروں پر پابندی لگا کر اس کو زیادہ محفوظ بنایا۔ ملاؤں نے اس کے غیر اسلامی ہونے کی وجہ سے سخت مخالفت کی حالانکہ یہ اپنے تئیں غیر اسلامی نہیں ہے مگر جس طریقہ سے اس کو منایا جاتا ہے اس کو غیر اسلامی کہا جا سکتا ہے۔ جس طرح اس مردوں کے اسپورٹ میں خواتین جس طرح شرکت

کرتی ہیں وہ سوقیانہ حرکات کو کھلی دعوت دینے کے مترادف ہے۔ ایک طرف تو گورنمنٹ شریعت بل کی بات کرتی ہے اور دوسری طرف اس قسم کے ایونٹس کو مقامی تہوار تسلیم کرتی ہے۔

قومی مفادات: حزب اقتدار اور حزب اختلاف کا کردار

12 مارچ کو جب صدر پاکستان سینیٹ اور قومی اسمبلی کے مشترکہ اجلاس میں تشریف لائے تو ایک مرتبہ پھر اپوزیشن نے ان کے خلاف شدید ردعمل کا مظاہرہ کیا اور خطاب کے دوران ناشائستہ اور غیر پارلیمانی جملے کس کر اپنی اس روایت کی ہیٹ ٹرک مکمل کر لی۔ پوری دنیا نے اس کارروائی کو دیکھا اور پاکستانی قوم کا سر اپنے ہی چنے ہوئے نمائندوں کی یہ بدتہذیبی دیکھ کر یقیناً شرم اور دکھ سے سر جھک گیا ہوگا۔ ہم کو اس کا تجزیہ کرنا چاہئے کہ بار بار یہ غیر اخلاقی مظاہرہ کس بات کا ردعمل ہے جو صرف تینوں صدور یعنی غلام اسحاق خان' فاروق لغاری اور اب صدر محمد رفیق تارڑ کے ساتھ پیش آیا' کوئی بھی باشعور انسان قومی اسمبلی کے فلور پر اس قسم کے ردعمل سے نہ تو محظوظ ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس سے اتفاق کر سکتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اپوزیشن ایسا کرنے پر مجبور ہے؟ جبکہ پہلے دو صدور یعنی غلام اسحاق خان اور فاروق لغاری صاحبان کے پاس قومی اسمبلی کو ختم کرنے کی قانونی طاقت موجود تھی اور موجودہ صدر رفیق تارڑ کے پاس تو سلام کرنے اور سلامی لینے کے علاوہ کوئی پاور بھی نہیں ہے جیسے صدر فضل الٰہی بھٹو کے دور میں صرف آئینی صدر تھے تو ایک دل جلے نے پریسیڈنٹ ہاؤس کے باہر کی دیوار پر جلی حروف سے لکھ دیا تھا کہ "فخر کو رہا کرو۔" شاید اسی وجہ سے موجودہ پریسیڈنٹ ہاؤس کے باہر دیوار کے بجائے لوہے کی جالیاں ہیں جن پر لکھا نہیں جا سکتا اگر ایسا ہو جائے تو قوم کے کروڑوں روپے بچ جائیں۔ بدقسمتی سے ہمارے سیاستدانوں نے اپنے آپ کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا ہے یا تو وہ صرف حزب اقتدار رہیں گے یا پھر حزب اختلاف رہیں گے یعنی اپوزیشن کا کام صرف اور صرف اختلاف کرنا ہے خواہ حزب اقتدار

کوئی اچھا کام ہی کیوں نہ کرے۔ خراب کام تو بہر حال خراب ہی گنا جائے گا۔ دوسری طرف حزب اقتدار نے صرف اپوزیشن کو دبانے دھمکانے کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے اگر اپوزیشن کوئی اچھی بات کرے تو اس کو قوم کے مفاد میں سننے کے بجائے اس کو تنقید کا نشانہ بنانا ہے اور یہ ثابت کرنا ہے کہ صاحب اقتدار ہی عقل کل ہے اور اسی وجہ سے ہمارے عوام موجودہ سائنسی دور میں تعلیم جیسی اہم اور ضروری چیز سے محروم ہیں۔ میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی اسمبلی میں کشمکش کی جنگ کی مثال تائیوان کے حوالے سے دینا چاہتا ہوں تائیوان میں قومی اسمبلی میں ممبران سیاسی معاملوں میں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو جاتے ہیں اور عام انسانوں کی طرح گھونسوں لاتوں' کرسیوں' پیپر ویٹوں' گلاسوں حتیٰ کہ جو چیز ہاتھ لگے اس کو استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتے لہٰذا یہ دنیا کی واحد قومی اسمبلی ہے کہ جہاں اب اسپیکر نے کرسیاں فکسڈ کروادی ہیں تاکہ کوئی کرسی اٹھا کر نہ مارے قومی اسمبلی میں شیشے کی بنی ہوئی کوئی بھی چیز لانے کی اجازت نہیں ہے حتیٰ کہ نوکیلے قلم اور پنسلوں کی بھی اجازت نہیں ہے۔ چائے اور پانی ان کو گتے کے گلاسوں میں دیا جاتا ہے مگر جب بات قوم کی بہتری اور مفادات کی ہوتی ہے تو یہی حزب اختلاف حزب اقتدار کا بھرپور ساتھ دیتی ہے۔ جب بات صنعتی انقلاب کی ہوتی ہے یا تعلیمی انقلاب کی یا زرعی انقلاب کی اور جہالت کے خلاف جنگ کی بات ہوتی ہے تو یہ اسمبلی اراکین سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں اور کہیں نہیں لگتا کہ ان میں کون حزب اختلاف ہے اور کون حزب اقتدار۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم سے بہت چھوٹا ملک تائیوان ہم سے ہر میدان میں آگے ہے وہ چاہے تعلیم ہو سائنس ہو' رفاہی ہو صنعتی ہو زرعی ہو کیونکہ وہ قوم کے مفادات کو ذاتی مفادات پر ترجیح نہیں دیتے اور اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو قوم بھی ان کو معاف نہیں کرتی اور آج وہ اتنی ترقی نہیں کرتے جیسا میں نے اوپر لکھا ہے کہ سیاسی مفادات اور ذاتی مفادات میں وہ اتنا آگے بڑھ جاتے ہیں کہ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہونے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ یہی حال امریکہ میں ہے قومی سلامتی کے فیصلوں میں صدر امریکہ نہ صرف اپوزیشن سے بریفنگ لیتے ہیں بلکہ ماضی کے صدور صاحبان کو بھی ان مشوروں میں شریک کرتے ہیں کیونکہ قوم کا مفاد ان کے سامنے ہوتا ہے۔ اپنے پڑوسی ملک ہندوستان ہی کی سیاست کو لیجئے ماضی میں کانگریس نے حزب اختلاف سے ہمیشہ قومی مفادات پر مشورہ لیا جہاں ملک کی بھلائی کی بات ہوتی ہے وہ ایک ہو جاتے ہیں۔ ان کے سیاستدان کسی بھی صنعتی' زرعی یا تعلیمی نظام میں نہ تو دخل اندازی کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے اپنے بندے فٹ کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ صرف ملک کا نظام چلانے کی سیاست کرتے ہیں کسی بھی

شعبے میں گھسنے کی بات نہیں کرتے اور یہی وجہ ہے کہ وہ سوئی سے لے کر ہوائی جہاز تک خود بنانے کی صلاحیت حاصل کر چکے ہیں۔ وہ اب امپورٹ کرنے کے بجائے صرف اور صرف ایکسپورٹ کرنے میں لگے ہوئے ہیں' ان کے صنعت کار حکومت کا ساتھ دیتے ہیں اور حکومت صنعتکاروں کی مدد میں سب سے آگے ہے جبکہ ہمارے ہاں حکومتی ادارے صنعتی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں' بغیر رشوت کام کرنے کا دستور ختم ہو چکا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کرپشن ہماری جڑوں تک پہنچ چکا ہے اسی وجہ سے ہندوستان کی حکومت امیر ہے اور پاکستان کے عوام امیر ہیں اور حکومت غریب ہے۔ اس وقت جو حزب اقتدار ہیں وہ کل تک حزب اختلاف تھے اور جو آج اپوزیشن میں ہیں وہ کل تک اقتدار میں رہے ہیں قوم ان سے سوال کرتی ہے کہ آپ دونوں نے ملک اور قوم کے مفادات میں کوئی صنعتی' زرعی' تعلیمی سائنسی' رفاہی انقلاب لانے کی کوشش کی' قوم سے غربت اور جہالت ختم کرنے کی بات کی' کیا ایک دوسرے کو پیار سے دیکھنے کی کوشش کی یا پھر ایک دوسرے کو نفرت اور حقارت سے دیکھنے کو ہی حزب اختلاف اور حزب اقتدار کا کردار سمجھا۔ کیا آپ نے اپنے اپنے ذاتی مفادات پر قوم کے مفادات کو قربان نہیں کر دیا مصنوعی پارلیمانی کمیٹیاں بنا کر آج تک کوئی ایسا تعمیری کام کیا جس سے قوم کو فائدہ پہنچا۔ دونوں ہی نے صدور پر آوازیں کسیں' اسمبلی میں بھنگڑا ڈالا گیا۔ عدلیہ کو لونڈی سمجھا قوم کو اپنا زر خرید غلام سمجھ کر نظر انداز کیا قوم بھی آپ دونوں کی سیاست سمجھ چکی ہے اور یہی وجہ ہے کہ صرف 27 فیصد لوگوں نے ووٹ کا حق استعمال کیا اور اکثریت الیکشن والے دن تفریحات میں لگی رہی کیونکہ وہ اس میوزیکل چیئر والی سیاست میں حصہ دار بننے کے لئے تیار نہیں تھی کیونکہ بقول شاعر ؎

مرے وطن کی سیاست کا حال مت پوچھو
گھری ہے ایک طوائف تماش بینوں میں

میرے خیال میں اب بھی وقت ہے کہ حزب اقتدار حزب اختلاف سے ملکر قومی مفادات میں خیر سگالی پیدا کریں ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھیں' ذاتی اختلافات کی سیاست ختم کریں ایک دوسرے کو نیچا رکھنے سے گریز کریں پاکستان کی صنعتی' زرعی اور تعلیمی ترقیوں کی مشترکہ کوشش کر کے مثالی پاکستان بنانے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں تاکہ ہمارے عوام تعلیم یافتہ اور خوشحال ہو سکیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہماری آنے والی نسلیں آپ دونوں کو معاف نہیں کریں گی۔

پاکستانی حجاج کی تکالیف کون دور کرے گا

گزشتہ کئی سالوں سے عمرہ اور حج کی سعادت حاصل ہوتی رہی اسی وجہ سے میں نے حج سے دو ماہ قبل پاکستانی حجاج کی تکالیف اور اس کو دور کرنے کی تجاویز پر کئی کالم لکھے تھے اور مجھے امید تھی کہ اس سال ہماری حکومت اس پر ضرور توجہ دے گی۔ جن تکالیف کا میں نے خصوصی طور پر ذکر کیا تھا ان میں سر فہرست پاکستان سے جدہ پہنچنے پر امیگریشن اور کسٹم کی کلیئرنس میں تین چار گھنٹے کی تکالیف کے بعد حج ٹرمینل سے باہر نکلنے کے باوجود پاکستانی حج و اوقاف کے عملے کی طرف سے کسی بھی قسم کی مدد کا نہ ملنا ہے۔ اتفاقاً پچھلے کئی سالوں سے کراچی میں سعودی سفارتخانے سے مجھے خصوصی اجازت نامہ مل جاتا تھا جس کی وجہ سے مجھے معلم کے پاس جانا نہیں پڑتا تھا اس وجہ سے مجھے معلم صاحبان کی کارگزاری کی صرف سرسری سی معلومات تھی کہ وہ پاکستانی عازمین حج سے بری طرح پیش آتے ہیں۔ اس دفعہ سعودی سفارت خانے نے یہ خصوصی اجازت نامہ یعنی فری موومنٹ پرمٹ کسی کو بھی نہیں جاری کیا اس وجہ سے مجھے بھی معلم کی خدمات حاصل کرنا پڑیں۔ تقریباً تین گھنٹے تو بہر حال سعودی کسٹم اور امیگریشن میں لگے مگر جب باہر آیا تو اس وقت رات کے بارہ بج چکے تھے۔ پی آئی اے کی فلائٹ تین گھنٹے پہلے ہی لیٹ تھی وہ ایک اضافی تکلیف تھی۔

عموماً جدہ ٹرمینل کے باہر پاکستانی خدام اور کبھی کبھی حج ڈائریکٹریٹ کا عملہ مل جاتا تھا مگر اس مرتبہ کوئی نہیں ملا۔ کافی تلاش کرنے کے بعد ٹرمینل کے آخری حصہ میں پاکستان کا جھنڈا لہراتا نظر آیا جہاں تمام پاکستانیوں کا سامان ٹرمینل سے لاکر جمع کیا جاتا ہے۔ کاؤنٹر پر صرف دو پاکستانی اونگھتے ہوئے نظر آئے' عازمین ان سے اپنے سامان کے بارے میں پوچھ پوچھ کر تھک چکے تھے۔ کیونکہ پی آئی اے کی دو فلائٹس آئی ہوئی تھیں حتیٰ کہ پی آئی اے کا عملہ بھی غائب تھا' بڑی مشکل سے ایک گھنٹہ کے بعد سامان دستیاب ہوا تمام مسافروں کو بھیڑ بکریوں کی طرح اس پاکستانی کیمپ میں کرسیوں اور فرشوں پر بٹھادیا گیا اور بتایا گیا کہ مکہ جانے کے لئے ابھی بس کا انتظام نہیں ہوا ہے جب ہوگا آپ کو بتادیا جائے گا۔ اللہ اللہ کر کے دو گھنٹوں کے بعد ایک معمولی پرانی بس آکر رکی' اس میں صرف 45 افراد کی گنجائش تھی۔ لہٰذا تمام حجاج کو لائنیں لگانے کو کہا گیا۔ میرے ساتھ میری فیملی بھی تھی' خوش قسمتی سے پہلی بس میں مجھے جگہ دی گئی کیونکہ میں اسپانسر شپ اسکیم کے تحت گیا تھا۔ پہلے اسپانسر حجاج کو بس میں سوار کرایا گیا پھر ایک گھنٹہ تک بس کھڑی رہی۔ پھر دوسری بسیں بھی آنا شروع ہوگئیں اور بقیہ مسافروں کو بھی ان میں سوار کرایا گیا۔ اس میں مزید ایک گھنٹہ لگ گیا۔ پھر اللہ اللہ کر کے ایک ایک بس کو جدہ سے مکہ روانہ کیا گیا۔ بس ڈرائیور بھی ہماری طرح اونگھ رہا تھا۔ رات تین بجے جدہ سے بس روانہ ہوئی تو بس کا گیئر بار بار سلپ ہو رہا تھا بس بہت پرانی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا ایئر کنڈیشن سسٹم کبھی تیز اور کبھی خراب ہو جاتا تھا۔ بہر حال صبح چھ بجے مکہ سے پہلے حج استقبالیہ ٹرمینل میں پہنچے جہاں دوبارہ پاسپورٹ کی گنتی ہوئی اور تمام پاسپورٹ ہمارے معلم کے آدمی کے حوالے کر دیئے گئے' اس میں بھی دو گھنٹے لگے۔ ہم اپنے معلم کے پاس صبح نو بجے مکہ پہنچے جہاں ہمیں پھر بھیڑ بکریوں کی طرح بس سے اتار کر دفتر کے باہر کھڑا کر کے ہماری حاضری لی گئی اور تمام پاسپورٹ لے کر ایک ایک پیلے رنگ کا پٹہ دے دیا گیا اور کہا گیا کہ دو دن بعد آکر اپنے پاسپورٹ کے بدلے شناختی کارڈ لے جائیں۔ اس طرح دس گھنٹوں کے بعد ہم اپنے ہوٹل پہنچے کیونکہ ہمارے پاس اسپانسر شپ تھی اس وجہ سے ہم معلم کے مہمان نہیں تھے' ہم نے اپنے ٹھہرنے کا خود انتظام کیا ہوا تھا یعنی جدہ سے مکہ کا فاصلہ دس گھنٹوں میں طے ہوا جو صرف ایک گھنٹے میں طے ہوتا تھا۔ جدہ کے حج ٹرمینل پر پہنچنے کے بعد میں نے دیگر ممالک کے حاجیوں کے انتظامات کا جائزہ لینے کے لئے حج ٹرمینل کا دورہ کیا۔ سب سے بڑا گروپ کیمپ ایرانی حجاج کا تھا وہاں ایران کے

والنٹیر زاپنے تمام حجاج کو کیمپ میں نہ صرف لالا کر بٹھا رہے تھے بلکہ ان کے سامان کا انتظام اور فوری طور پر چائے بسکٹ سے تواضع کر رہے تھے۔ ان کا سامان بسوں میں خود لاد رہے تھے اور ہر ایک کو سمجھا رہے تھے کہ ان کو کس بس میں سوار ہونا ہے اور ہر بس میں ایک والنٹیر بھی سوار تھا ان کا معلم بھی ایرانی (فارسی) بول رہا تھا۔ تقریباً یہی نظم و ضبط ملائیشیا' بھارت' مصر اور انڈونیشیا کے کیمپوں میں نظر آتا تھا اور ان کے معلم اور ان کے حج اور حکومت کے اراکین موجود تھے اور تمام حجاج صاحبان کی خدمت کرتے ہوئے نظر آئے۔ میری سمجھ سے باہر ہے کہ ہماری حکومت ہمارے حجاج صاحبان کی تکالیف کا کیوں خیال نہیں رکھتی جبکہ ہر حاجی سے دیگر ممالک کی طرح 480 ریال بسوں کا کرایہ منیٰ کا قیام اور 1500 ریال فی کس مکہ میں ٹھہرنے کا لیا جاتا ہے جبکہ اس سال بھی حجاج کرام کو دور دور مقامات پر پرانی عمارات لے کر ٹھہرایا گیا۔ چونکہ ہمارے حجاج بوڑھے اور غیر تعلیم یافتہ ہوتے ہیں وہ ان تکالیف کو حج کا حصہ سمجھ کر خاموش رہتے ہیں۔ ہمارے معلم حضرات اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کے معلموں کے پاکستانی کارندے مالک سے بھی بڑھ کر حاجیوں کو تکلیف پہنچانے میں پیش پیش ہوتے ہیں عازمین حج سے نہایت حقارت سے پیش آتے ہیں اور بعض بعض تو بدتمیزی پر بھی اتر آتے ہیں۔ ہم جس معلم کے پاس پاسپورٹ چھوڑ کر آئے تھے' پانچ دن گزر جانے کے باوجود اس نے شناختی کارڈ بنا کر نہیں دیا اور روزانہ دیگر حجاج کرام کو بھی چکر کٹوا رہا ہے جبکہ تین دن بعد حج ہے میرا حکومت پاکستان سے یہ سوال ہے کہ ہمارے حج اور اوقاف کے نمائندے ہر پاکستانی مکتب پر جاکر حالات کا جائزہ کیوں نہیں لیتے۔ ہم معلم کو کس بات کی فیس دیتے ہیں؟ میں جس ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں وہاں ملائیشیا اور سری لنکا کے حجاج بھی ٹھہرے ہیں یہ فائیو اسٹار ہوٹل ہے میں نے ان کے حجاج سے بات کی تو انہوں نے بتایا کہ ان سے ان کے نمائندوں نے تین ہزار ریال فی کس لیا ہے اور تینوں وقت کا کھانا' چائے ناشتہ اس میں شامل تھے ان کو بہترین بسوں میں لایا گیا تھا ان کے معلم کا دفتر بھی اسی ہوٹل میں واقع ہے اس میں زیارتیں بھی کرائی گئی ہیں جبکہ ہمارے حاجی صاحبان 1500 ریال دے کر دھکے کھا رہے ہیں چند عمارتیں حرم شریف کے پاس ہیں۔ ان کے ایک ایک کمرہ میں بیس بیس حاجیوں کا قیام ہے حرم سے چار کلو میٹر کے فاصلے پر میں ایک زیارت کے لئے گیا تو حیران ہو گیا کہ ایک ویران سی گلی میں پاکستان کا جھنڈا لہرا رہا تھا' پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس بلڈنگ کو بھی پاکستانی سفارت خانے نے حاجیوں کے لئے لیا ہوا ہے' اس میں اندرون

پنجاب کی بیچاری بوڑھی عورتیں اور بوڑھے مرد ٹھہرائے گئے ہیں' ہر سال کی طرح اس سال بھی پرانی اور دور دراز واقع عمارتیں کرائے پر لے کر کروڑوں روپے ہمارے متعلقہ حکام ہضم کر چکے ہیں۔ اور حاجی صاحبان معلموں کے دفتر کے چکر لگا لگا کر ہلکان ہو چکے ہیں ابھی حج میں تین دن باقی ہیں۔ حج کرنے تک اور کیا کیا تکالیف آتی ہیں وہ حج کے بعد لکھوں گا فی الحال حکومت کو مشورہ دینا چاہوں گا کہ وہ حاجیوں کی بددعاؤں سے بچے کیونکہ اس سال حاجیوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے' خاص طور پر جب وہ دوسرے ممالک کے حاجیوں کا آرام دہ حج کا انتظام دیکھتے ہیں تو وہ ہماری حکومت کی نالائقی کو برے نام سے نوازتے ہیں کہ بھلا پورے پیسے دینے کے باوجود وہ اتنی تکالیف کیوں اٹھائیں۔ ہمارے حکام آخری دن پہنچیں گے اور بیان داغ دیں گے کہ تمام انتظامات ٹھیک ہیں' مگر کون ہے جو ہمارے حجاج کی تکالیف دور کرے گا اور یہ کہ ان بدتمیز معلموں کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کی جاتی' اس لئے کہ وہ معلم صاحبان بھی ہمارے حکام سے مک مکا کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

"حج کی تکالیف اور ان کا حل"

پچھلے ہفتے میں نے حج سے پہلے کی تکالیف کا ذکر کیا تھا جو پاکستانی حجاج کو عموماً پیش آتی رہتی ہیں۔ اگرچہ سعودی حکومت اپنی ممکنہ کوشش کرتی ہے کہ حجاج حضرات کو کم سے کم تکالیف ہوں مگر پھر بھی دنیا کے اس واحد نوعیت کے لاکھوں کے مجمع سے حکومت سعودی عرب کو اتنے پروقار طریقے سے نمٹنے پر دلی مبارک باد دینی چاہئے کیونکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے بغیر ایک دوسرے کی زبان جانے بیک وقت منیٰ' عرفات' مزدلفہ اور پھر شیطانوں کو کنکریاں مارنے کے عمل سے گزر کر قربانی اور پھر طواف زیارت کرنا ہرگز ایک آسان عمل نہیں ہے' خاص طور پر جب غیر پڑھے لکھے بوڑھوں' عورتوں اور بچوں سمیت ان ارکان حج کو صرف تین دن میں بخوبی پورا کرنا ہو۔ اس حج اکبر کے دوران چند مشاہدات کا میں ذکر کروں گا اور چند کوتاہیوں کی نشاندہی بھی کروں گا۔

اس سال حج اکبر ہونے کے باوجود صرف سترہ لاکھ حجاج نے حج کیا جبکہ گزشتہ سال 23 لاکھ افراد نے حج کی سعادت حاصل کی جس میں صرف 4 لاکھ مقامی حجاج تھے' اس سال سترہ لاکھ میں 6 لاکھ سے زائد مقامی لوگوں نے حج کی سعادت حاصل کی غیر ملکی کرنسیوں کے زبردست اتار چڑھاؤ کی وجہ سے بہت سے ممالک سے حاجی نہیں آسکے کیونکہ اب حج اتنا مہنگا ہو چکا ہے کہ ایک عام آدمی کی دسترس سے باہر ہے۔

انڈونیشیا خصوصاً اپنی کرنسی کے گر جانے کی وجہ سے سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے اسی وجہ سے انڈونیشیا سے 25 فیصد بھی حاجی نہیں آئے۔ خود ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان کی حکومت نے اس سال ہندوستانی حجاج کے لئے آدھا ٹکٹ کا خرچہ خود برداشت کیا اس کی وجہ سے اس سال ہندوستان سے ایک لاکھ دس ہزار حاجی آئے جبکہ ہماری حکومت نے نہ صرف حج کا ہوائی ٹکٹ چار ہزار روپے بڑھا کر دیا بلکہ فارن ایکسچینج کمپوزٹ ریٹ یعنی چار روپے فی ڈالر اضافی لے کر حاجیوں کے ہاتھ بیچا۔ باوجود عوامی رد عمل کے حکومت پاکستان نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے پاکستان سے صرف 85 ہزار حاجی گئے یعنی اسلامی مملکت سے ہمیشہ سے بھی کم حاجی حج کی سعادت حاصل کر سکے حالانکہ حکومت پاکستان کو چاہئے تھا کہ وہ ڈالر اور کرایہ کی مد میں کمی کرے۔ اس سال سعودی ایئر لائنز نے بھی اپنی حج فلائٹس "پی آئی اے" کے ہاتھ فروخت کر کے 5 ہزار روپیہ فی حاجی کمایا اور صرف 15 فلائٹیں چلائیں' ان میں بھی عام فلائٹ کے مسافر شامل تھے۔ گویا ہماری قومی ایئر لائن نے اس دینی فریضہ میں بھی کمائی کا راستہ نکالا۔ میں اس سے پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ حکومت پاکستان اگر دیگر مقامی ایئر لائنوں کو جدہ حج فلائٹ کی اجازت دیدے تو اس میں بھی دیگر ممالک کے کرایوں کی طرح کمپیٹیشن شروع ہو جائے گا جس سے عام حاجی کو فائدہ پہنچے گا اور "پی آئی اے" اور "سعودی ایئر لائن" کی چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔ "پی آئی اے" اور "سعودی ایئر لائن" کو صرف کمرشیل فلائٹ کی اجازت ہونی چاہئے اور دیگر پاکستانی ایئر لائنوں کو حج اور عمرہ فلائٹ کی اجازت ہونی چاہئے اس طرح پاکستان سے چارٹرڈ فلائیٹ چلنے سے زیادہ حج اور عمرہ کے مواقع کم کرایہ میں میسر ہو سکیں گے۔

اس سال سعودی حکومت نے منیٰ میں فائر پروف خیمے لگائے تھے جو واقعی انقلابی عمل تھا جس کی وجہ سے ہر سال جو منیٰ میں آگ لگتی تھی وہ بھی نہیں لگی اور دوسری طرف شیطان کو کنکریاں مارنے کے یکطرفہ راستے کی وجہ سے حاجی صاحبان رش سے محفوظ رہے اور کسی بڑے حادثے سے بھی بچے رہے البتہ دوسرے دن جب شیطان کو کنکریاں مارنے کے لئے لوگ جمرات پہنچے تو وہ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ ان جمراتوں یعنی چھوٹے' درمیانے اور بڑے شیطان کے نیچے والے راستوں پر لوگوں نے ڈیرہ جما لیا تھا اور باقاعدہ بازار کی شکل میں خرید و فروخت ہو رہی تھی جبکہ ایک دن پہلے پولیس نے کسی کو بھی نہیں بیٹھنے دیا اسی وجہ سے پہلے دن کنکریاں مارنے میں لوگوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی مگر دوسرے اور تیسرے دن ان بازاروں اور بیٹھنے والوں کی وجہ سے تمام راستہ بلاک ہو گیا اور رات دس بجے تک لوگ کنکریاں

مارتے رہے اور دھکے کھاتے رہے اور غالباً اسی رش کی وجہ سے سعودی عرب کے مفتی صاحب نے رات کو بھی کنکریاں مارنے کا فتویٰ جاری کر دیا۔ ورنہ بہت سے لوگ اس سے محروم ہو جاتے میرے خیال میں حکومت کو چاہئے کہ پہلے دن کی طرح دوسرے اور تیسرے دن بھی نہ تو لوگوں کو راستوں میں بیٹھنے دیا جائے اور نہ ہی کسی کو بازار لگانے کی اجازت دی جائے۔

حجاج صاحبان کو ایک اور مستقل تکلیف ہوتی ہے وہ یہ کہ عرفات سے مزدلفہ کا سفر جو صرف 7 کلو میٹر ہے' دس سے پندرہ پندرہ گھنٹے کا بن جاتا ہے اور بہت سے حاجی تو حج کے بعد مزدلفہ پہنچتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا حج فوت ہو جاتا ہے کیونکہ مزدلفہ میں حج کی نماز سے پہلے ہی پہنچنا ضروری ہے۔ حالانکہ حکومت نے آٹھ راستے بنائے ہیں مگر چونکہ ایک ہی وقت میں روانہ ہونا ہوتا ہے اس لئے حکومت کو چاہئے کہ تمام چوراہوں پر اوور ہیڈ برج یعنی پل بنا دیئے جائیں تو یہ مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو سکتا ہے میں نے اس سے پہلے والے کالم میں معلم حضرات کی کارگزاری پر لکھا تھا کہ جس طرح عمرہ میں بغیر معلم کے عمرہ ہو جاتا ہے اسی طرح حج میں بھی معلم کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ایک تو معلم حضرات ملتے ہی نہیں ہیں' وہ صرف رات بارہ بجے آتے ہیں اور دو ایک گھنٹے بیٹھ کر جائزہ لے کر چلے جاتے ہیں اور ان کو تین سو ریال فیس مل جاتی ہے یعنی ایک معلم کے پاس تقریباً پانچ ہزار حاجی ہوتے ہیں اس طرح ہر معلم پندرہ لاکھ ریال یعنی دو کروڑ روپے ہر سال کما لیتا ہے اور اس کے کارندے روزانہ پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کے لئے چکر پر چکر لگواتے ہیں لہٰذا ہماری حکومت کو چاہئے کہ سعودی حکومت سے اس سلسلے میں بات کرے کہ عمرہ کی طرح حج میں بھی معلم کو نہیں ہونا چاہئے۔ اگر سعودی حکومت یہ کہے کہ اس طرح پاسپورٹ رکھنے سے حاجی واپس چلا جاتا ہے ورنہ سعودی عرب میں ٹھہرنے کا احتمال ہے تو اس کے لئے عرض ہے کہ تمام لوگ الگ الگ عمارات میں رہتے ہیں اگر کسی کو سعودی عرب میں ٹھہرنا ہو تو وہ بغیر پاسپورٹ بھی ٹھہر سکتا ہے معلم اس میں کچھ نہیں کر سکتا اگر پھر بھی یہ ممکن نہ ہو تو پہلے کی طرح ہر حاجی کو اپنا معلم چننے کا حق دیا جائے تاکہ معلم پہلے کی طرح حاجیوں کی خدمت کرے نہ کہ من مانی کرے کیونکہ جب سے معلم کو اپنی مرضی سے نامزد کرنے کا عمل ختم کیا گیا ہے اس وقت سے معلم حضرات نے حاجی کی خدمت کرنے کے بجائے اس کو تکلیف ہی دی ہے۔ ہماری حکومت کو چاہئے کہ حج اور عمرہ کے لیے لوگوں کو صرف گروپ کی شکل میں اچھے ٹریول ایجنٹس یا عالمگیر ٹرسٹ جیسے دینی اداروں کے ذریعے بھیجا جائے جس طرح یہ سلسلہ انڈونیشیا' ملائیشیا' سنگاپور' سری لنکا' ساؤتھ افریقہ'

تھائی لینڈ میں رائج ہے اور بے حد آسان ہے کیونکہ ان گروپوں میں کمپیٹیشن ہوتا ہے اور جو گروپ اچھی سروس دیتا ہے لوگ اسی گروپ سے جانا پسند کرتے ہیں اور ان کی حکومت اس گروپ لیڈر یا کمپنی سے زر ضمانت بھی رکھتی ہے اور وہ واپسی پر انہیں یہ رقم واپس کرتی ہے۔ اس طرح غیر پڑھے لکھے لوگ ان گروپوں میں آسانی سے حج کے ارکان ادا کرتے ہیں کیونکہ یہ حج سے پہلے تمام ارکان سے آگاہ کر دیتے ہیں اور خود حج کراتے ہیں اور تمام انتظامات کرتے ہیں اور حاجیوں کی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔ ایک محتاط اندازہ کے مطابق تقریباً چالیس لاکھ افراد حج اور عمرہ کی سعادت ہر سال حاصل کرتے ہیں اگر حساب لگایا جائے تو چار ہزار ریال فی کس حاجی سعودی عرب میں خرچ کرتا ہے جو غیر ملکی کرنسی یعنی ریال میں 16 ارب ریال بنتی ہے یعنی 15 ارب ڈالر صرف اور صرف غیر ملکی کرنسی حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے سعودی عرب اب تیل کی برآمدات کے علاوہ خود ترقی کر کے بہت بڑا صنعتی ملک بن چکا ہے اور اب اس نے امپورٹ کے بجائے ایکسپورٹ شروع کر دی ہے۔ اگر صرف حجاج کرام کو ایئرپورٹس پر مغربی ممالک کی طرح آنے اور جانے میں سہولتیں پیدا کر دے تو یقیناً حجاج کرام کی دعاؤں سے یہ ملک اور ترقی کر سکے گا کیونکہ میں نے پہلے بھی لکھا تھا کہ ایئرپورٹ پر کم عملہ اور حاجیوں کی تعداد کے مقابلے میں سہولتیں بہت کم ہیں جس کی وجہ سے کئی کئی گھنٹے صرف آنے اور جانے میں لگ جاتے ہیں جو بوڑھوں' بچوں اور عورتوں کے لئے نہایت تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ جہاں اتنی کشادہ سڑکیں' عالیشان عمارتیں بنائی گئی ہیں وہاں جدہ ایئرپورٹ بہت چھوٹا اور ناکافی ہے تمام ممالک کے جہاز جب حاجیوں کو لاتے ہیں یا لے جاتے ہیں تو رمضان اور حج کے موقع پر گھنٹوں فلائٹیں لیٹ ہوتی ہیں حالانکہ بارہ گھنٹے پہلے ان حاجیوں کو ایئرپورٹ پہنچنے کی ہدایت ہوتی ہے جس کی مثال دنیا کے کسی بھی ترقی پذیر ملک کے ایئرپورٹ پر نہیں ملتی۔ مجھے امید ہے کہ سعودی حکومت اس پر بھی پوری توجہ دے گی۔

ایک محمد بن قاسم کا انتظار ہے

کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے' اس کو ملک کے دیگر بڑے بڑے شہروں کے مقابلے میں ہر چیز پر سبقت حاصل ہے۔ آبادی کے لحاظ سے یہ دنیا کے بہت سے چھوٹے چھوٹے ملکوں سے بھی بڑا ہے' اس کی آبادی دنیا کے سب سے بڑے صنعتی ملک سوئٹزرلینڈ کی آبادی سے تقریباً ڈھائی گنا ہے۔ اس طرح صنعتی معنوں میں پاکستان کے تمام صنعتی علاقوں کو اگر ایک جگہ ملا دیا جائے تب بھی کراچی کی صنعتیں دس گنا زیادہ ہیں۔ یہ ملک کی قومی آمدنی کا 65 سے 70 فیصد ٹیکس کی شکل میں ادا کرتا ہے اور ملک کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کہا جا سکتا ہے باوجود اس کے کہ اس شہر کو گزشتہ تیس سال سے دیگر شہروں کے صنعتی علاقوں کی طرح کسی بھی طرح کی رعائتیں نہیں دی گئیں بلکہ قیام پاکستان کے وقت اگر کوئی نادانستہ رعائتیں دی گئی ہوں گی تو وہ تمام کی تمام ماضی کی حکومتوں نے یکے بعد دیگرے واپس لے لی ہیں' اگر معاملہ سیاسی سوجھ بوجھ کا ہو تو بھی کراچی کی سیاست دیگر شہروں کے مقابلے میں بالکل مختلف اور منفرد ہے اور 47ء سے لے کر 77ء تک یعنی تیس سال تک حکومتوں کا دارومدار کراچی کے لوگوں کے رویے پر رہا ہے تمام اپوزیشن کی تحریکیں کراچی ہی سے شروع ہو کر حکومتوں کے زوال تک جاری رہیں اور کراچی کے پڑھے لکھے شہریوں کی تقلید بعد میں دوسرے شہروں میں کی جاتی رہی ہے' اس شہر کی ایک منفرد خوبی یہ ہے کہ پاکستان کے دیگر صوبوں کے باشندے بھی اس شہر میں آباد ہیں اور اس شہر کی خوبیوں کا ثمر کھا رہے ہیں اور جتنی آبادی اور صوبوں سے باشندوں کی منتقلی اس شہر میں

ہوئی ہے وہ کسی اور شہر' بشمول صوبائی دارالخلافوں کے کہیں نہیں ہوئی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق آبادی میں تین فیصد اضافے کے ساتھ ساتھ تین فیصد دیگر صوبوں سے کراچی میں ہر سال لوگ روزگار کے سلسلے میں آتے ہیں اور اسی وجہ سے اسے منی پاکستان بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں بڑے عرصہ تک سندھی' پنجابی' پٹھان' بلوچ اور مہاجر کی سیاست نہیں تھی اور نہ کوئی تعصب ہوا کرتا تھا۔ کراچی میں شامیں امن اور راتیں روشنیوں کی جگمگاہٹ سے دلکش ہوا کرتی تھیں۔ پاکستان کے دیگر شہروں سے سیاح یہاں آکر بہت خوش ہوتے تھے اور اکثر واپس جاکر کراچی کے گن گاتے تھے اور کراچی والوں کی محبت اور مہمان نوازی کی تعریف کرتے تھے۔ اس سیاحت کی ایک وجہ کراچی کا سمندر بھی ہوتا تھا کیونکہ پاکستان کی واحد بندرگاہ کی حیثیت بھی کراچی کو حاصل تھی اور لوگ کراچی کے باشندوں کی طرح ساحل سمندر پر جاکر منفرد فرحت محسوس کرتے تھے اس میں کیماڑی' ہاکس بے' سینڈزپٹ پر تو چھٹی والے دن لوگوں کا زبردست ہجوم ہوتا تھا اور پیراڈائز پوائنٹ پر تو چلنے کی جگہ بھی مشکل سے ملتی تھی۔ لوگ سارا سارا دن پانی میں نہاکر اور ساحل پر کھیلوں سے لطف اندوز ہوتے تھے مگر ہر حکومت کراچی کے لوگوں سے شاکی رہتی تھی کیونکہ یہ پڑھے لکھے لوگوں کا شہر تھا اسی وجہ سے یہاں حکومتوں پر تنقید بھی سب سے زیادہ ہوتی تھی جو حکومت وقت کو ناگوار گزرتی تھی۔ کراچی کو حکومت کی نبض پر ہاتھ ڈالنے کا ملکہ حاصل تھا اس میں کراچی کے اسٹوڈنٹس مرکزی کردار ادا کرتے تھے اور اس اجارہ داری کو ختم کرنے کے لئے سب سے پہلے کراچی سے دارالخلافہ منتقل کرکے اس کی افادیت کو کم کرنے کی سازش صدر ایوب خان نے کی۔ انہوں نے راتوں رات ایک نیا شہر اسلام آباد' جو ان کے آبائی گاؤں ریحانہ کی پشت پر واقع تھا' دارالخلافہ کے طور پر بسانے کا اعلان کردیا اور اس طرح کراچی والوں کو سیاسی بصیرت کی پہلی سزا دی اور پھر ایک حکم کے ذریعے حکومت کے بیوروکریٹس یعنی سیکریٹری لیول تک کے لوگوں کو راتوں رات کرپشن کا الزام لگاکر فارغ کردیا گیا اس میں تمام پڑھے لکھے اردو بولنے والوں کا تعلق بھی کراچی سے تھا۔ یہ عمل یحییٰ خان کے دور میں بھی دہرایا گیا اور جو ایوب خان سے بچ گئے تھے وہ یحییٰ خان نے نکال دیے۔ انہوں نے 303 بیوروکریٹس کو فارغ کرکے کراچی کی نمائندگی ہی ختم کردی۔ ان میں بعض بیوروکریٹس ایسے بھی شامل تھے جنہوں نے اپنی سگی اولادوں کو محض اس لیے سرکاری نوکری نہیں دی تھی جو ان کے اپنے ہاتھ میں ہوتی تھی کہ دوسرے امیدواران کی اولادوں سے زیادہ مستحق اور قابل تھے ان افسروں کو نکالتے وقت کہا گیا کہ غیر جانبداری سے انکوائری کرائی گئی تھی اور ان کو کرپشن میں ملوث پایا

گیا تھا۔ یہ پول اس وقت کھلا جب نکالے جانے والوں کی لسٹ میں دو مرحومین کے نام بھی شامل پائے گئے۔ الغرض ہر طرح سے کراچی کی انفرادیت پر ضرب پر ضرب لگائی جاتی رہی۔ پھر ویسٹ پاکستان ایکٹ کے ذریعے جس کا صدر دفتر لاہور تھا تمام بڑی بڑی پولیس اور انتظامیہ کی خالی اسامیوں پر میرٹ کے بجائے کھلے عام اپنے اپنے رشتہ داروں کی بھرتی کرکے کراچی کی انتظامیہ پر بھی قبضہ کرلیا گیا اور آج کراچی کی انتظامیہ اور مرکزی حکومت کے اہلکاروں میں کراچی ڈومیسائل کا اہلکار تو مل جائے گا مگر اصل کراچی کا باشندہ اس منصب پر بڑی مشکل سے ملے گا۔ یعنی کراچی کے اہل باشندوں کو نہ صرف مرکزی حکومت میں بلکہ صوبائی اور بالخصوص کراچی کی انتظامیہ میں کوئی مقام حاصل نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ کراچی کے 90 فیصد تھانوں میں دیگر صوبوں اور شہروں سے تعلق رکھنے والوں کی سو فیصد تعداد ہے جو کراچی کو بنی سمجھ کر اپنی اپنی پوسٹنگ کراچی کرالیتے ہیں اور آج اس شہر میں پولیس کی کارکردگی' لوٹ مار اور رشوت میں سرفہرست ہے اور اس کی زندہ مثال یہ ہے کہ آج کے اخبار میں شائع شدہ خبر کے مطابق کور کمین مشن نے کراچی کے امن کے لئے کراچی پولیس کے تشدد زیادتی اور کرپشن ختم کرنے کی سفارش کی ہے اور آج ہی کے اخبار میں جسٹس ناصر اسلم زاہد صاحب نے اپنے ایک عدالتی ریمارک میں کہا ہے کہ ہم وہی احکامات جاری کرتے ہیں جو قابل عمل ہوتے ہیں اور رشوت کا خاتمہ ممکن نہیں ہے اور اگر آپ روزمرہ کے اخبارات کا مطالعہ کریں تو ظاہر ہوگا کہ ہماری عدلیہ کا پولیس پر سے اعتماد اٹھ چکا ہے عوام کا اعتماد تو پہلے ہی اٹھ چکا تھا۔ عدلیہ کی بار بار تنبیہوں کے باوجود اکثر کیسوں میں پولیس اور حکومت کے اہلکار کئی کئی سال تک نہ خود حاضر ہوتے ہیں اور نہ ہی ملزموں کو عدالت میں لاتے ہیں کیونکہ پولیس کے نام پر لوٹ کھسوٹ کا بازار کھلا ہے' گلی گلی تلاشی کے بہانے کراچی کے باشندوں کی زندگی اجیرن کردی گئی ہے' گورنر سندھ کے بار بار منع کرنے کے باوجود ہر بڑی سڑک اور گلی میں پولیس نے جنگلے کھڑے کرکے گزرنے والی گاڑیوں اور موٹر سائیکل سواروں کی تلاشی کے بہانے نوجوانوں کو خوفزدہ کرکے انہیں لوٹنے کی وارداتیں معمول بنالی ہیں۔ اگر کوئی نہ ملے تو اب راہگیر بھی ان سے محفوظ نہیں رہتے۔ آج تک پولیس نے کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دیا۔ نہ کوئی اسلحہ آتے جاتے پکڑا۔ کوئی دہشت گرد جب چاہتا ہے جہاں چاہتا ہے گولیاں برسا کر نکل جاتا ہے' اسی طرح ڈکیتیاں پھر سے عام ہوگئی ہیں۔ گورنر راج کے بعد کچھ دن تک کار جیکنگ کی تعداد کم ہوگئی تھی اب دوبارہ ہر روز 15 سے 20 گاڑیاں چھن رہی ہیں۔ بڑے منظم طریقہ سے پولیس ہی کی نگرانی میں دوسرے صوبوں میں گاڑیاں

منتقل کرنے کا کاروبار جاری ہے۔ گورنر راج اب آہستہ آہستہ اپنے منطقی انجام کی طرف گامزن ہے' حکمرانوں کو کراچی سے کوئی ہمدردی نہیں رہی ہے۔ صدر یا وزیراعظم کے پاس کراچی آنے کے لئے وقت نہیں ہے۔ صبح کی فلائٹ سے آکر شام واپس اپنے اپنے گھونسلوں میں جانے والے پرندوں کی عادت اپنائی جاچکی ہے لوگ غیر محفوظ ہیں۔ آج تک صلاح الدین' حکیم سعید' مرتضیٰ بھٹو' زہیر اکرم ندیم' آصف بھوجا کے قاتلوں کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ ایک مرتبہ میں نے سابق وزیراعلیٰ جتوئی صاحب سے ایک جہاز میں ملاقات میں شکایت کی کہ پنجاب کے وزیراعلیٰ لاہور میں اربوں روپے خرچ کر کے لاہور کی سڑکیں کشادہ کر چکے ہیں۔ آپ کراچی کی ٹوٹی ہوئی سڑکیں کم از کم مرمت کروادیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں مرکز سے ہمارا اپنا حصہ ہی نہیں مل رہا ہے اور پنجاب کے وزیراعلیٰ کو تو خصوصی طور پر لاہور کے لئے چھ ارب روپے اضافی مل چکے ہیں ہم کہاں ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ گویا کراچی سے وصول کیا ہوا ٹیکس کراچی کی ترقی کے بجائے دیگر صوبوں کی ترقی کے لئے محدود کر دیا گیا ہے اس سے زیادہ زیادتی کراچی کے باشندوں کے ساتھ اور کیا ہو سکتی ہے کہ آج تک اردو بولنے والے اس شہر کے باسی کو وزیراعلیٰ کے عہدہ تک پہنچنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ جو بھی وزیراعلیٰ بنا وہ اندرون سندھ کے گاؤں سے لاکر کراچی پر مسلط کر دیا گیا کیونکہ آبادی کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اردو بولنے والوں اور غیر سندھی بولنے والے باشندوں کی تعداد صرف 30 فیصد بتائی جاتی ہے اور حالیہ مردم شماری میں بھی غلط اندراج کر کے اس کی آبادی اب بھی سندھی بولنے والے باشندوں سے بہت کم رکھی گئی ہے تاکہ اسی لحاظ سے صوبائی اور قومی اسمبلی کی سیٹیں رکھی جاسکیں جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے' موجودہ حقیقی مردم شماری سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سندھ میں سندھی نہ بولنے والے باشندے یعنی مہاجر' پنجابی' پٹھان اور بلوچوں کی تعداد 55 فیصد سے تجاوز کر چکی ہے جبکہ کاغذی کارروائی کر کے سندھی بولنے والوں کی تعداد 60 فیصد ظاہر کر دی گئی ہے اور یہی عمل پنجاب میں بھی دہرایا گیا ہے وہاں سرائیکی اور دوسری اقلیتی زبانیں بولنے والوں کی تعداد پنجابی بولنے والوں سے کم دکھائی گئی ہے اور اسی وجہ سے مردم شماری کا نتیجہ عوام کے بے حد اصرار پر کئی ماہ بعد جاری کیا گیا جب تک ان مقاصد کی تکمیل نہ کر لی گئی جس کے لئے مردم شماری کا انیس سال بعد ناٹک رچایا گیا تھا۔ آخر میں حکومت کے اہم ستونوں سے میری گزارش ہے کہ کراچی کا مستقل حل تلاش کیا جائے۔ کراچی کے باشندوں کو ان کا حق خواہ وہ صوبوں سے متعلق ہو یا مرکز سے نوکریوں کی شکل میں ہو یا ترقیاتی شکل میں' جب تک نہیں دیا جائے گا۔ اس شہر میں امن

قائم نہیں ہو سکتا ہے اس کو مصنوعی سانسوں پر زندہ رکھنے کے بجائے اس کے بنیادی حقوق (Fundamental Rights) بحال کئے جائیں۔ ایک بات حکمرانوں کو سمجھ لینی چاہئے کہ کراچی کے رہنے والوں کو بھیڑ بکری سمجھ کر نظر انداز کرنے کے بھیانک نتائج ہو سکتے ہیں کیونکہ ماضی کی تمام حکومتوں نے کراچی کو مال غنیمت سمجھ کر لوٹ مار مچار کھی تھی یعنی ہر حکمران یہاں لوٹ مار کر کے جس میں نوکریاں اور ترقیاتی فنڈز سرفہرست ہیں' اپنے اپنے شہروں کو آباد کرنے میں مصروف تھا' اب یہ نہیں چلے گا لوگوں کو اب مزید بیوقوف نہیں بنایا جاسکتا ان کے حقوق لوٹانے ہی میں اس شہر میں امن اور ترقی ممکن ہے اور اسی پر مضبوط پاکستان کا انحصار بھی ہے کیونکہ سب سے زیادہ ٹیکس دینے والے اپنے حقوق کی حفاظت کرنا بھی جانتے ہیں ہماری نئی نسل اس متعصب کردار سے بہت شاکی ہے خدارا اس عمل کو اب بند کر دیں یہ سیاسی کھیل اب مزید نہ کھیلیں بلکہ کراچی کے سینئر شہریوں' ٹیکنو کریٹ تاجر اور دیگر شعبوں کے کھلے ذہن رکھنے والے افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جائے جو اس کا سیاسی حل تلاش کر کے اقتدار حقیقی باشندوں کے حوالے کر دے کیونکہ نعروں' وعدوں کی سیاست کا وقت گزر چکا ہے۔ اب صرف عمل سے ہی کراچی کی رونقوں کو واپس لایا جاسکتا ہے اس کے لئے صرف ایک محمد بن قاسم کا انتظار ہے۔

ایٹمی دھماکہ سے شاہین تک کا سفر

بھارت اور پاکستان میں اسلحہ کی دوڑ ایک سال قبل جو شروع ہوئی تھی' پورے جوش و خروش سے جاری ہے سب سے پہلے بھارت نے ایٹمی تجربہ کیا۔ تجربہ کے ہوتے ہی وزیر اعظم واجپائی اور ان کے وزیر داخلہ نے پاکستان کو دھمکیاں دینی شروع کر دیں کیونکہ بھارت سمیت تمام ممالک کو یہ شک تھا کہ پاکستان ایٹمی صلاحیت رکھتا ہے مگر پاکستان نے کبھی کھل کر نہ اس کا اقرار کیا تھا اور نہ ہی اس کا انکار کیا لہٰذا بھارت کے مسلسل دباؤ کی وجہ سے پاکستان نے بھارت سے بڑھ کر ایٹمی دھماکہ کر کے اپنی ایٹمی صلاحیت کا لوہا منوایا۔ جب بھارت نے ایٹمی دھماکہ کیا تو کسی بھی ملک نے اس پر اقتصادی پابندی نہیں لگائی مگر جیسے ہی پاکستان نے اس کا جواب دیا تمام امداد دینے والے ممالک نے پابندیاں لگانے کی دھمکیاں دیں اس سے خائف ہو کر غالباً اس وقت کے وزیر خزانہ سرتاج عزیز صاحب نے تمام پاکستانیوں کے فارن کرنسی اکاؤنٹس غیر قانونی طور پر منجمد کر دیئے جو آج ایک سال ہونے کو ہے بحال نہیں کئے اور اس غلطی پر ان کو وزارت خزانہ سے ہٹا کر وزیر خارجہ بنا دیا گیا ہے جبکہ بھارت نے نہ تو فارن کرنسی اکاؤنٹ منجمد کئے اور نہ ہی اس کو کسی اقتصادی پابندی کی کوئی پرواہ تھی۔ اگر حقیقت سے اس کا تجزیہ اور جائزہ لیا جائے تو بھارت نے اپنے قیام سے ہی یعنی 1947ء سے اپنے ملک میں صنعتوں کا جال بچھایا اور سوئی سے لے کر ہوائی جہاز تک اپنے ہی ملک میں تیار کرنے کے منصوبوں پر عمل کیا اور پچاس سال میں اس نے تمام دنیا سے جدید ٹیکنالوجی خرید کر تمام بنیادی صنعتیں اپنے ملک میں لگائیں۔ صنعتکاروں کو زبردست مراعات

دیں۔ بینکوں نے حکومت کے ساتھ مل کر بنیادی صنعتیں یعنی کیمیکل' پیٹرو کیمیکل' پلاسٹک دانہ' ادویات' سیمنٹ' کپڑا' چینی الغرض ملک میں ضرورت کی ہر چیز بنانے کی فیکٹریاں لگالیں اور نہ صرف ایک ارب ہندوستانیوں کی ضرورتوں کو پورا کیا بلکہ پہلے چھوٹے چھوٹے ملکوں کو ایکسپورٹ شروع کیا اب وہ امریکہ' یورپ اور خلیج کی ریاستوں پر چھا گیا۔ پھر اس نے کم قیمت کی بنیاد پر چین سے کمپیٹیشن شروع کر دیا جس کی وجہ سے فارن کرنسی میں خود کفیل ہو کر اس نے آئی ایم ایف ورلڈ بینک اور دیگر امداد دینے والے اداروں اور ممالک کی دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہیں کی بلکہ اپنے صنعتکاروں سے فارن کرنسی بونڈ خریدنے کی اپیل کی اور اس طرح دس ارب ڈالر کا اضافی زرمبادلہ ایک رات میں جمع کر لیا اور اب اس نے ایک ہزار ڈالر کا کارڈ اپنے بیرون ملک رہنے والے ہندوستانیوں کے لئے جاری کرنے کی اسکیم بھی شروع کر دی ہے جو بھارت بغیر ویزا کے دس سال تک آجا سکیں گے اور ان کو وی آئی پی کا درجہ حاصل ہوگا اور وہ بھارت کے پاسپورٹ کا درجہ رکھے گا اس وقت تقریباً ایک کروڑ بھارتی غیر ممالک میں آباد ہیں ان کی اکثریت اپنے اپنے رشتہ داروں کو زرمبادلہ کی شکل میں رقم بھیجتی ہے' وہ ایک اضافی زرمبادلہ ہوتا ہے۔ صرف اس وی آئی پی کارڈ کی شکل میں دس ارب ڈالر وصول ہوں گے یہ انتہائی کامیاب اقدامات ہیں جو بھارت شروع ہی سے کرتا رہا آج اس کا ریزرو فنڈ ہم سے پچاس گنا زیادہ ہے اور دوسری طرف ہم نے اپنی غلط امپورٹ و ایکسپورٹ پالیسیاں اپنائیں کہ صنعتیں لگنے کے بجائے آج صنعتیں ختم ہو رہی ہیں ہم نے ہمیشہ خام مال کی صنعتیں لگانے کے بجائے تیار شدہ مہنگا مال درآمد کیا ایک سے ایک بڑھ کر فیشن ایبل بننے کی کوشش کی اور فخر سے امپورٹڈ مال استعمال کر کے اپنے ہی ملک میں صنعتیں نہیں لگنے دیں' ساتھ ساتھ اپنے ملک میں بننے والے مال کو غیر معیاری کہہ کر رد کر دیا صرف صدر ایوب خان کے دور میں صنعتیں لگیں' اگر اسی پالیسی کو اپنایا جاتا اور جاری رکھا جاتا تو آج پاکستان بھارت سے آگے ہوتا کوریا نے تیس سال پہلے ہماری صنعتی پالیسیوں سے استفادہ کیا آج وہ چین اور جاپان کا سب سے بڑا حریف ہے اور ہم نے خود اپنی ہی پالیسیاں ترک کر دیں ہر مال کی امپورٹ کی اجازت دے کر اپنی ہی صنعتوں کا قتل عام کیا اس پر ہی بس نہیں کیا بلکہ خام مال پر درآمدی ٹیکسوں کی بھرمار کر دی جس کی وجہ سے ہم صنعتی میدان میں بنگلہ دیش سے بھی پیچھے رہ گئے۔ بنگلہ دیش کے ریزرو فنڈ ہم سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ صنعتیں قومیائی گئیں' بینک اور ہر بڑی صنعت قومیا کر ہم نے صنعتکار کو ختم کر دیا اور اندھے لیبر قوانین اپنائے جس نے صنعتکاروں کو صنعت لگانے سے روکا' بنگلہ دیش کا سکہ ہم سے

آدھا تھا مگر درآمد پر قابو پا کر اپنے سکے کو ہمارے سکے کے برابر لے آئے۔ ہمارا روپیہ گھٹ گھٹ کر کاغذ کا ٹکڑا رہ گیا ہے۔ ہمارے ایکسپورٹ پروموشن بیوریو کے پاس فنڈ نہیں ہیں۔ وہ برآمد کنندگان کے کندھوں پر بیٹھ کر صنعتی نمائشیں لگاتا ہے' غیر ممالک میں ہمارے سفیر صرف عیاشیوں میں مصروف ہیں اور ٹھاٹھ کی زندگی گزار رہے ہیں۔ آج تک انہیں نہ تو کوئی ہدف دیا گیا اور نہ ہی ان سے ان کی کارکردگیوں کا حساب لیا گیا جس کی وجہ سے وہ اپنی ڈیوٹیاں صحیح انجام نہیں دے سکے۔ پاکستانی سفارتخانوں میں خود پاکستانی صنعتکاروں کو نہیں بلایا جاتا اور نہ ہی کوئی کونا پاکستانی مال کی سجاوٹ کے لئے وقف کیا جاتا ہے۔ آج تک انہوں نے ہمارے مال کو متعارف کرانے کے لئے کچھ نہیں کیا ہے جبکہ ہر ہندوستانی سفارتخانہ میں تجارتی اتاشی اپنی برآمدات بڑھانے کے لئے کوشاں ہیں' وہ سادہ زندگی گزار رہے ہیں اور ملک کو زرمبادلہ بھیجنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ ہندوستانی سفارتخانوں میں پاکستان کے باہر رہنے والے تجار اور صنعتکاروں کو مدعو کیا جاتا ہے۔

بے شک ہم نے ایٹمی دھماکہ کر کے خلیجی ممالک میں بالخصوص اپنا مقام منوالیا ہے اب ہم کو اندھا دھند اسلحہ کی دوڑ میں شامل ہونے کے بجائے اپنی صنعتی سرگرمیاں شروع کرنی چاہئیں۔ ہندوستانی طرز پر پاکستانی وی آئی پی کارڈ جاری کر کے ہم کروڑوں ڈالر کما سکتے ہیں۔ ہر ایمبیسی میں تجارتی اتاشی بھیجنے چاہئیں جو خود صنعتکار ہوں تاکہ ہم غیر ملکی خریداروں کو اپنا مال بیچ سکیں۔ ہندوستان نے ورلڈ ٹریڈ آرڈر کے تحت تمام مال درآمد کرنے کی تو اجازت دے دی مگر اس کی کئی گنا آئی ٹی پی مقرر کر دی جس کی وجہ سے غیر ملکی تیار مال اب بھی بھارت میں کوئی نہیں منگواتا ہے جبکہ ہم نے خام مال کی تو آئی ٹی پی مقرر کر دی مگر تیار مال کم قیمت پر درآمد ہو رہا ہے۔ آج گلی گلی چین' کوریا' تائیوان' سنگاپور' ہانگ کانگ اور ہندوستان کا تیار مال سستا بک رہا ہے اور ملک میں تیار مال مہنگا پڑ رہا ہے کیونکہ تیار مال پر ڈیوٹی کم ہے اور خام مال پر ڈیوٹیاں زیادہ ہیں۔ اگر اس رجحان کو نہ روکا گیا تو ہمارا سارا زرمبادلہ اسمگلنگ اور تیار مال پر ضائع ہو جائے گا اور ہمارا روپیہ بھی انڈونیشیا کی طرح تباہ ہو جائے گا اور جو زرمبادلہ بچے گا وہ غوری اور شاہین کے مقابلے میں خرچ ہو جائے گا اور ہندوستان ہمیں اقتصادی طور پر تباہ کرنے کی پوزیشن میں ہو جائے گا خدارا ہوش کے ناخن لیں جہاں ضرورت ہو صرف اسی پر تجربہ کریں۔ اپنی ایٹمی صلاحیتیں جاری رکھیں اور محفوظ کریں جلدی جلدی استعمال کر کے ختم نہ کریں جب وقت پڑے گا قوم آپ کے ساتھ ہو گی

کیونکہ پاکستانی مسلمان ہر لحاظ سے بھارتیوں سے بہتر جذبہ رکھتا ہے' بشرطیکہ آپ اس کو صحیح طور پر استعمال کریں' اس کو جذبات کی بھینٹ نہ چڑھائیں۔

ایک جنگ اور سہی

ہمارے محلے میں چار دوستوں کا گروپ تھا۔ جب بھی محلے میں کسی کی لڑائی ہوتی تھی اور ان کو پتہ چل جاتا تھا تو وہ ہمدرد بن کر پہنچ جاتے اور جس کو بچانا ہوتا تھا اس کے مخالف کو ہمدردی دکھاتے ہوئے تین دوست اس کے ہاتھ پکڑ لیتے تھے اور کہتے جاتے کہ بھائی لڑائی مت کرو۔ اس دوران دوسرے لڑنے والے کو موقع مل جاتا اور وہ کھل کر اس کی پٹائی کرتا رہتا اور دوسرا چونکہ اس کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوتا تھا اس لئے وہ بیچارہ پٹتا رہتا تھا۔ یہ ڈرامہ کافی عرصہ تک چلتا رہا۔ کافی عرصہ کے بعد اس کو اس ڈرامہ کا پتہ چلا تو کئی نوجوانوں نے مل کر ان دوستوں کی ایسی خبر لی کہ انہیں محلّہ چھوڑنا پڑا۔ بالکل اسی قسم کا ڈرامہ امریکن نیٹو کے پلیٹ فارم سے دہرا رہے ہیں' بظاہر وہ کوسوو کے البانوی بولنے والے اکثریتی مسلمانوں سے ہمدردی دکھا کر یوگوسلاوی سربین اور کوسوو کی بمباری کی آڑ میں کوسوو سے ان کو مہاجر بنا کر بے دخل کر رہے ہیں جبکہ کوسوو کی آبادی تقریباً 22 لاکھ افراد پر مشتمل ہے جس میں تقریباً 18 لاکھ البانوی بولنے والے مسلمان ہیں جبکہ چار لاکھ عیسائی ہیں جنہیں کوسوو اور یوگوسلاویہ کے کرسچین فوجیوں کی حمایت حاصل ہے اور وہ جب چاہتے ہیں جہاں چاہتے ہیں نہتے مسلمانوں پر حملہ کر کے

انہیں قتل اور غارت گری کا شکار بنا کر ان کا سامان لوٹ کر' ان کے مکانات جلا کر چلے جاتے ہیں۔ یہ قتل عام مارچ 1999ء سے پوری شدت اختیار کر چکا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اب تک 8 لاکھ البانی مسلمان قرب و جوار کے ممالک میں پناہ لے چکے ہیں اور ظالم کرسچینوں نے جس بیدردی سے مسلمانوں کو قتل کیا ہے' اس سے جرمنی کے ڈکٹیٹر ہٹلر کے دور میں یہودیوں کے قتل عام کی سنگینی بھی ماند پڑ گئی ہے۔ یوگوسلاویہ پر جتنے بم اور میزائل گرائے جاتے ہیں اسی شدت سے یوگوسلاویہ سرب کرسچین مسلمانوں کا قتل عام کر کے انہیں کوسوو کے دوسرے علاقوں میں ہجرت پر مجبور کرتے ہیں۔ بظاہر تو یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ نیٹو کے 19 ممبر ملک مسلمانوں کی ہمدردی میں یوگوسلاویہ کو ان کے جارحانہ قتل عام اور نقل مکانی پر مجبور کرنے سے روکنے کے لئے فضائی حملے کر کے یوگوسلاویہ کو سزا دے رہے ہیں۔ یوگوسلاویہ کے صدر سلوبودان ملاسیوچ کے خالی محل کو میزائلوں سے حملہ کر کے تباہ و برباد کر دیا گیا ہے اس کی بیٹی اور رشتہ داروں کی تیل کی ریفائنری اور دیگر بڑی بڑی عمارتوں پر فضائی حملے کر کے تباہ کر دیا گیا مگر آج تین ماہ گزر جانے کے باوجود نہ تو نیٹو کے کسی ممبر نے ان نہتے مسلمانوں کی مدد کے لئے فوجیں بھیجیں اور نہ ہی کسی مسلمان ملک نے اس پر احتجاج کیا اب دیگر پڑوسی ممالک نے اپنی اپنی سرحدیں بھی ان مہاجروں کے لئے بند کر دی ہیں۔ اس فضائی جنگ کی کوئی ٹیکنیک سمجھ میں نہیں آئی حتیٰ کہ گلف وار کے ہیرو جنرل کولن پاول نے بھی کھل کر کہا ہے کہ فضائی جنگ سے فتح کی امید کی جا سکتی ہے مگر فتح ہونے کی جنگ نہیں سمجھی جا سکتی۔ کیونکہ صرف فضائی جنگ سے آپ ان ممالک کی معاشی تکالیف یعنی معیشت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں مگر ان مسلمانوں کے اس قتل عام اور نقل مکانی سے نہیں روک سکتے ہیں جب تک 75000 زمینی فوج کوسوو میں داخل ہو کر یوگوسلاوی فوج کو حملوں سے نہ روکے۔ بقایا دس لاکھ البانوی زبان بولنے والے مسلمان غیر محفوظ رہیں گے بلکہ ان کے قتل عام میں اضافہ ہو سکتا ہے اور مکمل کنٹرول کے لئے 125000 (ایک لاکھ پچیس ہزار) فوجی مزید درکار ہوں گے تاکہ یوگوسلاویہ کے فوجیوں کو داخل ہونے سے روکا جا سکے۔ فرانس' برطانیہ اور خود امریکہ ابھی تک زمینی فوج کو بھیجنے سے قاصر ہیں جبکہ یہ وہی امریکہ ہے جس نے عراق کویت جنگ میں ایک لاکھ امریکن فوج کو سعودی عرب کی حفاظت کے لئے جنگ سے پہلے ہی پہنچا دیا تھا اس وقت بھی یہی امریکہ کے حمایتی ممالک تھے جنہوں نے مل کر فضائی اور زمینی حملہ کر کے عراق کو کویت خالی کرنے پر مجبور کر دیا تھا بلکہ امریکہ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر یوگوسلاویہ نے یہ قتل عام نہ روکا تو ہم یوگوسلاویہ کی معیشت فضائی حملوں سے تباہ

کر دیں گے۔ اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا کہ سرحد میں ایک خان صاحب کے یہاں ایک مہمان آیا تو خان صاحب نے اس مہمان کو خوش آمدید کہتے ہوئے اپنے مکان میں رات گزارنے کی اجازت دی اور کہا کہ میرے برابر کا مکان میرے دشمن کا ہے اور اس کی میری دشمنی پورے گاؤں میں مشہور ہے لہٰذا آپ رات کو مکان کے پاس سے نہ گزریئے گا اور نہ چھت پر جایئے گا۔ مبادا وہ آپ کو نقصان پہنچائے۔ پھر مہمان کو تسلی دیتے ہوئے کہا: مگر آپ خاطر جمع رکھیئے۔ اگر اس نے آپ کو مار بھی دیا تو میں اس سے بدلہ ضرور لوں گا اور آپ کے بدلے اس کے دس مہمانوں کو ماروں گا۔ امریکی دھمکی بھی اس کی مثال ہے کہ بجائے مسلمانوں کی سلامتی اور نقل مکانی کو روکنے کی تدبیر کرنے کے بجائے جنگ کے شعلے بڑھانے کی باتیں کی جارہی ہیں یہ وہی امریکہ ہے جس نے اپنے مفاد کی خاطر پناما میں اپنی فوجیں اتاریں اور اس کے صدر کو گرفتار کر کے امریکہ میں زبردستی لایا گیا اور اس پر مقدمہ چلایا گیا اور آج تک اس کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ یہ وہی برطانیہ ہے جس نے ہزاروں میل دور فاک لینڈ میں اپنی فوجیں اتاریں وہاں کا محاصرہ کر کے ارجنٹینا سے اپنا علاقہ واپس لیا مگر اب جب معاملہ مسلمانوں کا ہے تو یہ نیٹو کے 19 ممبران اس امریکہ' برطانیہ اور فرانس کو زمینی حملہ کے لئے مجبور نہیں کر سکے۔ نہ کسی نے آج تک یوگوسلاویہ سے تعلقات منقطع کئے نہ اپنے اپنے سفیروں کو واپس بلایا نہ آج تک اس پر کوئی اقتصادی پابندی لگائی اور نہ ہی آج تک یو این او نے یوگوسلاویہ کے خلاف عملی اقدامات کئے اور نہ مظلوم مسلمانوں کی حفاظت کے لئے کوئی فوج بھیجی۔ کہاں ہیں وہ نام نہاد تنظیمیں جو ہیومن رائیٹس پر مسلمان ملکوں کے خلاف اقتصادی پابندیاں لگانے پر زور دیتی ہیں۔ آج ان کو مسلمانوں کا قتل عام نظر نہیں آرہا ہے۔ آج طرح طرح کے بہانے بنا کر زمینی حملوں سے کیوں کنارہ کشی کی جارہی ہے آج عراق اور لیبیا کی طرح تیل کی فروخت کے لئے یوگوسلاویہ پر کیوں پابندی نہیں لگائی جارہی ہے۔ افغانستان پر تو صرف ایک اسامہ بن لادن کی وجہ سے میزائیلوں کے حملہ سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ مگر دوسری طرف ان مسلمانوں کے قتل عام نہیں روکا جاتا۔ یقیناً یہ سب نورا کشتی ہے' کچھ عرصہ کے بعد پوری دنیا کو پتہ چل جائے گا کہ یہ سب نورا کشتی تھی۔ کوسوو سے مسلمانوں کا اخراج مقصود تھا۔ اس طرح امریکہ بہادر نے ایک تیر سے دو شکار کر لئے۔ مسلم امہ کو کیا ہو گیا ہے جو اس موقع پر مصلحتاً خاموش ہے حالانکہ یہ جنگ بڑھ کر پورے یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔

میانداد کے حاسد پھر سرگرم

پاکستان نے بڑی مشکل سے کرکٹ کے میدان میں اپنا کھویا ہوا مقام جب جاوید میانداد کی انتھک کوششوں سے ایک مرتبہ پھر حاصل کرنا شروع کیا تو پاکستان کے حاسدوں اور خاص طور پر جاوید میانداد کے دائمی دشمنوں کو جاوید میانداد کی تعریفیں کھٹکنے لگیں۔ جاوید میانداد کا برے سے برا دشمن بھی اس کے کھیل کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور بحیثیت کوچ اس نے ایک مرتبہ پھر ٹیم میں نئی روح پھونکی اور پاکستان نے بھارت اور انگلینڈ کو بری طرح شکست پر شکست دی تو تمام حاسد ایک جگہ جمع ہو گئے ان کی تشویش یہ تھی کہ اگر جاوید میانداد کوچ رہ گیا تو پاکستان ورلڈ کپ جیت سکے گا اور اگر ورلڈ کپ جیت گیا تو عمران خان کا ریکارڈ ٹوٹ جائے گا اور لوگ ماضی والے ورلڈ کپ کو بھول جائیں گے۔ اس کی زندہ مثال یہ ہے کہ جب حالیہ شارجہ کپ کے فائنل میں روی شاستری اور دیگر مبصرین جاوید میانداد کی بحیثیت کوچ تعریفیں کر رہے تھے تو عین اسی وقت ہمارے ماضی کے کیپٹن اور موجودہ ناکام سیاست دان عمران خان جاوید میانداد کو کریڈٹ دینے کے بجائے صرف وسیم اکرم کو کریڈٹ دے رہے تھے اور ان کے اس بیہودہ تبصرہ پر پوری قوم ان پر لعنت ملامت کر رہی تھی۔ مگر وہ ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہہ رہے تھے کہ اس وقت پاکستان کی ٹیم صرف اور صرف وسیم اکرم کی کپتانی کی وجہ سے دوبارہ ابھری ہے نہ کہ کوچ جاوید میانداد کی وجہ سے اس کو یہ مقام ملا ہے۔ جس وقت شارجہ کے فائنل میں عمران خان یہ تبصرہ بار بار

دہرا رہے تھے تو مجھے اسی وقت شک ہو رہا تھا کہ خدا خیر کرے۔ ایک مرتبہ پھر عمران خان نے اپنا پرانا بخار جاوید میانداد پر اتار دیا ہے۔ پاکستان کرکٹ کنٹرول بورڈ نے جس کے کرتا دھرتا عمران خان کے ٹیلنٹڈ کزن ماجد خان ہیں۔ خاص طور پر عمران کو شارجہ کپ کے فائنل میں مدعو کیا ہو گا اور مقصد یہی ہو گا کہ ورلڈ کپ سے پہلے میانداد کو نیچا دکھایا جائے اور اس کے لئے چاہے پاکستانی ٹیم ٹوٹ پھوٹ جائے اور پاکستان بے شک ورلڈ کپ نہ جیت سکے کیونکہ جب تک میانداد کوچ ہیں پاکستان کی جیت کے چانس بہت زیادہ رہیں گے اور پاکستان جیت گیا تو ہر طرف میانداد ہی میانداد ہو گا۔ اس وقت ساؤتھ افریقہ کے بعد پاکستان ہی ورلڈ کپ میں فیورٹ ہے کیونکہ ویسٹ انڈیز کی ٹیم ابھی تک ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اور پوری ٹیم میں صرف برائن لارا ہی فارم میں ہے۔ دوسری طرف بھارت کی پے در پے شکست کی وجہ سے اظہر الدین عتاب میں ہے اور ٹنڈولکر کی عدم موجودگی میں پوری ٹیم دباؤ کا شکار ہے۔ خاص طور پر شارجہ کپ فائنل میں صرف 125 رنز پر ٹیم کا آؤٹ ہونا اس بات کی دلیل تھی۔ جب شروع میں تین کھلاڑی یکے بعد دیگرے آؤٹ ہوئے تو ساری ٹیم آخر تک کھیل میں واپس نہیں آسکی حالانکہ وکٹ کھلاڑیوں کے لئے کوئی مشکل پیدا نہیں کر رہی تھی اور زبردست بیٹنگ وکٹ ہونے کے باوجود پاکستانی بولر کھیل پر چھائے ہوئے تھے اور اس مرتبہ تو شارجہ کا میدان صرف پاکستانیوں کی تالیوں اور جوش و خروش سے بھرپور نظر آرہا تھا اور بھارتی تماشائی خاموش بیٹھے تھے۔ اگر یہی حال بھارت کے کسی شہر میں ہوتا' خاص طور پر کلکتہ میں تو اسٹیڈیم جل کر راکھ ہو چکا ہوتا کیونکہ بھارتی کبھی بھی پاکستان سے اتنی بری شکست برداشت نہیں کر سکتے اور اب تو بار بار پاکستان سے ہارنے کے بعد بوتلیں' پھل' پتھر وغیرہ پھینک کر اپنے دل کا غبار اتارنا ہر شکست خوردہ بھارتی کا وطیرہ بن چکا ہے حالانکہ کھیل میں فتح اور شکست لازمی حصہ ہوتی ہیں اور جب سے ون ڈے کرکٹ شروع ہوئی ہے شام تک تماشائی کو رزلٹ مل جاتا ہے کہ کون سی ٹیم جیتی اور کون سی ٹیم ہاری بہر حال اگر شارجہ کپ کا تجزیہ کیا جائے تو دو میچوں میں پاکستانی کھلاڑیوں کی کارکردگی نہ صرف خراب تھی بلکہ مشکوک تھی۔ باوجود اس کے کہ پاکستان پہلے ہی فائنل کے لیے کوالیفائی کر چکا تھا اس کو ہارنے کی صورت میں فائنل میں جانے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا مگر پھر بھی بھارت اور خاص طور پر انگلینڈ کے خلاف پاکستانی ٹیم معمولی سا ٹارگٹ پورا نہیں کر سکی جس کے ذمہ دار تمام سینئر کھلاڑی تھے۔ اس آسان وکٹ پر شروع ہی سے پاکستانی ٹیم غیر سنجیدگی سے کھیل رہی

تھی اور دونوں میچ با آسانی ہار گئی۔ لگتا تھا کہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔ بہر حال اسی کوچ میانداد کی موجودگی میں دونوں فائنل پاکستان جیت گیا تو کپتان اور کوچ دونوں ہی یکساں مبارک باد کے مستحق تھے۔ مگر عمران خان کا خیال تھا کہ پاکستان صرف کپتان وسیم اکرم کی وجہ سے یہ دونوں کپ جیتا ہے۔ اس کا مقصد صرف جاوید میانداد کی تضحیک کرنا اور ٹیم میں جاوید کی بحیثیت کوچ ثانوی حیثیت بتانا تھا اگر قوم کو یاد ہو تو یہی عمران خان اور ان کا ٹولہ تھا جس نے پچھلے ورلڈ کپ میں جاوید کو ٹیم سے باہر رکھا تھا اور پاکستان جب پے در پے شکست سے دوچار ہوا تو عین وقت پر جاوید کو بلوایا اور اسی جاوید نے باقی میچوں میں اسکور کر کے اپنا لوہا منوایا اور یہی وہ عمران خان ہیں جنہوں نے جاوید کو بھارت کے خلاف حیدر آباد میچ میں 300 رنز کا موقع نہیں دیا اور 280 رنز پر جاوید میانداد کو موقع دینے کے بجائے ڈکلیئر کر دیا حالانکہ تین دن کا کھیل باقی تھا اگر آدھا گھنٹہ تیسرے دن جاوید کی ٹرپل سینچری کے لئے کھیل بڑھا دیا جاتا تو کون سی قیامت آجاتی۔ کم از کم جاوید کا ٹرپل سنچری کا خواب پورا ہو جاتا مگر عمران خان ہمیشہ ڈکٹیٹر کی طرح کھیل کے میدان میں اور باہر بھی کسی کی تنقید برداشت نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ اپنے مخالف کی تعریف کر سکتے ہیں' جو کھلاڑی ان کی جی حضوری کرے وہی بڑا کھلاڑی ہے اس طرح انہوں نے ہمارے کئی کھلاڑی عین نوجوانی میں ضائع کر دیئے یا بورڈ کے ہاتھوں کرا دیئے۔ ان میں جاوید میانداد کا نمبر سب سے پہلے ہے۔ انہوں نے اس کو دس ہزار رنز نہیں بنانے دیئے اور قبل از وقت ریٹائر کرا دیا اور ہمیشہ جاوید کو تنقید کا نشانہ بنایا' یہ وہی عمران خان ہیں جنہوں نے بچ می کے انعامات جاوید میانداد کو دینے کے بجائے تمام کھلاڑیوں سے شوکت خانم میموریل ٹرسٹ میں دلوائے اور میانداد کو دعوت نامہ تک نہیں دیا جس کی وجہ سے وہ بچ می کے فنکشن میں نہیں آسکے اور دوسرے دن اخبارات سے پتہ چلا کہ عمران خان نے اس فنکشن کے لیے اس کا دعوت نامہ اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ قوم یہ جاننا چاہتی ہے کہ اتنی اچھی پرفارمنس کے باوجود جاوید میانداد پر معمولی معمولی الزامات لگا کر اس کو پھر کریڈٹ دینے کے بجائے بدذل کیوں کیا گیا کہ اس نے استعفیٰ دے کر جان چھڑالی اور پھر پاکستانی کوچ کے بجائے ساؤتھ افریقہ سے کیوں کوچ امپورٹ کیا گیا۔ کیا پاکستانی کھلاڑیوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ وہ کوچ بن سکے جبکہ ہمارے فاسٹ بولر شعیب اختر' وسیم اکرم اور وقار یونس اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کر رہے ہیں تو سرفراز نواز کو اضافی کوچ کیوں مقرر کیا گیا۔ ایک ٹیم میں دو دو کوچ مقرر کرنا کس کی اختراع ہے۔ جاوید میانداد کے جانے کے بعد

ورلڈ کپ میں پاکستان کا جیتنا اب بہر حال مشکل ہے ہمیں چاہئے کہ اس الجھن میں پڑنے کے بجائے جاوید کو منا کر واپس لے آئیں اور دونوں نام نہاد کوچوں کو فارغ کر دیں اور ٹیم کو صرف ورلڈ کپ کے لئے نہ چھیڑیں ورنہ گزشتہ ورلڈ کپ کی طرح ہماری ٹیم جو بڑی مشکل سے بنی ہے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گی اور ہم ایک سنہری موقع گنوا دیں گے اور جاوید کی کارکردگی کو ہم اس جملے میں پورا کر دیں گے کہ جس نے سبق یاد کیا اس کی چھٹی ہو گئی۔

الوداع بیسویں صدی الوداع

برصغیر کے مسلمانوں نے آج سے باون سال پہلے قائداعظم محمد علی جناحؒ کی ولولہ انگیز قیادت میں انگریزوں، ہندوؤں، سکھوں، مرہٹوں، گورکھوں سے جان چھڑا کر بڑی مشکل سے پاکستان حاصل کیا تھا۔ پاکستان بنانے میں بنگال اور سندھ پیش پیش تھے۔ اگرچہ سرحد میں صرف خان عبدالغفار خان نے ریفرنڈم کی بات کی تھی مگر مسلمانوں کا جذبہ دیکھ کر انہوں نے مخالفت ترک کر دی تھی اور قائداعظمؒ کو تعاون کی یقین دہانی کرائی تھی۔ مگر بدقسمتی سے قائداعظمؒ کی زندگی نے وفا نہیں کی اور قائد ملت لیاقت علی خان چار سال میں شہید ملت ہو گئے اس لئے اس نئے پودے کو پوری طرح پھلنے پھولنے کا موقع نہیں ملا اور قائداعظم اور قائد ملت کے بعد سازشی دماغوں نے اپنے اپنے مفاد کی خاطر صوبائی خود مختاری کو مرکزی طاقت میں تبدیل کر کے وفاق پاکستان کے نام پر وفاق کو صوبوں سے دور کر دیا اور کچھ مفاد پرستوں نے تو ون یونٹ کے نام پر پاکستان کے تمام صوبوں کا کنٹرول سنبھال لیا اور صوبوں کی آمدنی مرکز نے اپنے پاس رکھ لی۔ پھر وہی ہوا کہ ون یونٹ ٹوٹا، صوبے بحال ہوئے مگر اس کو اصلی صورت میں خود مختاری نہیں مل سکی۔ مرکز مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا اور صوبے بے اختیار ہوتے گئے اور سب سے بڑا صوبہ 1971ء میں ہماری اسی پالیسی کی وجہ سے الگ ہو کر بنگلہ دیش بن گیا مگر ہم نے اس سے سبق سیکھنے کے بجائے اور صوبائی خود مختاری زیادہ دینے کے بجائے مرکز کا کنٹرول بڑھانے کا وطیرہ ہی اختیار کیے رکھا اور بنگال کے بعد اب چونکہ پنجاب سب سے بڑا صوبہ رہ گیا تھا لہٰذا مرکز کا محور اب پنجاب بن گیا کیونکہ دیگر تین صوبوں کی آبادی پنجاب سے کم تھی اس وجہ سے دیگر صوبے اگر احتجاج بھی کریں

تو قومی اسمبلی میں وہ اکثریت ثابت نہیں کر سکتے یعنی اگر تینوں صوبوں میں خواہ حزب اختلاف کی جماعتوں کی حکومت ہی کیوں نہ ہو وہ قومی اسمبلی میں اپنی بات نہیں منوا سکتے۔ دنیا میں صوبے کل مختار ہوتے ہیں ان کے الگ الگ قوانین ہوتے ہیں اور نئے صوبے بھی بنتے رہتے ہیں۔ جس طرح آبادی بڑھتی ہے اسی طرح صوبے بڑھتے ہیں اس سے مرکز کمزور نہیں ہوتا بلکہ اور مضبوط ہوتا ہے مگر ہمارے ملک میں مرکز نئے صوبے بنانے کو اپنی ہتک سمجھتا ہے۔ ہمارے پڑوسی ملک بھارت میں تقریباً 20 نئے صوبے بن چکے ہیں مگر ہمارے ملک میں پانچ صوبوں سے چار صوبے رہ گئے ہیں یعنی ایک صوبہ کم ہو گیا ہے۔ ہر صوبے کے عوام اور بالخصوص سیاستدان مرکز سے پریشان ہیں بلکہ کافی حد تک نالاں ہیں۔ مرکز باپ کا کردار ادا کرتا ہے اور صوبے اس کے بچے ہوتے ہیں' کبھی کبھی بچے نافرمانی بھی کر جاتے ہیں مگر باپ ان کو سمجھا کر مطمئن کرتا ہے' مگر ہمارے ہاں مرکز کا کردار صرف اپنا اقتدار بڑھانا اور صوبوں کی آمدنی پر نگاہ رکھنا ہی ہو کر رہ گیا ہے' امریکہ میں 51 صوبے ہیں اور ہر صوبے کا الگ قانون ہے اور بعض صوبوں کا قانون بہت ہی سخت ہے مگر مجال ہے کہ مرکز اس کو کوئی ہدایت دے کہ ایسا کرو اور ایسا نہ کرو۔ سوئٹزرلینڈ کی آبادی کراچی سے آدھی ہے مگر وہاں 37 صوبے ہیں ہر صوبہ خوشحال ہے جس صوبے کی آمدنی کم ہو تو اس کو یکساں بنانے کے لئے مرکز اپنے فنڈ سے اس کی مدد کرتا ہے مگر ہمارے ہاں مرکز نے صوبہ سرحد سے بجلی' صوبہ بلوچستان سے گیس' سندھ سے تمام درآمدی ٹیکس اپنے پاس رکھ لیا ہے اور یہ تینوں صوبے آمدنی کا اپنا حصہ مانگتے ہیں جو مرکز بڑی مشکل سے واپس کرتا ہے جس کی وجہ سے ان صوبوں کی ترقی رک جاتی ہے اور کبھی کبھی تو ان صوبوں کے پاس اپنے ملازموں کو تنخواہیں بھی دینے کے لئے نہیں ہوتیں مگر ایک صوبہ ایسا بھی ہے جس کے پاس تمام اختیارات ہیں۔ وہ مرکز کی بھی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ اس کا مرکز پر پورا کنٹرول ہے۔ اس صوبے کی اپنی آمدنی بھی زیادہ نہیں ہے بلکہ اس کے اخراجات سب سے زیادہ ہیں۔ وہ صوبہ پنجاب ہے۔ میں اس صوبے کے خلاف نہیں ہوں کیونکہ آبادی کے لحاظ سے اس کا حق ہے کہ وہ مرکز پر حکومت کرے اور بڑا بھائی ہی رہے مگر بڑا بھائی باپ کے بعد صرف گھر کا ہی نگہبان نہیں ہوتا بلکہ سب سے زیادہ قربانی دینے کے لئے بھی تیار ہوتا ہے تاکہ تمام بھائی ایک ساتھ رہیں اور اگر کوئی بھائی ایک دوسرے سے لڑے تو وہ ان میں انصاف کر کے لڑنے سے روکے اور اگر ہو سکے تو ان کو خوش کرنے کے لئے اپنے پاس سے بھی کچھ دیدے کیونکہ وہ بڑا بھائی ہے۔

مگر اس وقت بڑا بھائی شاید یہ کردار ادا نہیں کر رہا ہے اسی وجہ سے دوسرے بھائی اس سے نالاں ہیں۔ باپ یعنی مرکز بڑے بھائی کے ساتھ خصوصی سلوک کر رہا ہے اور دیگر صوبوں کے ساتھ اس کا برتاؤ بالکل مختلف ہے اور فرق صاف ظاہر ہے اور جناب عبدالقادر حسن صاحب کے کالم "میاں صاحب ایسا کیوں ہو رہا ہے" پڑھ کر میں نے یہ کالم لکھا ہے کہ اب بھی وقت ہے ٹیکس پر ٹیکس لگانے کے بجائے صوبوں کی تکالیف پر مرہم رکھنے کی ضرورت ہے۔ عوام اب بے زاری کی حدیں چھو رہے ہیں۔ آئی ایم ایف' ورلڈ بینک اور دیگر امداد دینے والے ادارے اور ممالک مزید قیمتیں بڑھانے پر زور دے رہے ہیں۔ ٹیکس پر ٹیکس لگا کر عوام کو پاکستان کے خلاف بھڑکا رہے ہیں۔ دہشت گردی آج جتنی صوبہ پنجاب میں ہے خواہ وہ مخالفین کے نام پر ہو یا مذہب کے نام پر' روزانہ ایک محتاط اندازے کے مطابق 15 آدمی اس کا شکار ہیں مگر اس سے کم وارداتوں والے صوبے میں گورنر راج ہے۔ میاں شہباز شریف امریکہ سے بھی ڈائریکٹ بات چیت کر سکتے ہیں مگر دوسرے صوبوں کا سربراہ اپنے صوبے کے معاملات بھی مرکز کے بغیر طے نہیں کر سکتا۔ غربت' بے روزگاری اور احساس محرومی دیگر صوبوں میں بڑھ رہی ہیں کراچی میں بھی کرکٹ کا میدان ہے کاش وزیراعظم یہاں کے نیشنل اسٹیڈیم میں آکر کبھی کبھی کھیل لیا کریں تو کراچی والوں کا دل بڑھ جائے گا بے شک وہ اپنی ٹیم لاہور ہی سے لے آئیں' کبھی وہ رات صوبہ سرحد اور بلوچستان میں بھی گزار لیں۔ اب جلد ہی پاکستان اکیسویں صدی میں داخل ہونا چاہتا ہے کاش ہم اپنی گزری ہوئی صدی سے سبق حاصل کریں اور نئی صدی میں اس کو نہ دہرائیں تاکہ ہمارے عوام سکون کا سانس لے سکیں اگر مرکز صوبوں کو اپنا سمجھے تو صوبے بھی اس کو اپنا سمجھیں گے کیونکہ غلطی کرنا اتنا برا نہیں ہے جتنا غلطی دہرانا۔ اسی جذبے سے کہیں کہ الوداع اے بیسویں صدی الوداع۔